
اونچ نیچ کا پہاڑ
اُم طیفور

اُونچ نیچ کا پہاڑ

اُم طیفور

نوٹ:۔

قسط نمبر 1

"اونچ نیچ کا پہاڑ
بچے موتیوں کا ہار
مالک دیکھ رہا ہے
کتا بھونک رہا ہے
دیکھتے ہیں سب سے
پہلے کون پکتا ہے۔۔۔"

"ٹھرپ ٹھرپ۔۔۔ٹھرپ ٹھرپ۔۔۔" کی مسلسل آواز اس کے پیروں میں پہنے جوتوں سے آرہی تھی مگر پھر بھی وہ مکمل جوش کے ساتھ اس جانب بڑھ رہا تھا جہاں پانچ سات بچوں کا ٹولا کھیل رہا تھا۔۔گول دائرے کی شکل میں وہ سات بچے تھے۔۔۔ایک بچہ جو ان سب میں قد میں لمبا تھا وہ یہ الفاظ دہراتا، جس بچے پر اختتام ہوتا وہ بھاگتا ہوا کسی اونچی جگہ پر چڑھ جاتا۔۔۔یوں آخر میں رہ جانے والا باری دیتا اور باقی سب جگہ بدل بدل کر اسے بھگاتے رہتے۔۔۔اگر باری دینے والا بچہ کسی اونچی جگہ پر چڑھ کر پکڑنے کی کوشش کرتا تو اسے چٹکیاں کاٹ کاٹ کر نیچے اتار دیا جاتا۔۔۔!

وہ نیم مسکراہٹ لیے ٹھرپ ٹھرپ کرتا چلا آرہا تھا۔۔۔اس کے پیروں کے پنجے اپنے سائز سے بڑا جوتا پہننے کی وجہ سے دکھ دکھ کر شل ہو گئے تھے۔۔۔دو نمبر بڑا جوتا جس پر گرفت قائم رکھنے کی خاطر وہ پنجا جکڑ کر چلتا تھا، اب جیسے بری طرح تھک گیا تھا، پھر بھی وہ مسکراتا ان بچوں کے قریب پہنچ کر ایک طرف بنی چھوٹی سی تھڑی پر بیٹھ گیا جہاں وہ پچھلے کئی روز سے بیٹھ کر ان بچوں کو کھیلتے دیکھا کرتا تھا۔۔۔چند روز پہلے تک وہ یہاں سے کچھ آگے اسٹاپ پر بنے بنچوں پر بیٹھا کرتا تھا، ادھر وہ یونہی تنہا بیٹھا پون گھنٹہ صرف

کیا کرتا لیکن ایک دن اس نے دور سے ان بچوں کو کھیلتے دیکھا تو تب سے شوق میں یہاں بیٹھنے لگا۔۔۔!

اس نے سکول بیگ کندھوں سے اتار کر نیچے رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں ٹھوڑی کے نیچے جما کر وہ پورے انہماک سے کھیل دیکھنے لگا۔۔۔ایک بچہ بھاگتا ہوا اونچی جگہ ڈھونڈ رہا تھا جہاں چڑھ کر وہ خود کو پکڑے جانے سے بچا سکتا لیکن اسے کوئی جگہ نہی ملی۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ پکڑا جاتا، وہ تھڑی سے اٹھا اور اسے آواز دیتے ہوئے بولا۔۔۔

"یہاں۔۔۔ یہاں آجاؤ۔۔۔اس پر چڑھ جاؤ۔۔۔!"

بچہ بھاگتا ہوا آیا اور فوراً اس تھڑی پر چڑھ گیا۔۔۔وہ بہت خوش ہوا کہ اس نے اس بچے کی مدد کی ہے۔۔۔دل میں کہیں لالچ چھپا تھا کہ اب وہ سب اسے بھی کھیلنے کی پیشکش کریں گے مگر اس بچے نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا تک نا تھا۔۔۔وہ پسیج گیا۔۔۔پکڑنے والا بچہ قریب پہنچ کر اسے ہی کینہ توز نظروں سے دیکھنے لگا اور پھر ہلکا سا دھکا دیتا کسی اور طرف نکل گیا۔۔۔وہ ہلکا سا دھکا ہی اسے گرا گیا کیونکہ اس کے پیروں میں جوتے اس کے سائز کے نہی تھے اور جنہیں پہلے ہی پیروں میں فٹ کرنے کے وہ جتن کر رہا تھا، دھکے سے گرفت ڈھیلی ہوئی اور وہ الٹ کر کچی مٹی پر گرا۔۔۔جتنی تیزی سے وہ گرا تھا اس سے زیادہ سرعت سے وہ کھڑا ہو گیا کیونکہ یونیفارم گندا ہوتا تو اسے مار پڑتی۔۔۔وہ اپنے دونوں بازو پیچھے کمر پر لا کر ہاتھوں سے پشت جھاڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔۔۔تبھی یکدم اسکی گردن پر کسی نے زوردار تھپڑ رسید کیا۔۔۔وہ بدک کر پلٹا اور مزید سہم گیا۔۔۔اس کا بڑا بھائی لال بھبو کا چہرہ لیے اسے گھور رہا تھا۔۔۔

"وہ۔۔۔سامنے سے چل کر آیا ہوں میں۔۔۔وین والے نے آج وہاں اتار دیا تھا۔۔۔اتنی گرمی میں مجھے تمہاری وجہ سے مزید چلنا پڑا۔۔۔کتنی بار کہا ہے کہ اسی جگہ کھڑے رہا کرو۔۔۔اثر کیوں نہی ہوتا تمہیں۔۔۔گھر چلو بتاتا ہوں امی کو۔۔۔!"

اس کے بڑے بھائی نے "وہ" کو اتنا لمبا کیا کہ اسے لگا سارا رستہ اسی دو حرفی لفظ میں اکھٹا ہو گیا ہے۔۔۔

"خضر وہاں چھاؤں نہی ہے۔۔۔گرمی لگتی ہے۔۔۔اور اکیلا ہوتا ہوں اس لیے یہاں آجاتا ہوں۔۔۔امی کو نا بتانا۔۔۔کل سے وہیں کھڑا ہو جاؤں گا۔۔۔!"

وہ منمنایا۔۔۔لیکن اس کا بڑا بھائی اس کی بات سنے بنا اس سے آگے تیز تیز قدموں سے چلتا آگے نکل گیا۔۔۔وہ بڑے سائز کے جوتوں میں ٹھرپ ٹھرپ کرتا اس سے جاملنے کی کوشش میں ہلکان ہوا جا رہا تھا۔۔۔دو قدم اور چل کر اس کے بھائی نے پلٹ کر اپنا بیگ اتارا اور اس کے منہ پر تقریبا پھینکتے ہوئے پھر چل پڑا۔۔۔وہ اپنے بیگ کے ساتھ بھائی کا بیگ بھی اٹھاتا تھا۔۔۔روزانہ اسی معمول کے تحت وہ سکول سے گھر واپس جاتے تھے۔۔۔وہ پیلی گورنمنٹ سکول میں پڑھتا تھا جبکہ اس کا بھائی اور چھوٹی بہن گیریژن میں زیرِ تعلیم تھے۔۔۔چھوٹی بہن ابھی کلاس ون میں تھی، اس کی آف ٹائمنگ جلدی ہوجاتی تھی اس لیے ماموں اسے پہلے ہی پک کر کے گھر چھوڑ دیتے تھے۔۔۔اس کی چھٹی اپنے بھائی سے پینتالیس منٹ پہلے ہوجاتی تھی لیکن اسے سختی سے حکم تھا کہ وہ اس جگہ بیٹھ کر اپنے بڑے بھائی کا انتظار کرے گا اور اس کے ساتھ ہی گھر واپس آئے گا۔۔۔سخت سردی اور سخت گرمی میں یہی اس کا معمول تھا۔۔۔وہ بلاوجہ پون گھنٹہ وہیں بیٹھا رہتا۔۔۔اس کے بھائی کی وین اسے اسٹاپ پر اتارتی اور وہاں سے وہ پانچ سے سات منٹ کا پیدل رستہ طے کر کے گھر پہنچا کرتے۔۔۔اس کی امی کو یہ پانچ سے سات منٹ منظور نہیں تھے کہ اس کا بڑا بھائی اکیلا گھر پہنچے۔۔۔اس لیے وہ مفت میں یہ بیگار کاٹتا آرہا تھا۔۔۔گھر پہنچنے تک وہ جی ہی جی میں خوب کڑھتا رہا۔۔۔وہ یہی کر سکتا تھا بس۔۔۔جتنا غبار جتنی بھڑاس اس کے دل میں اپنے گھر والوں کے لیے جمع ہوچکی تھی وہ خود پر ہی نکالتا تھا۔۔۔سارا رستہ جان پہچان کے لوگ ان دونوں بھائیوں پر نظر لازمی جماتے۔۔۔اس پر ترحم بھری اور اس کے بڑے بھائی پر زہر بھری۔۔۔سبھی کو اس کی حالت قابلِ ترس لگا کرتی سوائے اس کے اپنے گھر والوں کے۔۔۔وہ انہی سوچوں میں غلطاں ٹھرپ ٹھرپ کرتا گھر پہنچا تو اس کا بھائی کب کا اندر جاچکا تھا اور گیٹ بھی بند کر گیا تھا۔۔۔اس کی آنکھیں گیلی ہوگئیں جنہیں اس نے آستین سے صاف کیا۔۔۔دونوں بیگ کندھے سے اتار کر اس نے تھڑے پر پٹخ دیے اور نفرت اور بے بسی کے احساس سے مغلوب ہو کر بیل پر انگلی رکھ دی۔۔۔!

☆......☆......☆

چندا ماما دور کے

بڑے پکائیں بھون کے

آپ کھائیں تھالی میں

منے کو دیں پیالی میں

پیالی گئی ٹوٹ

منا گیا روٹھ۔۔۔

وہ ڈھلتی شام میں چھت پر اکیلا بیٹھا درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لیے دیوار سے ٹیک لگائے گنگنا رہا تھا۔۔۔ساتھ والوں کے صحن میں لگا امرود کا پیڑ ان کی چھت پر جھکا ہوا تھا۔۔۔اس پر سے دو تین کچے امرود اور چھوٹی سی ٹہنی توڑے وہ فرش پر بیٹھا ٹہنی سے امرودوں کے ساتھ ہاکی کیطرح کھیل رہا تھا۔۔۔باہر گلی میں بچے ابھی بھی غل غپاڑہ مچائے ہوئے تھے۔۔۔کچھ دیر پہلے وہ بھی نیچے انہی کے ساتھ تھا مگر پھر اس کا بھائی ٹیوشن پڑھ کر لوٹ آیا۔۔۔اپنا بیگ اس کے سینے پر اچھال کر اندر رکھ کے آنے کو کہا اور جب تک وہ رکھ کے آیا تب تک جو جگہ وہ بمشکل پچھلے آدھے گھنٹے میں کچھ چاپلوسی اور کچھ گٹس کی وجہ سے بنانے میں کامیاب ہوا تھا، اس کا بھائی اسے ہتھیانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔۔۔سب بچے گول دائرے میں ہاتھوں کی پشت ایک دوسرے کے ہاتھ پر رکھ کر کھڑے ہوئے اور اس کا بھائی باریاں لگانے کے لیے بولنا شروع ہوا۔۔۔

"تھینک یو ویری مچ

یو آر مگر مچھ

پیٹھے ہو کے نچ۔۔۔

جس پر نچ کا لفظ آجاتا وہ پگ جاتا اور ہاتھ ہٹا لیتا۔۔۔وہ آگے بڑھا اور اپنا ہاتھ سب کے ہاتھوں کے درمیان پھنسا دیا۔۔۔اس کے بھائی نے بولتے بولتے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔۔۔وہ سب کو باری باری پگاتا جا رہا تھا لیکن درمیان سے اس کا ہاتھ نظر انداز کر جاتا۔۔۔اور آخر میں باری دینے والا

لڑکا رہ گیا یا وہ خود۔۔۔وہ لڑکا تو سب کے پیچھے بھاگنے لگا لیکن وہ کیا کرتا۔۔۔جب اسے کوئی کھلا ہی نہی رہا تھا تو وہ وہاں رک کر بھی کیا کرتا۔۔۔اس لیے خاموشی سے چھت پر چلا آیا۔۔۔تب سے وہیں بیٹھا آڑی ٹیڑھی لکیریں بناتا جا رہا تھا۔۔۔آج کا ہوم ورک بھی اس نے نہی کیا تھا کیونکہ امی نے فی الحال دو تین دن تک اسے جوتے دلانے سے منع کر دیا تھا۔۔۔

" زین کس قدر بے حس ہو تم۔۔۔چار دن نکال نہی سکے۔۔۔نئے جوتے ہیں پرانے بھی نہی۔۔۔صرف معمولی سے بڑے ہیں نا۔۔۔میں صبح تمہیں آگے کاغذ پھنسا دوں گی، ٹھیک رہیں گے۔۔۔اب اپنے ابو کو تو آلینے دو تبھی لا کے دیں گے نا۔۔۔!"

آج دوپہر کے کھانے کے بعد جب اس نے امی سے نئے سکول شوز کا کہا تو آگے سے اسے یہ جواب سننے کو ملا۔۔۔

" امی کلاس میں بچے میرے مذاق اڑاتے ہیں۔۔۔سب ہنستے ہیں میرے جوتوں کی آواز پر۔۔۔میں نے سکول میں کاغذ پھنسا کے دیکھا تھا یہ تب بھی فٹ نہی ہوتے۔۔۔اور بھائی کے آئے تھے نا یہ جوتے۔۔۔اسے پسند نہیں آئے تو آپ نے مجھے دے دیے حالانکہ سکول شوز میرے خراب تھے پھر بھی بلاوجہ بھائی کو پہلے یہ دلا دیے۔جو اسے گھر آ کر پسند نہی آئے تو آپ نے اسی شام دوسرے دلا دیے، مجھے پھر بھی نہی لے کر دیے۔۔۔میں نہی پہنوں گا۔۔۔نئے چاہیئں مجھے۔۔۔ابھی۔۔۔!" وہ روہانسا ہو کر بولتا چلا گیا۔۔۔ماں نے آگے بڑھ کر منہ پر کس کر تھپڑ لگایا۔۔۔

" کتنی زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔۔۔کس سے دوستی ہے تمہاری آج کل۔۔۔کتر کر رکھ دوں گی میں سمجھے۔۔۔اور بڑے سے مقابلہ کیوں کرتے ہو۔۔۔مر نہیں گئے ہو جو اسے دو شوز دلا دیے۔۔۔آج یہ حال ہے تمہارا کہ اس کی چھوٹی سی چیز برداشت نہی ہو رہی کل کو تو گلے کاٹو گے۔۔۔ذلیل انسان۔۔۔!"

امی غصے سے چلی گئیں اور وہ سن سا بیٹھا رہ گیا۔۔۔تھپڑ کا دکھ اب اسے نہی ہوتا تھا کیونکہ وہ امی اور بڑے بھائی سے عام مار کھاتا رہتا تھا۔۔۔دل تو اس کا کانپا تھا گلے کاٹنے والی بات سے۔۔۔یہ بات اس کے چھوٹے سے ذہن کے لیے بہت بڑی تھی۔۔۔ایک ہولناک تصور تھا جو نگاہیں باندھ رہی تھیں۔۔۔"

تو کیا وہ اتنا بُرا ہے۔۔۔؟ وہ ایسا بھی کر سکتا ہے؟ امی اسے ایسا سمجھتی ہیں۔۔۔؟ مس کہتی ہیں ماں باپ کو ہر بات پتا ہوتی ہے۔۔۔امی کو بھی پتا ہو گا تبھی وہ مجھ سے پیار نہیں کرتیں۔۔۔میں واقعی بُرا ہوں۔۔۔!"

یہی کڑھن لیے وہ چھت پر چلا آیا تھا۔۔۔اسے اپنے اوپر افسوس ہو رہا تھا۔۔۔وہ کیوں پیدا ہو گیا تھا۔۔۔امی اس کی سگی امی نہیں ہیں کیا۔۔۔اسے کہیں سے اٹھایا گیا ہو گا۔۔۔ہو سکتا ہے وہ کسی دن ابو کو شہر سے آتے ہوئے کہیں پڑا ملا ہو تو وہ اسے ترس کھا کے لے آئے ہوں۔۔۔پتا نہیں میرے اصل امی ابو کہاں ہوں گے۔۔۔!

ایسی بے شمار چھوٹی چھوٹی خود ترسی میں ڈوبی سوچیں اس کے گرد گھیرا تنگ کیے ناچنے لگیں۔۔۔اور وہ آٹھ سال کا بچہ ان سوچوں کے بیچ دکھ کا الاؤ بنا جل رہا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

اس کا نام زین العابدین تھا۔۔۔وہ ایک پیاری اور بھولی صورت کا پرکشش بچہ تھا۔۔۔بلکہ اگر غیر جانبداری سے دیکھا جاتا تو وہ اپنے بڑے بھائی خضر اور چھوٹی بہن زویا سے زیادہ پیارا تھا۔۔۔خضر کا رنگ روپ ہو بہو ابو پر تھا۔۔۔گندمی رنگت پر سے نقوش اور چھوٹی آنکھیں، جب کہ وہ امی کی کاربن کاپی تھا، انہی کے جیسا گورا اور تیکھے نقوش والا بچہ۔۔۔اور زویا نے رنگت امی کی اور نقش ابو کے چرائے تھے۔۔۔سو اس لحاظ سے دیکھا جاتا تو وہ ان دونوں سے زیادہ پیارا تھا۔۔۔کبھی انجان لوگوں سے ملنا ملانا ہوتا تو ہر کوئی اس کی من موہنی صورت پر فریفتہ ہو جاتا لیکن اس کی ماں کو اپنے بڑے بیٹے سے عشق تھا۔۔۔یہ عشق جنون کی طرح سر چڑھ کر بولتا۔۔۔اس نے بہت چھوٹی عمر سے ماں کا خضر کے لیے والہانہ پن دیکھا تھا۔۔۔اس کے کپڑے، جوتوں کو خیال اس کی خوراک کا دھیان۔۔۔اسے پڑھانا کھلانا، سلانا، نہلانا جیسے ماں کے لیے سعادت تھی۔۔۔اور یہ وہ خود تو نہیں جانتا تھا لیکن دادی سے سنا تھا کہ اس عمل میں شدت اس کے پیدا ہونے کے بعد سے آئی تھی۔۔۔وہ دو تین سال کی عمر سے اپنی ماں کی بے جا نفرت کا نشانہ بنتا آیا تھا۔۔۔تب شعور نا تھا، ماں کے تھپڑ کو وہ سہتا تھا، موازنہ نہیں کرتا تھا۔۔۔وہ بیمار ہو جاتا تو ماں کی گود میں گھستا لیکن وہ اسے دادی کے حوالے کر دیتیں اور خضر کو بانہوں میں بھر

لیتیں۔۔۔تھوڑا شعور آیا تو اسے محسوس ہونے لگا کہ جس غلط کام پر اس کی دھنائی ہوتی ہے اسی پر خضر سے نگاہ بچالی جاتی۔۔۔وہ پیار حاصل کرنے کے چکر میں خضر جیسی باتیں اور شرارتیں کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس کے ساتھ الٹ معاملہ ہو جاتا۔۔۔اسے انہی باتوں اور شرارتوں پر مار پڑ جاتی۔۔۔اس کا ننھا ذہن بہت چھوٹی سی عمر میں یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ امی ابو کا سگا بیٹا نہی ہے۔۔۔خضر بیماری کی حالت میں قے کرتا یا بستر گیلا کر دیتا، امی اسے محبت سے صاف کر دیتیں جبکہ اسے قے آجاتی تو پہلے کمر پر زوردار دھموکے پڑتے اور پھر اسے صاف کیا جاتا۔۔۔اندرونی خلفشار یا اعصابی کمزوری کی وجہ سے وہ نو دس سال کا ہونے کے باوجود رات کو سوتے میں بستر گیلا کرنے لگا تو امی اسے ٹھٹھرتی سردی ہوتی یا گرم ترین راتیں، بالوں سے پکڑ کر اٹھاتیں اور شاور کے نیچے کھڑا کر دیتیں۔۔۔یہ آفت اس کے ننھے جسم پر کیسی گراں گزرتی، اس کا انہیں احساس تک نا ہوتا۔۔۔کبھی دادی آئی ہوتیں تو وہ امی کو خبر ہونے سے پہلے ہی اسے پیار محبت سے صاف کر دیتیں اور اس کا بستر بھی دھوڈالتیں۔۔۔خضر کی سالگرہ ہوتی تو گھر بھر خوشی منا رہا ہوتا۔۔۔اس کی اور زویا کی سالگرہ کو اہتمام سے منایا جاتا کیونکہ وہ بڑا تھا اور زویا چھوٹی تھی۔۔۔زین خود کہاں تھا وہ کبھی جان ہی نا پایا۔۔۔کبھی اپنی سالگرہ کے لیے ضد کرتا تو امی یہ کہہ کر ٹال دیتیں کہ اب کی بار بھائی کے کیک کے ساتھ تمہارا کیک بھی کٹواؤں گی، وہ چپ ہو جاتا۔۔۔ایسا خضر کبھی ہونے نہی دے سکتا تھا۔۔۔جس من مانی اور راجدھانی کی اسے عادت پڑ چکی تھی وہ اس میں شراکت برداشت نہی کرتا تھا۔۔۔ہر ہر موقع کی تصاویر کا مکمل البم خضر اور زویا کا تھا۔۔۔کیونکہ خضر بڑا تھا اور زویا چھوٹی، اوپر سے اکلوتی بہن۔۔۔تو امی اسے کہتیں۔۔۔"تم تو بس مقابلے کرنے پر رہا کرو ہر وقت۔۔۔پتا نہی کس پر چلے گئے ہو۔۔۔حسد ہی نہی جاتا تمہارا۔۔۔!" اور وہ سوچتا کہ "ایک تصویروں والا البم اس کا بھی ہو، ایسی چاہت کرنا حسد ہے۔۔؟"۔۔۔اس کی اگر کوئی تصویر تھی بھی تو کسی فیملی فنکشن میں سب کے بیچ وہ کہیں دکھائی دے جاتا تھا۔۔۔ابو کا کردار ایک خاموش تماشائی سا رہا ہمیشہ۔۔۔جنہیں بس یہ پتا تھا کہ ویک اینڈ پر انہیں گھر آنا ہے اور پھر سوموار کو صبح صبح چلے جانا ہے۔۔۔دو دن کی چھٹی میں وہ خوب جی بھر کر اخبار پڑھتے۔۔۔گوشت، مرغی اور ہفتے بھر کی سبزی کا بندوبست کرتے۔۔۔ضروری مرمتیں کرتے اور

باقی وقت سو کر گزارتے۔۔۔امی کا گھر بھر پر ایسا کنٹرول تھا کہ انہوں نے جس چیز کو جیسا چاہا، اسی کو سب نے اپنی چاہت بنایا۔۔۔امی کی دیکھا دیکھی ابو کو بھی خضر سے بہت محبت تھی اور زویا تو تھی ہی ننھی چڑیا۔۔۔تو وہ ابو کا بھی فرسٹ آپشن نا بن سکا کیونکہ امی کی ترجیح وہ نہی تھا۔۔۔ابو کوئی گیم لاتے یا کپڑا، خضر کو ہی آواز دی جاتی اور وہ گردن اکڑاتا من پسند چیزیں لیے اسے چڑاتی نظروں سے دیکھتا کمرے میں لے جاتا۔۔۔زویا کو ابو خضر سے بھی پہلے اس کا کھلونا تھماتے تھے کیونکہ وہ چھوٹی اور لاڈلی تھی۔۔۔ایسے میں وہ جھجھکتا اور ہکلاتا ابو سے اپنے کھلونے کی فرمائش کرتا تو چائے کا کپ ہونٹوں تک لے جاتے ابو چونک کر امی کو دیکھتے کہ وہ جواب دیں اور امی اسے پچکارتے ہوئے کہتیں۔۔ "تو خضر کی چیز تمہاری بھی تو ہے بیٹا۔۔۔وہ اکیلا کب کھیلتا ہے۔۔۔اور اس نے اتنے کپڑے نکالے ہیں پچھلی دفعہ والے وہ سب میں ابھی تمہاری الماری میں رکھ دیتی ہوں۔۔۔وہ بڑا ہے زین۔۔۔اسے مان دینا سیکھو۔۔۔اس کے ہاتھ میں پہلے چیز دی جاتی ہے تاکہ اس کی کوئی حیثیت بنے۔۔۔وہ کل کو گھر کا بڑا بنے گا بیٹا۔۔۔اور تم کب اپنا دل بڑا کرو گے۔۔۔جاؤ اب اور مل کر کھیلو۔۔۔!"

امی کی اس مدلل گفتگو کا اس کے پاس کوئی جواب کبھی ہوا ہی نا تھا کیونکہ وہ ایسے جوابات دینے کے لیے ابھی بہت چھوٹا تھا۔۔۔وہ یہ بھی نا کہہ سکا کہ خضر اسے کبھی کسی کھلونے کو ہاتھ لگانے ہی نہی دیتا۔۔۔وہ تو ان کے لمس تک سے مانوس نہی ہے۔۔۔جب بھی ابو کوئی کھلونا لاتے خضر کو یہ کہہ کر تھماتے کہ دونوں کھیلو لیکن کھیلنے والا صرف خضر ہوتا اور دوسرا ابھی وہی ہوتا۔۔۔ایسے میں کبھی وہ چوری کوئی کھلونا کھیل لیتا تو خضر کی مار کٹائی کا اس قدر ڈر ہوتا کہ اس سے بہتر وہ نا کھیلنا سمجھتا۔۔۔خضر کو اچھی چیز ملنی چاہیے کیونکہ وہ بڑا ہے۔۔۔اچھا کھانا، اچھا پہننا، اچھا ماحول اور اچھی پڑھائی۔۔۔!

دو سال پہلے تک وہ تینوں بہن بھائی ایک ہی سکول میں جاتے تھے۔۔۔وہ سیمی گورنمنٹ تھا۔۔۔پڑھائی اور ماحول دونوں اچھے تھے لیکن پھر ابو کی پروموشن ہوگئی۔۔۔آمدن میں اضافہ ہوا تو امی کو لگا کہ بچوں کا سکول بدلا جائے۔۔۔کینٹ میں ایک بہترین سکول تھا۔۔۔وہاں آرمی آفیسرز کے بچے بھی پڑھتے تھے اور سویلینز کے بھی۔۔۔امی کو اس سکول کا ڈسپلین اور ٹھاٹھ بہت اپیل کرتی تھی۔۔۔ارادہ کیا کہ بچوں کو یہاں

ڈال دیا جائے۔۔۔فیسیں معلوم کیں تو امی اور ابو دونوں شش و پنج میں پڑ گئے۔۔۔تینوں کی فیس ادا کرنے کے بعد امی کا ہاتھ تنگ ہو جاتا۔۔۔سکول کے علاوہ ٹیوشن علیحدہ تھی جو خضر کے لیے لازم و ملزوم تھی۔۔۔دو دن سوچ بچار ہوتی رہی اور پھر تیسرے دن ابو کے شہر جانے سے پہلے فیصلہ ہو گیا کہ فی الحال خضر اور زویا کو نئے سکول داخل کروا دیا جائے۔۔۔اگلی کلاس میں زین کو بھی وہیں کروا دیں گے۔۔۔خضر کی کلاس بڑی ہو رہی تھی اس لیے ابھی سے اس کا سکول بدل جانا بہتر تھا، ورنہ آگے جا کر اسے ایڈجسٹ ہونے میں مشکل ہوتی اور زویا کو اب پریپ میں جانا تھا بیس تھی، ابھی سے اچھے سکول میں بن جاتی تو بہتر ہوتا۔۔۔رہ گیا زین تو اس کی بیس تو بن ہی چکی تھی، کلاس بھی ابھی بہت بڑی نہی تھی، لہذا سال بعد بھی کروا دیتے تو کوئی مسئلہ نا ہوتا۔۔۔یہ ساری گفتگو زین نے خود اپنے ماں باپ کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر سنی تھی۔۔۔وہ اپنا لنچ باکس اور واٹر بائل کچن میں رکھنے گیا تھا، واپسی میں امی ابو کے کمرے کے باہر سے گزرتے ان کو بچوں کا ذکر کرتے سنا تو وہیں رک کر سنتا چلا گیا۔۔۔امی کا حتمی انداز اور دو ٹوک لہجہ ابو کو ہمیشہ سے چپ کراتا آیا تھا۔۔۔وہ ان کے فیصلے سے کبھی اختلاف کرتے ہی نہی تھے۔۔۔اگر کر بھی دیتے تو امی کا ایک ہی مخصوص جملہ ہوتا۔" آپ تو چپ ہی رہیں، آپ کو کیا پتا۔۔۔آپ یہاں تھوڑی ہوتے ہیں" اور پھر ابو سر دھنتے خاموش ہو جاتے۔۔۔!

زین بوجھل دل لیے کمرے میں واپس آ گیا۔۔۔اپنے بیڈ پر بیٹھ کر زیرو بلب کی روشنی میں وہ کچھ دیر خضر کو دیکھتا رہا، جو ابھی پوری طرح گہری نیند میں نہی گیا تھا۔۔۔سامنے اسٹڈی ٹیبل پر اس نے اپنے اور خضر کے کپڑے سیٹ کر رکھے تھے جو امی نے صبح نئے سکول ایڈمیشن ٹیسٹ کے لیے پہن کر جانے کے لیے نکلوائے تھے۔۔۔اس نے بڑے شوق سے سب تیار کیا تھا۔۔۔وہ میکانکی انداز میں اٹھا اور ٹیبل کے قریب آیا، اپنے کپڑوں کو ہاتھوں میں تھام کر سینے سے لگایا جہاں ان دیکھا سا درد جمع ہو رہا تھا۔۔۔اس کی ننھی سی ٹھوڑی جذبات کی شدت سے لرز رہی تھی، آنسو کسی بھی وقت گالوں پر بہہ نکلنے کو تھے۔۔۔لیکن وہ ضبط کر گیا۔۔۔پتا نہی کیسے لیکن کر گیا۔۔۔کپڑوں کو رف سی تہہ لگا کر اس نے الماری کے اندر رکھ دیا۔۔۔اپنے بستر پر کروٹ کے بل لیٹ کر جب تک وہ سو نہی گیا تھا تب تک وہ ٹیبل پر سجے خضر کے کپڑوں کو دیکھتا رہا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

صبح وہ اٹھا تو اس کا ننھا سا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔۔۔آنکھیں بھی متورم تھیں۔۔۔وہ سکول کا یونیفارم پہنتا بمشکل باہر آیا تھا۔۔۔گو کہ اس کا دل سکول جانے کو نہیں کر رہا تھا لیکن پھر بھی نا جانے وہ کیوں تیار ہو گیا تھا۔۔۔دل میں کہیں امید تھی کہ امی اسے یونیفارم میں دیکھ کر ضرور بولیں گی۔۔۔

"تمہیں کس نے یونیفارم پہننے کو بولا ہے۔۔۔بتایا نہیں تھا کہ صبح ایڈمیشن ٹیسٹ ہے، نئے سکول جانا ہے۔۔۔!" اور وہ ڈانٹ کھا کر واپس کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کر لے گا۔۔۔

"دل ہے چھوٹا سا، چھوٹی سی آشا"

وہ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتے کے لیے آیا تو سب سے پہلے خوبصورت سے بے بی پنک کلر کا فراک پہنے اور دو چھوٹی چھوٹی پونیاں بنائے بیٹھی زویا نے پوچھا تھا۔۔۔

"زین بھائی۔۔۔آپ کو کیا ہوا۔۔۔آپ کو درد ہے۔۔۔؟" وہ چھوٹی تھی اس سے محبت کرتی تھی۔۔۔ابھی وہ بھید بھاؤ میں پڑنے کی عمر میں داخل نہیں ہوئی تھی۔۔۔زین نے کھسیاتے ہوئے اسے انگوٹھا دکھا کر اپنے ٹھیک ہونے کا اشارہ دیا۔۔۔منہ سے کوشش کے باوجود جواب نہیں دے پایا کیونکہ ہمدردی کے ننھے بولوں نے حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹکا دیا تھا۔۔۔وہ شعوری طور پر کرسی پر اونچا ہو کر بیٹھا تھا تاکہ امی کی نگاہیں اس پر پڑ جائیں، وہ ایک بار کچن سے آملیٹ کی پلیٹ رکھ کر جا چکی تھیں مگر جلدی میں انہوں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔۔۔وہ بے چین سا ہاتھ مسلتا رہا۔۔۔ابو بھی کمرے سے نکل آئے اور کرسی کھینچ کر ناشتہ کرنے بیٹھ گئے۔۔۔انہوں نے فوراً اخبار اٹھا لیا تھا۔۔۔زین نے ابو کو سلام کیا تو اس کا جواب بھی انہوں نے اخبار کے پیچھے سے نرمی سے دے دیا۔۔۔اس کا دل دوبارہ بھر بھر آنے لگا۔۔۔کوئی تو اسے نوٹس کرے کہ وہ یونیفارم پہنے ہوئے ہے۔۔۔وہ رنگین کپڑوں میں ایڈمیشن ٹیسٹ دینے نہیں جا رہا۔۔۔کوئی تو اسے اس بات پر جھڑکے اور وجہ پوچھے۔۔۔وہ تصور میں خود کو بتاتے سن رہا تھا کہ "وہ رات امی ابو کی باتیں سن چکا ہے اور اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اسی سکول میں رہے گا۔۔۔" ابو اپنی جگہ سے اٹھیں گے اور اسے سینے سے لگا کر کہیں گے "کہ تمہیں فکر مند ہونے کی بھلا ضرورت ہے میرے ہوتے ہوئے۔۔۔میں ہوں نا۔۔۔!" اور امی بھی پیچھے سے اسے بازو میں لے کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہیں

گی۔۔" میرا احساس کرنے والا پیارا بچہ۔۔۔کتنی فکر ہے اسے اپنے ماں باپ کی۔۔۔!"

وہ انہی تصورات کو باندھے خوش امید تھا کہ اسے پتا بھی نا چلا کب امی بھی آ کر بیٹھ گئیں اور ناشتہ شروع ہو چکا۔۔۔امی نے اس کے آگے بھی پلیٹ میں دو سلائس اور آملیٹ رکھ دیا تھا اور اب ابو سے باتیں کرتی زویا کو چھوٹے چھوٹے لقمے بنا کر کھلا رہی تھیں۔۔۔وہ ایک بار پھر صدمے میں گھر گیا۔۔۔امی نے اس کا لنچ باکس اور واٹر بائل بھی ٹیبل پر لا رکھا تھا۔۔۔یعنی کہ واقعی وہ نہیں جا رہا تھا۔۔۔وہ پرانے سکول ہی جانے والا تھا۔۔۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے ردعمل کا مظاہرہ کرے۔۔۔چھوٹا سا ذہن اور دل خود کو چلا چلا کر امی ابو کے سامنے اپنے حقوق کے لیے لڑتا دیکھ رہے تھے لیکن درحقیقت وہ ٹھس سا بیٹھا پلیٹ کو گھورے جا رہا تھا۔۔۔تبھی امی نے مصروف انداز میں خضر کو آواز لگائی۔۔۔

"خضر۔۔۔نکل بھی آؤ بیٹا۔۔۔دیر ہو رہی ہے۔۔۔" چائے کے مگ کو منہ سے لگاتے ہوئے وہ ابو سے مخاطب ہوئیں۔۔"ابھی جاتے ہوئے زین کو سکول بھی ڈراپ کرنا ہے۔۔۔سوچ رہی ہوں آج پیدل نا ہی بھیجوں، جب نکل ہی رہے ہیں سب تو ساتھ ہی ڈراپ کرتے ہوئے آگے چلے جائیں۔۔۔کیا خیال ہے۔۔۔؟"

اور ابو کا اپنا خیال کبھی الگ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔۔۔ہاں میں ہاں ملا کر وہ دوبارہ ناشتے اور اخبار میں مصروف ہو چکے تھے۔۔۔تبھی خضر نک سک سے تیار کمرے سے نکلا اور اس کے پیچھے سے گزرتا برابر والی کرسی پر آ بیٹھا۔۔۔یہ بھی حیرت کا مقام تھا یا تو وہ خوش بہت تھا یا آج اس کے منہ لگنے کا موڈ نہیں تھا اس کا۔۔۔ورنہ جس کرسی پر زین بیٹھا ہوا تھا، وہ خضر کے لیے مخصوص تھی اور اس بات پر وہ اور امی کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔۔۔لیکن آج اسے اس کرسی سے نا امی نے اٹھایا تھا نا خضر نے۔۔۔تو کیا وہ لوگ اسے خاموش رکھنے کے لیے ناخوشگوار باتیں بھی برداشت کر رہے تھے۔۔۔جیسے بڑی چیز دسترس سے دور رکھنے کے لیے چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بہلا لیا جاتا ہے۔۔۔تو اسے بھی بہلایا جا رہا تھا۔۔۔اس نے ایک لقمہ تک نہیں لیا تھا کیونکہ وہ اندر ہی اندر دکھ سے بھر گیا تھا اور اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ آج سکول نہیں جائے گا چاہے جو مرضی ہو جائے۔۔۔وہ گھر پر ہی رکے گا۔۔۔وہ سوگ منائے گا۔۔۔وہ سب کو دکھائے گا کہ

وہ دکھی ہے۔۔۔پھر جب کوئی اس سے پوچھے گا تو وہ جی بھر کے بھڑاس نکالے گا۔۔۔لیکن حیرت در حیرت تھی کہ خضر جو ایک پل بھی اسے سکون سے بیٹھا سہہ نہیں پاتا تھا، آج جیسے اس کی موجودگی سرے سے فراموش کیے ہوئے تھا۔۔۔صرف زویا تھی جو ایک معصوم سی نگاہ اس پر ڈالتی اور پھر امی کو دیکھنے لگتی، جیسے ماں کا دھیان بھائی کی جانب کروانے کے لیے الفاظ ڈھونڈتی ہو۔۔۔ابو ناشتہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور جلدی کرنے کا کہہ کر لاؤنج کی جانب بڑھ گئے۔۔۔امی برتن سمیٹنے لگیں۔۔۔

"اٹھو بچو جلدی سے۔۔۔اچھے سے دینا ٹیسٹ خضر۔۔۔کوئی گڑبڑ نا ہو۔۔۔اور زین بیگ لے کر آؤ، اپنا لنچ باکس اور واٹر باٹل ڈالو اس میں اور نکلو شاباش۔۔۔!"

"میں نے سکول نہیں جانا۔۔۔!" اس کے لہجے کے ہٹیلے پن نے امی کو چونکایا لیکن وہ نظر انداز کرتے ہوئے ڈپٹ کر بولیں۔۔۔

"کیوں۔۔۔کیوں نہیں جانا۔۔۔سکول نہیں جانا تو کیا گھر میں ڈیرے ڈالنے ہیں۔۔۔آج کل تمہارا دماغ کچھ زیادہ ہی آپے سے باہر ہوتا جا رہا ہے زین۔۔۔ٹھیک ہو جاؤ ورنہ کرنا مجھے آتا ہے۔۔۔!"

"میں نے بھی خضر والے سکول جانا ہے۔۔۔میں بھی ٹیسٹ دوں گا۔۔۔!" وہ جی کڑا کر کے آخر کہہ ہی گیا۔۔۔جب اس کی خاموشی کی کسی کو پرواہ ہی نہیں تھی تو وہ کھل کر دل کی بات کیوں نا کہتا۔۔۔اسے کوئی بوجھنا ہی نہیں چاہتا تھا تو وہ پہیلی کیاں بنتا۔۔۔امی نے شکر کیا تھا کہ وہ خود ہی یونیفارم میں آ گیا ورنہ اسے وضاحتیں دینی پڑتیں اور بھلا زین کی ایسی جرات۔۔۔!

خضر اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا، اس سے پہلے کہ وہ زین کو حسب عادت مکا رسید کر دیتا، امی نے اسے اشارے سے باہر جانے کا کہا۔۔۔وہ نفرت سے زین کو گھورتا باہر چلا گیا۔۔۔

امی زین کو ملائمت سے دیکھتی اس کے پاس بیٹھ کر نرمی سے سمجھانے لگیں۔۔۔

"میرا بیٹا۔۔۔میرا پیارا بچہ۔۔۔تمہیں بھی یہیں کروانا ہے لیکن ابو کہتے ہیں اگلے سال۔۔۔اس سال کچھ مشکل ہے نا۔۔۔لیکن اگلے سال لازمی یہیں کروا دیں گے۔۔۔ابو کی پروموشن ہو جانے دو نا میرا بچہ پھر تینوں ایک ساتھ جایا کرنا۔۔۔!"

وہ اس کے بال سہلاتی محبت سے پچکار رہی تھیں لیکن زین کے دل میں حلاوت پیدا نہیں ہو پا رہی تھی۔۔۔رات وہ امی ابو کی گفتگو سن چکا تھا، اسے معلوم تھا کہ پروموشن بھی ہو چکا اور تنخواہ بھی بڑھ چکی لیکن پھر بھی اس کے لیے موقع پیدا نہیں کیا گیا تھا۔۔۔

"مجھے نہیں رکنا اگلے سال تک۔۔۔میں بھی اسی سکول جاؤں گا۔۔۔آپ خضر کا اگلے سال کروا دینا۔۔۔ابو کا پروموشن ہو گیا ہے میں نے سنا ہے۔۔۔میرا ابھی کروائیں۔۔۔آج ہی۔۔۔!"

"تمہیں نرمی سے سمجھاؤ تو بھی سمجھ کیوں نہیں آتا۔۔۔ہاں۔۔۔!" امی نے اب کے غصے سے اس کا کان کھینچ ڈالا۔۔۔ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔۔۔زین اندر ہی اندر سہم گیا لیکن چہرے پر وہی ہٹ دھرمی تھی۔۔۔" آرام سے کہہ رہی ہوں بیگ پکڑو اور نکلو باہر۔۔۔ورنہ جوتے مارتی لے جاؤں گی، سمجھے۔۔۔سارا سکول دیکھے گا تمہارا۔۔۔بے حیا، کتا۔۔۔اب ماں باپ کی باتیں بھی سننے لگا ہے۔۔۔واپس آلو دیکھو تمہارے چھوڑے اتارتی میں۔۔۔!" امی اب مکمل ٹون میں آچکی تھیں اور زبان اور ہاتھ کا کھل کر استعمال کر رہی تھیں۔۔۔وہ پھپک کر رو پڑا۔۔۔اس کی دیکھا دیکھی زویا بھی رو دی۔۔۔امی نے اسے بھی جھڑک کر چپ کروایا اور باہر ابو کے پاس جانے کا کہا۔۔۔زین مرے مرے قدموں سے اٹھا تو اس کی ہچکیاں بندھی تھیں۔۔۔اس نے ڈھیلے ہاتھوں سے بیگ کندھوں پر ڈالا لیکن لنچ باکس اور واٹر باٹل کو ہاتھ بھی نا لگایا۔۔۔امی ابھی بھی مسلسل بڑبڑاتی برتن کچن میں پہنچا رہی تھیں۔۔۔تبھی ابو کسی سے باتیں کرتے صحن سے اندر لاؤنج میں داخل ہوئے۔۔۔زین نے ستے چہرے سے اس جانب دیکھا تو دادی کو دیکھ کر اس میں نئی روح پڑ گئی۔۔۔پیچھے توقیر چاچو بھی تھے۔۔۔وہ بیگ پھینکتا دیوانہ وار دادی کی اور لپکا۔۔۔دادی نے اس کا ننھا سر اپنے پیٹ سے لگایا، ذرا سا جھک کر دونوں بازوؤں میں اسے سمیٹ لیا۔۔۔زویا بھی بھاگتی ہوئی چاچو کے پاس گئی جسے انہوں نے جھک کر بانہوں میں اٹھا لیا۔۔۔امی بھی آوازیں سنتیں باہر آگئیں۔۔۔ساس اور دیور کو دیکھ کر ان کا موڈ آف ہو گیا لیکن علیک سلیک کرتی انہیں بٹھانے لگیں۔۔۔

"یہ زین کیوں رویا ہوا ہے۔۔۔دیکھو تو کیسے پسلیاں پھڑک رہی ہیں اس کی۔۔۔باہر خضر بھی

منہ سجا کر گاڑی میں بیٹھا ہے، لٹھ مار سلام دے مارا اس نے۔۔۔!"

دادی زین کو ساتھ لگائے صوفے پر بیٹھتے ہی بولیں۔۔۔امی غصے کے گھونٹ بھرتیں تحمل سے بولیں۔۔۔

" زین کا تو آپ کو پتا ہے نا، دماغ خراب ہو جائے کسی بات پر بس۔۔۔سکول جانے کا کہہ رہی ہوں، اکڑ دکھا رہا ہے۔۔۔ہر وقت خضر کا مقابلہ کرنے پر رہتا ہے۔۔۔مر گئی سمجھا سمجھا کے کہ بڑے بھائی کی عزت کرنا سیکھے لیکن اس بچے کی فطرت اللہ جانے کس پر گئی ہے، مجال ہے جو اپنی من مانی سے باز آجائے۔۔۔!"

امی کب خضر کے بارے میں سخت سست سن سکتی تھیں۔۔۔اب بھی انہوں نے دادی کا سارا دھیان خضر کی بدتمیزی سے ہٹوا کر زین کی خود ساختہ من مانی کی طرف کروانے کی بھرپور کوشش کی۔۔۔زین نے ماں کے چہرے پر شکوہ کناں نگاہ ڈالی اور زویا کے ساتھ ہی چاچو کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گیا۔۔۔

" ارے تو زین کی من مانی کا یہ مطلب ہے کہ خضر بڑوں کا ادب آداب بھول جائے۔۔۔سلام دعا کیا گاڑی میں بیٹھے بیٹھے لی جاتی ہے۔۔۔اکبر تم بھی کچھ بول لیا کرو بیٹا، منہ کو ہوا لگوایا کرو۔۔۔!" دادی نے دوبارہ خضر کی خود سری جتا کر بیٹے کو بھی سنا ڈالی۔۔۔وہ کھسیانی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولے۔۔۔

" وہ بس امی، بڑا ہے نا تو لاڈ اٹھواتا ہے۔۔۔آج اس کا ایڈمیشن ٹیسٹ دلوانا ہے تو اس لیے بھی کچھ ٹینشن میں ہو گا۔۔۔!"

" اوہ اچھا۔۔۔تو نئے سکول میں داخل کروا رہے ہو۔۔۔اچھا کیا۔۔۔زین پہلے ہی اس سکول میں سیٹ نہیں ہو رہا تھا۔۔۔اچھا ہے بدل جائے گا تو ماحول بھی بدلے گا۔۔۔!" دادی نے اطمینان کا اظہار کیا جس پر امی اور ابو دونوں جز بز ہوئے۔۔۔

" وہ اماں۔۔۔زین کو نہیں کروا رہے ابھی۔۔۔ان شاء اللہ اگلے سال۔۔۔!"

ابو کے کہنے پر چاچو اور دادی نے اچنبھے سے دونوں کو دیکھا۔۔۔امی کے چہرے پر بے نیازی

جھلک رہی تھی۔۔۔وہ خاموش رہیں، صورتحال سمجھنے میں انہی وقت نہی لگا تھا۔۔زین کا روئے ہوئے چہرے کے پیچھے کی وجہ پوچھنے کی ضرورت نہی رہی تھی۔۔۔

"اچھا جاؤ تم لوگ پھر۔۔۔میں اور توقیر میں پیچھے۔۔۔آؤ گے تو بات ہو گی۔۔۔جاؤ اب۔۔۔!" دادی نے انہیں جانے کا عندیہ دیا تو زین چاچو کی گود میں مزید دبک گیا۔۔۔ابو نظر بچا کر فورا باہر نکل گئے لیکن امی کو یہ سب برداشت کرنا خاصا مشکل لگا۔۔۔

"زین چلو۔۔سکول سے دیر ہو رہی ہے۔۔۔گاڑی میں بیٹھو جا کر۔۔۔!"

"دادی اماں۔۔۔یہ دیکھیں۔۔۔۔" زین نے فورا دادی کا ہاتھ تھام کر ماتھے سے لگایا۔۔۔"گرم ہے نا۔۔۔مجھے آج سکول نا بھیجیں۔۔۔الٹی بھی آ رہی ہے۔۔۔کہیں نا آپ۔۔۔پلیز۔۔۔پیٹ بھی درد کر رہا ہے۔۔۔!" زین ماں کو مکمل نظر انداز کیے اس وقت ساری کوششیں دادی کو ہتھیار بنانے پر صرف کر رہا تھا اور وہ کامیاب بھی رہا۔۔۔

"سعدیہ تم لوگ جاؤ۔۔۔آج کا دن چھٹی کرے گا زین تو سکول نہیں ڈھے جائے گا۔۔۔مجھے بھی اس کا سارا پنڈا گرم لگ رہا ہے۔۔۔یخنی پلا دیتی ہوں اسے بنا کے۔۔۔کل چلا جائے گا۔۔۔تم جاؤ جا کر اپنے بچوں کا ایڈمیشن کروا کے آؤ۔۔۔!"

دادی نے سادہ لہجے میں دوٹوک کہا لیکن سعدیہ کو بھالے کی مانند لگا۔۔۔وہ زین کو خشمگیں نظروں سے گھورتی صوفے پر پڑا شولڈر بیگ اور اپنی چادر اٹھاتی باہر نکل گئیں۔۔۔ان کے جاتے ہی زین کے چہرے کا اطمینان دیکھ کر دادی اور چاچو نے ایک دوسرے کو بے حد فکرمندی سے دیکھا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

دادی ہر دو تین ماہ کے بعد ہفتہ دس دن کے لیے ان کے گھر رہنے چلی آتی تھیں۔۔۔گو کہ سعدیہ کے ماتھے پر ان کو دیکھتے ہی تیوریاں چڑھ جاتی تھیں مگر دادی کو پرواہ نہی تھی۔۔۔انہیں جب آنا ہے تو سو آنا ہے۔۔۔سعدیہ لاکھ منہ بناتیں لیکن اکبر کم از کم اس معاملے میں ان کے ہمنوا نہی تھے۔۔۔وہ

ماں کا احترام بھی کرتے تھے اور اگر کبھی انہیں آنے میں زیادہ وقت ہو جاتا تو خود ہی جا کر لے آیا کرتے۔۔۔جب تک دادی رہتیں، زین بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرتا۔۔۔دادی اس کے ننھے دل کے زخموں کا مرہم تھیں۔۔۔وہ بن کہے اس کی پریشانی بھانپ جاتیں اور پھر بنا محسوس کروائے اسے اس پریشانی سے نکال لیا کرتیں۔۔۔ان کی موجودگی میں خضر، زین کو کم سے کم منہ لگانے کی کوشش کرتا کیونکہ دادی انصاف کا ترازو تھامے موقع پر پہنچ جاتیں اور اسے بے جا زور آوری سے روک دیتیں۔۔۔وہ متوازن شخصیت کی مالک تھیں اور توازن کو پسند کرتی تھیں۔۔۔اپنے بچوں میں بھی وہ منصفانہ طرز کی قائل تھیں۔۔۔انہوں نے کبھی ایک کا حق اور وقت دوسرے کو نہیں دیا تھا چہ جائیکہ دوسرا خود اس سے دستبردار نا ہو جائے۔۔۔لیکن سعدیہ کو ان سے بھی یہی شکوہ تھا کہ وہ دوسری بہوؤں کو ان پر ترجیح دیتی ہیں جبکہ دادی نے ہمیشہ ان کے خود کے رویے کے پیش نظر قدم پیچھے کیے تھے۔۔۔رشتے میں سعدیہ ان کی سگی بھانجی تھیں۔۔۔لیکن خالہ نے انہیں خالہ کم ساس زیادہ سمجھا تھا اس لیے انہوں نے دادی کے رویے کو کبھی غیر جانبداری سے نہیں پرکھا تھا۔۔۔دادی نے بہو کے گھر کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا تھا سوائے اس کے کہ انہیں زین کے ساتھ ان کا متفرقانہ رویہ کھلتا تھا۔۔۔وہ اس ناانصافی کو محسوس کرتیں اور پھر ٹوک ڈالتیں نتیجتاً سعدیہ کے دل میں ان کے لیے میل جمع ہو جاتا۔۔۔وہ خضر کے معاملے میں جنونی تھیں اور ان کے اس جنون کا خمیازہ زین کو ہوش سنبھالنے سے بھگتنا پڑا تھا۔۔۔سعدیہ کے بڑھاوے نے خضر کو خودسر اور خودغرض بنا ڈالا تھا۔۔۔اس کے دماغ میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ وہ زین سے برتر ہے اور ہر چیز پر اس کا حق پہلے ہے کیونکہ وہ بڑا ہے۔۔۔اسے دینا آتا ہی نہیں تھا۔۔۔وہ لینا جانتا تھا بھلے چھین کر لیتا۔۔۔اور جب جب وہ چھینتا، سعدیہ اس کی اس حرکت پر بالکل ایسے فخریہ مسکرا دیتیں جیسے ماں اپنے شیر خوار بچے کی قلقاری پر مسکراتی ہے۔۔۔انہیں یہ خیال تک نا آیا تھا کبھی کہ ان کے رویے کا عدم توازن ان کے بچوں کی شخصیت پر کیسے منفی اثرات مرتب کر رہا ہے۔۔۔زین اپنے ہی گھر میں ایک سہما ہوا اور جھجک کا شکار بچہ تھا جو اپنی انتہائی ضرورت کی چیزوں کے لیے بھی کہتے ہوئے سوچ میں پڑ جاتا تھا۔۔۔یہ اعصابی تناؤ اسے جسمانی عوارض میں مبتلا کر رہا

تھا۔۔۔وہ اپنے ہی گھر میں لاوارثوں کی طرح آتے جاتے بڑے بھائی سے دھکے کھایا کرتا تھا۔۔۔شکایت لگانے کے لیے اس کے پاس الفاظ تو تھے لیکن وہ اعتماد اور اختیار نہیں تھا جس کے بل بوتے پر وہ اپنی اہمیت جتا سکتا۔۔۔!

ناانصافی کی بنیاد پر کھڑی ہونے والی عمارت کے ہر رخنے میں سقم اور عداوت ہی جنم لیتی ہے۔۔۔!

☆......☆......☆

رات ہوتے ہی وہ خموشی سے بیڈ سے اترا۔۔۔اپنے بستر پر بچھی نائلون شیٹ طریقے سے تہہ کی اور بغل میں دبا کر بنا چاپ دادی کے کمرے کی جانب چل پڑا۔۔۔جہاں دروازے کی نچلی درز سے آتی روشنی کی لکیر دیکھ کر اسے سکون آیا کہ دادی اور چاچو ابھی سوئے نہیں ہیں۔۔۔جاگ تو ابھی امی اور ابو بھی رہے تھے، روشنی کی لکیر اور باتوں کی اونچی مدھم ہوتی آواز مسلسل آرہی تھی لیکن آج وہ حسب عادت وہاں باتیں سننے رکا نہیں۔۔۔جلدی سے دادی کے کمرے کی جانب بڑھا اور بنا ناک کیے اندر منہ گھسا لیا۔۔۔دادی اپنے بیڈ پر لیٹی تھیں اور چاچو ان کے پیر دباتے باتیں کر رہے تھے۔۔۔اسے دیکھ کر دونوں چونک گئے تو وہ جھجھک کر رہ گیا۔۔۔چاچو نے فوراً اسے اندر بلایا۔۔۔وہ دروازہ بند کرتا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا قریب آیا تو دادی اس کی بغل میں دبے ساز و سامان کو دیکھ کر مسکرا دیں۔۔۔چاچو بھی مسلسل مسکراتے اس کے بولنے کے منتظر تھے لیکن وہ کشمکش کا شکار تھا، آیا مدعا بیان کرے یا پلٹ جائے۔۔۔دادی نے اس کی مشکل آسان کی اور تھوڑا آگے کھسک کر اس کے لیے جگہ بنائی اور بولیں۔۔۔

”جلدی سے شیٹ بچھاؤ، اگر ماں آگئی تو لے جائے گی تمہیں واپس۔۔۔اس کے آنے سے پہلے سو جائے میرا چاند۔۔۔شاباش۔۔۔!“

اور زین کو چابی لگ گئی۔۔۔فٹافٹ اس نے سلیقے سے ایک طرف شیٹ بچھائی اور جھٹ سے لیٹ کر دادی کی جانب کروٹ لیے اپنا چہرہ ان کے سینے میں گھسا لیا۔۔۔دادی نے اس کے خوبصورت بالوں والے سر کو چوما اور لاڈ سے بولیں۔۔۔

"میرا گبو گوشہ۔۔۔!"

ان کی انگلیاں اس کے بالوں میں سرسرانے لگیں۔۔۔اس نے چہرہ اونچا کیا اور دبی دبی شرمندہ سی آواز میں دادی کو یاد دہانی کروائی۔۔۔

"دادی اماں۔۔۔مجھے رات کو واش روم کے لیے اٹھا دینا۔۔۔اگر کوئی مجھے واشروم بھیج دے تو میں بستر گیلا نہیں کرتا۔۔۔پلیز یاد سے اٹھا دینا۔۔۔!"

دادی نے ایک بار پھر اس کا بوسہ لیا اور سر ہلا دیا۔۔۔چاچو اور وہ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف ہوئے تو اس کی پلکیں نیند کے بوجھ سے جڑ گئیں۔۔۔وہ پل پل گہری ہوتی نیند کی جانب بڑھ رہا تھا جب امی اور ابو کا نام سن کر اس کا سوتا دماغ دوبارہ سے الرٹ ہوا۔۔۔

"میں تو کہتا ہوں اماں جی صبح میرے ساتھ ہی واپسی کریں۔۔۔بھابھی کا دماغ تو زیادہ ہی اونچا ہو گیا ہے۔۔۔بھائی جان کی ویسے ہی بولتی بند رہتی ہے ان کے سامنے۔۔۔صبح ہمارے آتے ہی منہ بن گیا تھا بھابھی کا۔۔۔ناریں اماں آپ یہاں۔۔۔آپ کو کیا ضرورت ہے ان کا سوجا منہ دیکھنے اور سہنے کیا۔۔۔!"

"زین کو ضرورت ہے میری تو قیر۔۔۔یہ بچہ حد سے زیادہ نظر انداز ہو رہا ہے۔۔۔تم نے دیکھا نہیں کہ سعدیہ نے صرف زین کا داخلہ نہیں کروایا نئے سکول، باقی دونوں کو کروا دیا۔۔۔سوچو کیا بیت رہی تھی زین پر صبح۔۔۔وہ ہمارے آنے سے پہلے کتنا رویا ہوا تھا۔۔۔کتنا دکھی تھا۔۔۔مجھے رہنے دو دو چار دن یہیں۔۔۔زین کو سنبھال لوں گی تو واپس آجاؤں گی۔۔۔!"

"کیا سنبھالیں گی اماں۔۔۔اور پھر کتنے دن تک۔۔۔آخر کو پھر زین انہی کے حوالے ہوگا نا۔۔۔کوئی نئی بات تو نہیں ہے بھابھی کا ایسا رویہ زین کے ساتھ۔۔۔مجھے تو حیرت ہوتی ہے اماں کہ زین ان کی خود کی اولاد ہے بھی یا نہیں۔۔۔جب ہمارے ساتھ تھے بھائی بھابھی، تبھی ہوا تھا نا اماں یہ۔۔۔؟"

چاچو نے تائید چاہنے والے انداز میں پوچھا تو دادی نے تسبیح کے دانے گراتے ہلکا سا مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔۔۔

"رات کو یاد ہے زین روتا رہتا تھا تو بھابھی چھوٹے سارے سے بیزار رہا کرتی تھیں۔۔۔وہ

مزید بلکتا تو وہ اور زیادہ جابر ہو جاتیں۔۔۔کمرے سے نکل کر باہر دالان میں لے آتیں اور تخت پر پٹخ دیا کرتی تھیں کہ روتا رہے ان کی بلا سے۔۔۔اخیر آپ ہی نکل کر اسے تھامتیں اور اپنے کمرے میں لے جاتی تھیں۔۔۔اماں میں تب بھی کہا کرتا تھا کہ بھابھی جان کر کرتی ہیں ایسا تا کہ رات انہیں زین کو سنبھالنا نا پڑے۔۔۔ساری رات آپ اس کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔۔۔زین کے ہونے کے باوجود وہ خضر کو ہی اپنے ساتھ سلاتی تھیں۔۔۔اللہ جانے کیسا بیر تھا اماں یہ۔۔۔!"

"نفسیاتی گرہ تھی۔۔۔بیر نہی۔۔۔میں بیر نہی کہوں گی توقیر کیونکہ ماں بیر نہی پالتی۔۔بس کوئی نفسیاتی عارضہ اس میں اپنی ہی اولاد کی کشش ختم کر دیتا ہے۔۔۔زین میں سعدیہ کو کوئی کشش محسوس نہی ہوتی تھی کیونکہ وہ خضر سے توجہ ہٹانا چاہتی ہی نہی تھی۔۔۔یہی وہ نفسیاتی گرہ تھی۔۔۔خضر پر اپنی مکمل توجہ صرف کر کے وہ درحقیقت اس سعدیہ پر توجہ دیتی تھی جسے اپنے بچپن میں نا مل سکی۔۔۔وہ اپنی ہی محرومیوں کا ازالہ کرتی رہی۔۔۔!"

دادی سکون سے تسبیح کے شماروں کو بغور دیکھتی کہہ رہی تھیں اور توقیر چاچو حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔۔۔زین کا ننھا دل جکڑا ہوا تھا، وہ کسی بے جان بت کی مانند پڑا تھا جس میں معمولی سی حرکت بھی سارا سحر توڑ دیتی۔۔۔

"کیسی محرومیاں اماں۔۔۔کدھر کی۔۔۔ہم نے تو بھابھی کو تھانیدارنی ہی بنا دیکھا ہے ہمیشہ۔۔۔نا کسی کا لحاظ کرتے پایا اور نا مروت نبھاتے دیکھا۔۔۔اپنے میکے میں بھی ایسا رعب ہے کہ کوئی ان کے آگے دم نہی مارتا اور آپ کہہ رہی ہیں محرومیاں دیکھیں۔۔۔کدھر سے دیکھ لیں اماں۔۔۔!"

چاچو جلتے ہوئے ٹانگیں دباتے بے یقینی اور لاپرواہی سے بولے تو دادی مسکرا انہیں دیکھنے لگیں۔۔

"جب کمزور کا بس چلتا ہے نا تو کبھی کبھار وہ طاقتور سے زیادہ ظالم ثابت ہوتا ہے۔۔۔سعدیہ کا بھی یہی معاملہ ہے۔۔۔بچی اپنی ماں سے سیکھتی ہے اور تمہاری خالہ نے اولاد میں تفریق کے گن خود سعدیہ میں ڈالے۔۔۔جو اس نے اپنے بچپن میں ہوتے دیکھا وہی وہ آج خود بھی کر رہی ہے۔۔۔فرق بس اتنا ہے کہ اس نے یہ رویہ بڑی اولاد ہونے کے ناتے سہا اور خود وہ اپنی چھوٹی اولاد کے ساتھ ویسا

سلوک کر رہی ہے۔۔۔خضر کو بے جا اہمیت دے کر وہ خود کو اپنے آپ کو تسکین دیتی ہے۔۔۔سعدیہ تمہاری خالہ کی بڑی اولاد تھی۔۔۔جب یہ ہوئی تب بھی تمہاری خالہ کا منہ بن گیا تھا کیونکہ اسے بیٹے کی چاہ تھی۔۔۔کچھ سسرالی ذہن اور کچھ مقابلے بازی۔۔۔دوسری اولاد اللہ نے جھٹ پٹ گود میں ڈال دی اور وہ بھی بیٹا۔۔۔سعدیہ سے لگاؤ کم سے کم ہوتا چلا گیا۔۔۔پھر تمہاری خالہ کے ہاں لائن لگ گئی بچوں کی جس میں اوپر تلے چار بیٹے تھے اور سب سے چھوٹی دو بیٹیاں۔۔۔لیکن تمہاری خالہ کا بیٹوں کا چاؤ پورا ہو گیا تھا اس لیے چھوٹی بیٹیاں بھی سینے سے لگائے رکھتی۔۔۔سعدیہ کی حیثیت صرف اپنے بہن بھائیوں کو سنبھالنے والی کی تھی۔۔۔ہر وقت کوئی نا کوئی کام کرتی یا ریں ریں کرتا بچہ سنبھالے ہوئے ہوتی۔۔۔کوئی غلطی کرتی تو ماں دھنک دیتی۔۔۔بچہ تنگ کرتا تو اس کی شامت۔۔۔گھر کے کاموں میں کوتاہی ہوتی تو دھنائی۔۔۔وہ کیا پہنتی ہے کیا کھاتی ہے ماں کو پرواہ تک نا ہوتی۔۔۔کزنوں کی کتابیں لے لے کر پڑھتی رہی اور پرائیوٹ میٹرک کیا۔۔۔جس دن اس نے پرچا دینے جانا تھا، چار چوٹ کی مار کھا کر گئی تھی کیونکہ تمہاری خالہ کو اس پر تاؤ آگیا کہ بنا پوچھے داخلہ کیوں اور کیسے بھجوادیا۔۔۔پتا نہی باپ کو کیسے رحم آیا اور سعدیہ کی خلاصی کرا کے پرچا دلوانے سینٹر چھوڑ آیا۔۔۔لیکن میٹرک کے بعد تمہاری خالہ نے پوری نگاہ رکھی کہ کہیں آگے کالج کی کتابیں نا پڑھ ڈالے۔۔۔بچے سنبھال سنبھال کے اور گھر کے کام کاج کر کر کے لڑاکا ہو چکی تھی سعدیہ۔۔۔جب ماں کو چھوٹی بہنوں کو پیار کرتا دیکھتی تو کلستی اور انہیں چھپ چھپ کر مارتی۔۔۔بھائیوں پر زور چلتا تو انہیں بھی ادھیڑ ڈالتی اور بعد میں خود غضب کی مار کھاتی۔۔۔مجھے اس پر ترس بھی بہت آتا اور اپنی بہن پر غصہ۔۔۔سعدیہ بدلحاظ ہو چکی تھی لیکن ایسی ہی چڑ چڑ کرتی کو میں نے بہو بنانے کا فیصلہ کیا کہ ماحول اور حالات بدلیں گے تو لازمی مزاج پر اچھا اثر پڑے گا۔۔۔ہوا بھی یہی کہ اکبر سے شادی ہوتے ہی وہ چہکنے بھی لگی اور عزت اور ادب سے بات بھی کرنے لگی۔۔۔اس کی ماں کو اس کے بیاہ کے بعد اس کی قدر ہوئی کیونکہ سارے گھر کا نظام الٹ پلٹ ہو گیا۔۔۔سعدیہ کو موقع مل گیا وہ جب بھی میکے جاتی سب کچھ سمیٹ اور سنبھال کر آتی اور ساتھ وہ لیکچر دیتی کہ سبھی کان دبائے سنتے جاتے۔۔۔ماں میں دم نہی تھا کہ گھر کی دیکھ بھال کرتی۔۔۔مارے باندھے

ہانڈی روٹی کر لیتی، صفائی ستھرائی کے لیے بھی کام والی آجاتی لیکن گھر پھر بھی الٹا ہی رہتا۔۔۔کپڑے دھل تو جاتے لیکن تہہ کر کے ٹھکانے ہی نا لگتے اور ایک ہی جگہ ڈھیری پڑی رہتی جب تک کہ دوبارہ دھلائی کی باری نا آجاتی۔۔۔دونوں چھوٹی بیٹیاں ابھی بہت چھوٹی تھیں، گھر نہیں سنبھال سکتی تھیں اور لڑکے لاابالی۔۔۔ایسے میں سعدیہ کی بن آئی۔۔۔وہ چیف گیسٹ بن گئ۔۔۔گھر جاتی تو سب آگے پیچھے ہوتے۔۔۔ماں واری صدقے جاتی اور باپ بھی صلاح مشورے کے لیے پاس بٹھانے لگا۔۔سعدیہ گھر کے کام کرتی جاتی اور سب کی کلاس بھی لیے جاتی جسے سب میٹھی گولی کی طرح چوستے رہتے لیکن اف بھی نا کرتے۔۔۔سعدیہ نے دبتوں کو اور دبایا اور میکے کے ہر کام کا اختیار سسرال بیٹھے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔۔۔وہ یہاں ہوتی اور وہاں پتا بھی نا ہلتا جب تک کہ اس کا چکر نا لگ جائے۔۔۔پھر خضر ہو گیا تو جیسے اس کے لاشعور میں چھپا احساس کمتری جنون کی شکل ڈھال کر خضر پر محبت کی صورت برسنے لگا۔۔۔وہ خضر کی دیوانی تھی۔۔۔ہر ایک سے کہتی کہ پہلی اولاد ہے، زیادہ توجہ مانگتی ہے۔۔۔نا دوں گی تو شخصیت مسخ ہو جائے گی۔۔۔!

جو کمیاں اس کی پرورش میں روا رکھی گئیں وہ ہرگز بھی خضر کو آنے نہی دینا چاہتی تھی۔۔۔بات غلط نا تھی لیکن ایک کو سر پر بٹھا کے دوسرے بچے کو اس نے جیسے یکسر بھلا دیا۔۔۔اپنے بہن بھائیوں کا بدلہ وہ ننھے زین سے لینے لگی اور اب تک لے رہی ہے۔۔۔اور نا جانے آگے آنے والا وقت اس بیچارے کے لیے کیسی اذیتیں رقم کر رہا ہے۔۔۔دکھ ہوتا ہے مجھے۔۔۔میں نے سعدیہ کی تکلیف دیکھی ہے اور محسوس کی ہے ایسے ہی زین کی محسوس کرتی ہوں تو دل جلتا ہے۔۔۔پتا نہی اس بے وقوف عورت کو اپنی ہی اولاد کی تکلیف خود کب محسوس ہو گی۔۔۔!"

دادی بول بول کر تھک گئیں اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔۔۔چاچو ایکدم خاموش ہو گئے جیسے کچھ سوچتے ہوں۔۔۔انہوں نے جواب میں ابھی تک ایک لفظ نہی بولا تھا شاید ان کا دل بھی زین کے لیے دکھی تھا۔۔۔آنکھیں بند کیے پڑا زین جو مکمل ہوش و حواس میں ساری باتیں سنتا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں پانی بھر رہا تھا جنہیں وہ سختی سے آنکھیں میچ کر پیچھے دھکیل رہا تھا۔۔۔جب تک وہ

جاگتا رہا اس کے ذہن میں ایک ہی بات گردش کرتی رہی۔۔۔

"اس سب میں میرا کیا قصور۔۔۔!"

وہ ضبط کرنے کا گر جانتا تا کیونکہ یہی وہ چیز تھی جو گھر میں اسے کرنے کو وافر ملی تھی۔۔۔سو وہ اب بھی کر گیا لیکن اس کے اندر کا بے زبان دکھ پہلے سے زیادہ شدت سے رسنے لگا۔۔۔جس سوچ کو اس نے لاشعور میں دبا رکھا تھا وہ جست لگاتی شعور میں آدھمکی۔۔۔

"میں امی ابو کا سگا بیٹا نہی ہوں۔۔مجھے لیا گیا ہے کہیں سے۔۔۔!"

یہ سچ نہی، معلوم ہونے کے باوجود بھی اس نے خود سے کی جانے والی بلا جواز نفرت کو جواز فراہم کیا۔۔۔پوری رات وہ نیند میں بھی بے سکون رہا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

اگلی صبح وہ دادی کے کمرے سے نمودار ہوا تو سعدیہ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے مگر شوہر کی موجودگی میں کچھ کہہ نا سکیں۔۔۔آج ویک اینڈ تھا اور صبح اکبر کو بھی واپس جاب پر چلے جانا تھا، اب جو کرنا تھا سعدیہ کو ان کے جانے کے بعد کرنا تھا۔۔۔زین پژمردہ تھا اور دادی کا ہاتھ تھامے ہوئے ناشتے کی میز تک آیا۔۔۔پیچھے توقیر چاچو بھی تھے۔۔۔خضر اور سعدیہ دونوں اسے کینہ توز نگاہوں سے گھورتے رہے۔۔۔دادی نے محسوس کر کے بھی ان دیکھا کر دیا اور تسلی سے زین کو ساتھ لیے ناشتہ کرنے بیٹھ گئیں۔۔۔

"کیسی ہیں اماں۔۔۔رات نیند تو اچھے سے آئی آپ کو۔۔۔؟"

اکبر نے عینک اور اخبار ایکطرف رکھتے ہوئے دادی سے پوچھا تو وہ زین کو محبت سے ساتھ لگاتے ہوئے بولیں۔۔۔

"کیوں نا آتی۔۔۔زین میرے پاس تھا ساری رات۔۔۔بڑا سکون رہا مجھے بھی اور اسے بھی۔۔۔!"

"زین بھلا یہ کیا حرکت کی تم نے۔۔۔بڑے بھائی کو یوں اکیلا کمرے میں چھوڑ کر نکل گئے۔۔۔معلوم ہے نا وہ اکیلا ڈرتا ہے۔۔۔شرم نہی آئی کیا۔۔۔؟"

سعدیہ کا بس چلتا تو دو تھپڑ کس کے لگاتیں زین کے۔۔۔صبح خضر نے جس طرح روتے ہوئے اپنے رات اکیلے ہونے کی داستان سنائی تھی اس سے ان کا دل مسلا گیا تھا۔۔۔

"شرم کیسی سعدیہ۔۔۔میرے پاس آ گیا بچہ۔۔۔ایسی کیا بات ہو گئی۔۔۔رات ایک بار بھی بستر گیلا نہیں کیا میرے بچے نے۔۔۔سکون سے سویا اور خشک کا خشک جاگا ہے۔۔۔اور خضر کو اتنا چھوڑ چھنا نا بنائے رکھا کرو۔۔۔بڑے،بڑے کی رٹ ڈالے رکھتی ہو تو بڑا بناؤ بھی نا۔۔۔!"

دادی کے ایک ہی وار نے سعدیہ کو چت کر دیا۔۔۔وہ دانت پیستی کپ میں چائے انڈیلنے لگیں۔۔۔توقیر چاچو دبی سی مسکراہٹ لیے صورتحال سے حظ اٹھاتے ناشتہ کر رہے تھے۔۔۔

"دادی ماں۔۔۔مجھے بھی سلانا ہے آج۔۔۔میں بھی سوؤں گی۔۔۔پری والی کہانی بھی سنوں گی۔۔۔پلیز دادی ماں۔۔۔آج یاد سے مجھے بھی سلا لینا۔۔۔!" ننھی زویا کو سن کر صدمہ ہو گیا کہ بھائی دادی کے پاس سویا ہے۔۔اس کے بھولے من میں ایک ہی بات آئی تھی کہ بھائی نے کہانی سنی ہو گی اور وہ نا سن سکی۔۔۔

"چپکی بیٹھ کر ناشتہ کرو۔۔۔ٹرٹر کرنے لگی ہو بڑی۔۔۔ختم کرو جلدی۔۔۔!" سعدیہ نے زویا کا منہ بند کروا کے غصہ نکالا۔۔۔توقیر چاچو نے بھابھی کو تاسف سے دیکھا اور بڑے بھائی سے مخاطب ہوا۔۔۔

"بھائی جان میں دوپہر کے بعد نکل جاؤں گا واپسی کے لیے۔۔۔اماں چند دن رہیں گی۔۔۔اگلے ویک اینڈ پر جب آپ آئیں گے تب آ کر لے جاؤں گا۔۔۔ٹھیک ہے اماں۔۔۔؟" ابو کو بتا کر چاچو نے دادی سے پوچھا

"میں فون کر دوں گی تجھے۔۔۔میرے بیٹے کا گھر ہے جب تک دل کرے گا رہوں گی۔۔۔اور یہ زین بھلا کہاں آنے دے گا مجھے واپس ابھی۔۔۔!" دادی نے بڑے مان سے کہا تھا اور اکبر دل میں فکر مند ہونے کے باوجود خلوص سے بولے۔۔۔

"بلکل اماں۔۔۔جب تک دل کرے یہیں رہیں۔۔۔آپ کے بیٹے کا نہیں آپ کا اپنا گھر ہے۔۔۔اور توقیر تم بھی ابھی رک جاتے۔۔۔دو دن اور رہ کر چلے جانا۔۔۔!"

"نہیں بھائی جان۔۔دکان چار دن بھی بند رہے تو مندا ہو جاتا ہے۔۔۔آج کل کہاں وارا کھاتا ہے اتنی دیر تک کام بند رکھنا۔۔۔ان شاء اللہ پھر سہی۔۔۔!"

اکبر نے اثبات میں سر ہلایا اور سعدیہ کو خاموش رہنے کا تنبیہی اشارہ کیا۔۔وہ بیوی کے بگڑے تیوروں سے بخوبی واقف تھے اس لیے بدمزگی کے ڈر سے پیشگی حد بندی کی کوشش کی تھی۔۔۔جس کا انہیں یقین تھا کہ ناکام ہی رہے گی۔۔۔!

☆......☆......☆

سارا دن سعدیہ جلے پیر کی بلی بنی گھومتی رہی۔۔۔اکبر کی روانگی کے بعد دوپہر کو توقیر، زین کو لے کر بازار چلا گیا۔۔۔اسے اس کی پسند کے سکول شوز دلائے۔۔۔ایک سیلوں والی گن دلوائی جو سیل ڈالنے پر تڑ تڑ کی آواز نکالتی تھی۔۔۔اس کی پسند کی چپس، ٹافیوں سے شاپر بھروا دیا۔۔۔اور واپسی میں فروٹ لیتا گھر پہنچا۔۔۔زین کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔۔۔وہ بار بار دیوانہ وار چاچو کا وہ ہاتھ چوم لیتا جس سے انہوں نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔۔۔انہوں نے صرف زین کو یہ سب لے کر دیا تھا۔۔۔نا خضر تھا نا زویا تھی۔۔۔نا امی کی ڈانٹ تھی نا ابو کا تجاہل تھا۔۔۔وہ گھر پہنچا تو مسرت و جوش سے لال چہرہ لیے سیدھا دادی کے پاس لپکا اور انہیں اپنی چیزیں نکال نکال کر دکھانے لگا۔۔۔شور سن کر سعدیہ کچن سے اور خضر اور زویا کمروں سے نکل آئے۔۔۔زویا تو اس کی چیزیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی اور اس کا شاپر گود میں رکھ کر رکھوالی کرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔۔۔

"آپ شوز چیک کر لو بھائی۔۔۔میں اسے پکڑا ہوا۔۔۔مجھے بھی دینا ایک۔۔۔بس ایک۔۔۔!"

وہ معصومیت سے شاپر کو سینے سے لگائے سکول شوز پہن کر دادی کو چیک کراتے زین کے کام میں پھسپھسائی تو جواباً اس نے محبت سے اس کا گال چوما اور جوتے پہننے لگا۔۔۔سعدیہ کی تیوریاں چڑھی تھیں اور خضر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی گن والا ڈبہ دیکھے جا رہا تھا۔۔۔یہ منظر اس کے لیے غیر یقینی تھا۔۔۔اس نے کب زین کو ایسا پروٹوکول ملتے دیکھا تھا اور کب ایسا ہوا تھا کہ اسے چھوڑ کر صرف زین کے لیے کچھ آیا ہو۔۔۔یہ اذیت اس کے لیے اتنی زیادہ تھی کہ وہ بنا لحاظ کے بلک بلک کے رونے

لگا۔۔۔سعدیہ کی اسے اس طرح روتے دیکھ حالت غیر ہونے لگی تو اس نے جھپٹ کر اسے سینے سے لگا لیا۔۔۔توقیر چاچو نے بہت غصے سے خضر کو دیکھا، ان کا بس چلتا تو اس تھڑدلی حرکت پر دو تھپڑ لازمی رسید کرتے۔۔۔دادی کا دل پسیجا اور انہوں نے محبت سے خضر کو پاس بلایا لیکن وہ ہٹ دھرمی سے گلا پھاڑ کر روتا ماں کو پرے دھکیل کر کمرے میں چلا گیا۔۔۔سعدیہ نے ساس اور دیور کو تاسف سے گھورا اور بیٹے کے پیچھے چلی گئیں۔۔۔پیچھے زین شرمندہ سا اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا جن میں نئے شوز دمک رہے تھے۔۔۔اس کی حالت زمین میں گڑ جانے جیسی تھی جیسے اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہو۔۔۔زویا معصومیت سے ابھی تک پھولے ہوئے شاپر کو سینے سے لگائے ہوئے تھی۔۔۔توقیر چاچو نے بے نیازی سے سر جھٹک کر اس کی ننھی ناک کھینچی۔۔۔دادی نے زین کے جھکے سر کو اپنے سینے سے لگایا اور دل میں سعدیہ سے مخاطب ہوئیں۔۔

"کاش تمہیں اندازہ ہوتا سعدیہ کہ تمہارا رویہ تمہارے ایک بیٹے کو راتوں کو کس طرح رلاتا ہے کاش تم اپنی ہر اولاد کے اندر جھانکنے کا ہنر رکھتی۔۔۔کاش زین کے رونے سے بھی یونہی تمہارے پیٹ میں گرہیں پڑا کرتیں۔۔۔کاش۔۔۔!"

اور ان کے سینے سے لگے زین کے آنسو قطرہ قطرہ گر رہے تھے۔۔۔اسے وسوسے ستانے لگے کہ کہیں امی یہ سب اس سے لے کر خضر کو نا دے دیں۔۔۔اور ایسا ہوتا تو کچھ عجیب بھی نا ہوتا۔۔۔!

☆......☆......☆

توقیر چاچو چلے گئے اور شام تک خضر کمرے سے باہر نا آیا۔۔۔سعدیہ منہ پھلائے گھر کے کام کرتی رہیں اور گاہے بگاہے خضر کے لیے کچھ نا کچھ کھانے کو لے کر اس کے کمرے میں جاتی رہیں۔۔۔وہ اپنے لاڈلے کو منانے کے لیے ہر جتن کر رہی تھیں۔۔۔دادی کا تخت لاؤنج کے ہی ایک کونے پر بچھا تھا اور وہ وہاں دن کا زیادہ تر وقت گزارا کرتی تھیں۔۔۔ابھی بھی ہاتھوں میں تسبیح لیے وہ بہو کے تیور ملاحظہ کر رہی تھیں لیکن ٹوکا ایک بار بھی نا تھا۔۔۔تبھی زویا ان کے قریب وہی چپس چاکلیٹوں اور بسکٹوں سے بھرا شاپر لیے چلی آئی جو توقیر چاچو نے زین کو دلایا تھا۔۔۔اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔۔۔دادی نے اسے کھینچ کر اپنے پاس کیا اور پوچھا۔۔۔

"میری پری کیوں اداس ہے۔۔۔مارا ہے کسی نے۔۔۔؟"

"دادی اماں۔۔۔زین بھائی نے یہ سارا والا شاپر مجھے دے دیا۔۔۔میں نے کہا بھی کہ میں نہی لینا، واپس بھائی کی گودی میں بھی رکھا لیکن زین بھائی نے کہا کہ تم اور خضر بھائی لے لو۔۔۔میں نہی لوں گا۔۔۔!" وہ آسان الفاظ میں دادی کو سمجھا رہی تھی کہ اسے ان چیزوں کا کوئی لالچ نہی یہ تو زبردستی اسے تھمائی گئی ہیں۔۔۔دادی نے مسکرا کر شاپر اس سے لیا اور پھر ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے اسے ٹٹولنے لگیں۔۔۔اندر سے چند چیزیں نکال کر انہوں نے اپنے گاؤ تکیے کے ایک طرف کر کے رکھ دیں اور شاپر کا منہ بند کر کے زویا سے زین کو بلانے کے لیے کہا۔۔۔وہ بھاگم بھاگ اسے بلا لائی۔۔۔زین ستے چہرے کے ساتھ پسینے سے بھیگا ہوا ان کے پاس آ بیٹھا۔۔۔دادی نے اس کی پیشانی پر پسینے سے چپکے بال پیچھے کیے اور اپنی لان کی چادر سے اس کا چہرہ صاف کیا۔۔۔

"بنا پنکھے کے بیٹھا ہوا تھا نا کہیں۔۔۔دیکھ کیسے گھسلا ہوا ہے سارا بدن۔۔۔کیوں ہلکان ہو رہا ہے چاند۔۔۔میں ہوں نا۔۔کچھ نہی کہتی تیری ماں تجھے۔۔۔!"

"آپ چلی جائیں گی تو کہیں گی۔۔۔خضر بھی میری گن لے لے گا دادی اماں۔۔۔مجھے پتا ہے۔۔۔آپ کو نہی پتا۔۔۔اس لیے میں اسے پہلے ہی دے دوں گا۔۔۔سب بانٹ دوں گا۔۔۔!"

"ہاااا۔۔۔" دادی نے ایک پر تاسف سانس بھر کے اسے دیکھا۔" اچھا بانٹ دے۔۔اچھی بات ہے کون سا غلط ہے۔۔۔مل بانٹ کے کھانا چاہیے لیکن پریشان مت ہو۔۔۔تیرے چاچو نے محبت سے دلایا ہے سب۔۔۔کیا خضر کو نہی ملا کبھی کچھ، وہ تو نہی ہوتا شرمندہ اکیلے کھا پی کے۔۔۔اس لیے بس کر اب پریشان ہونا۔۔۔میں ہوں نا۔۔۔مجھ سے کوئی سوال کر سکتا ہے بھلا۔۔۔؟"

"مجھ سے تو ہو سکتا ہے نا۔۔۔اور ہو گا۔۔۔اور مجھے نہی پتا دادی اماں کہ میں کیا جواب دوں گا۔۔۔!"

دادی کے اتنے لمبے دلاسے کے جواب میں اس کے یہ تین فقرے انہیں بوکھلا کر رکھ گئے۔۔۔وہ لاجواب ہو گئیں۔۔۔یہ تو انہیں خیال نہی آیا تھا کہ وہ ہر وقت انہی سے تو چپکا نہی رہتا۔۔۔جہاں ماں کو اکیلا ہاتھ لگے گا وہ ہر طرح کی باز پرس کا حق رکھتی تھی۔۔۔دادی نے اس کی بیچارگی کو

محسوس کرتے اسے سینے سے لگا لیا۔۔تبھی سعدیہ، خضر کے کمرے سے ٹرے لیے برآمد ہوئی اور دونوں دادی پوتا کو جذباتی سین کرتا دیکھ ان کے سینے میں انگارے جل اٹھے۔۔۔اندر ان کا لاڈلا رو رو کے ہلکان ہو چکا تھا اور دادی کو پرواہ تک نا تھی۔۔۔وہ ٹرے ہونہی ہاتھ میں پکڑے پکڑے ان کے قریب چلی آئیں اور چلچلاتے لہجے میں گویا ہوئیں۔۔۔

"واہ اماں واہ۔۔۔اتنی عمر ہوگئی آپ کی لیکن آپکو بچوں سے ایک سا رویہ رکھنا نا آیا۔۔اپنے ہی پوتوں میں اتنا فرق۔۔۔اتنا فرق اماں۔۔۔ایک کی رو رو کے جان آدھی رہ گئ اور بجائے اس کے کہ آپ خضر کو پاس بلا کر دلاسہ دیتیں، زین کا مزید دماغ خراب کر رہی ہیں۔۔۔پہلے ہی کم شاطر ہو چکا ہے یہ کہ ماں کی ناک کے نیچے ایسے چالاکیاں کرتا ہے۔۔۔نا جانے کس پر چلا گیا ہے یہ۔۔۔میرا خضر بھی تو ہے مجال ہے کہ کسی بات کی خبر ہو اسے، کبھی ضد نہی کرتا، کبھی کسی چیز کا تقاضا نہی کرتا۔۔۔اور ایک زین ہے کہ کسی چیز کی ضد باندھ لے تو اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔۔۔چار دن پہلے آپ کو بھی یاد ہی ہوگا کہ کیسے سکول نا جانے کی ضد کر کے چھٹی کر کے بیٹھ گیا تھا۔۔۔آپ کے آنے سے پانچ منٹ پہلے اپنے ایڈمیشن کے لیے چلا رہا تھا مجھ پر۔۔۔لاکھ سمجھایا کہ آرام آرام سے ہو جائے گا تمہارا ابھی لیکن نا۔۔۔اس صاحب بہادر نے کبھی اپنی بات سے ہٹ کر دیکھا ہے کیا۔۔۔میں سر پٹک رہی ہوں کہ یہ سدھر جائے اوپر سے آپ اور توقیر میری کی گئ محنت پر پانی پھیر دیتے ہیں۔۔۔بگڑے کو بگاڑ جاتے ہیں۔۔۔اماں بیلنس رکھیں بچوں میں ورنہ میرے خضر کی شخصیت برباد ہو جائے گی۔۔۔؟"

سعدیہ شعلے برسا رہی تھیں اور دادی تمسخرانہ نگاہوں سے انہیں دیکھے جا رہی تھیں۔۔۔وہ کہنے کو بہت کچھ کہہ سکتی تھیں لیکن مقابل جب سمجھنا ہی نا چاہے تو کوئی لاکھ سر پیٹے وہ کبھی نہی سمجھے گا۔۔۔جس بات کے لیے دل ہی آمادہ نا ہو اس کے نا کرنے کے ایک سو ایک جواز بن جاتے ہیں۔۔۔وہ زین کا مقدمہ لڑ سکتی تھیں، سعدیہ کی تصحیح نا سہی لیکن جھنجھوڑ ضرور سکتی تھیں لیکن زین کا دماغ ساری تکرار کو نا جانے کس نہج پر لے جاتا۔۔۔؟

اگر سعدیہ غور کرتیں تو اپنی ہی باتیں اپنے منہ پر تماچا بن کر پڑتیں لیکن اس طرف سے انہوں

نے اپنی عقل کا پردہ کھینچ رکھا تھا۔۔۔سعدیہ ان کی خاموشی پر مزید کلستی آگے بڑھی اور شاپر جھپٹتے ہوئے زین سے بولی۔۔

" خضر کے لیے رہنے دو اب کم از کم یہ۔۔۔تم نے تو ندیدے پن میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔۔۔جوتے آ گئے ہیں نا۔ٹھنڈ پڑ گئی ہوگی تمہیں ماں باپ کو برا بنا کے۔۔۔اب اگر تمہیں رتی بھر بھی اپنے بھائی کا خیال ہے نا تو اس کی دل جوئی کی خاطر اپنی گن اسے دے دینا۔۔۔اسے تو پہلے ہی مل کر کھیلنے کی عادت ہے۔۔۔وہ تمہیں کھلا لیا کرے گا لیکن کھلونا اس کے پاس رہے گا تو دل بڑا ہو گا اس کا۔۔۔بڑا بھائی ہے مان دینا سیکھو۔۔۔سمجھے۔۔۔!"

وہ ٹرے اور شاپر لیے کچن میں چلی گئی۔۔۔زین کے سینے میں سسکیاں بھر رہی تھیں،وہ ہانڈی کی طرح ابل رہا تھا۔۔۔دادی نے اس کا ہاتھ تھام کر چوما اور نرم لہجے میں گویا ہوئیں۔۔۔

" زین۔۔۔یہ جو تمہارے ساتھ ہے یہ کوئی نرالا نہیں۔۔۔بس یہ سمجھو کہ ماں باپ کی ایسی سختیاں بچے کو سونے سے کندن بنا دیتی ہیں۔۔۔یہ سب اس لیے ہے تا کہ ایک دن آئے جب تم باہر کی دنیا کا مقابلہ کر سکو۔۔۔ماں باپ کی سن لینے والا باہر والوں کی نہیں سنتا۔۔۔اپنا دل ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر میلا مت ہونے دینا۔۔۔زندگی بہت مشکل ہے چاند۔۔۔کٹھنائیوں اور مشکلوں سے بھری ہوئی۔۔۔اگر ان پدی پدی باتوں پر روؤ گے تو وقت کی تیز آندھی میں بھربھرا جاؤ گے۔۔۔آج کے تھپیڑے کل کے چھانٹوں کا توڑ ہیں۔۔۔شیر بن کر رہو۔۔۔شیر۔۔۔!"

اور دادی کے سینے سے لگا زین ایک تار روتا رہا۔۔۔وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں تھے جن کا سہارا لے کر وہ اپنا مدعا بیان کر پاتا۔۔۔ایک مسلسل جنگ جو وہ اپنے اندر لڑتا تھا اس سے زیادہ باہری مڈبھیڑ اسے توڑتی تھی۔۔۔وہ بچہ تھا،دادی کی بڑی بڑی باتیں ابھی نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن دادی کو پتا تھا کہ ان کی باتیں اس کے لاشعور میں سرائیت کریں گی اور جب وقت آئے گا تب وہ انہیں سے طاقت حاصل کرے گا۔۔۔!

☆......☆......☆

دادی واپس چلی گئیں اور پھر سے وہی دن اور وہی راتیں اس سے اپنا حصہ وصول کرنے لگیں۔۔۔خضر نے جیسے اعلانیہ اس سے بیر باندھ لیا تھا۔۔۔اس کی گن ضبط ہو گئ اور وہ خاموش رہا۔۔۔ہلکے سے احتجاج نے ہی ماں کا تارے دکھاتا تھپڑ کھلوا دیا۔۔۔مزید کی اس نے کوشش نا کی۔۔۔زویا اپنی گڑیاں پٹولے لیے اس کے پاس چلی آتی اور اسے اپنے ساتھ کھیلنے پر مجبور کرتی۔۔وہ بھائی کی دلجوئی کی بساط بھر کوشش کرتی۔۔زین نے اپنا دل پڑھائی میں لگانا شروع کیا مگر اس کا منتشر ذہن کسی طرف فوکس ہی نا ہو پاتا۔۔۔وہ ایوریج اسٹوڈنٹ تھا۔۔۔لائق فائق نہی تھا کہ پڑھنے لکھنے کے اسرار و رموز اپنی ذہانت کے بل پر طے کرتا۔۔۔سکول میں اس کی ایک دو لڑکوں سے دوستی تھی مگر وہ لڑکے بے حد پر اعتماد اور شرارتی تھے۔۔۔زین دبو سا ان کے بیچ خود کو مس فٹ محسوس کرتا۔۔وہ اپنے دوستوں کو خوش رکھنے کے لیے ان کا "چھوٹا" بن کر ساتھ ساتھ رہتا کہ بس سب کو معلوم ہو کہ وہ بنا دوستوں کے نہی۔۔۔بریک میں دور گراؤنڈ میں دوران کھیل اس سے دوست کہتا کہ جاؤ کلاس سے میری واٹر باٹل لے آؤ تو وہ حکم بجالاتا فوراً چل دیتا کیونکہ اس دوست نے اس سے کھیل میں باری دینے کا وعدہ کر رکھا ہوتا۔۔۔بھلے سے وعدہ وفا ہونے تک بریک اوور ہو جاتی۔۔۔دوسرا اسے پیسے تھماتا اور کینٹین سے کچھ لانے کو کہہ دیتا وہ چوں چراں کیے بنا چل دیتا نتیجتاً اس کا خود کا لنچ ٹھنڈا ٹھار پڑا رہ جاتا اور بریک اوور ہو جاتی۔۔۔یہ سب کچھ وہ صرف ان کے ساتھ رہنے کے لیے کرتا تھا۔۔۔چھٹی ٹائم کسی نا کسی کا بیگ اپنے بیگ کے ساتھ لازمی اٹھائے باہر تک لاتا اور باتوں باتوں میں منت کرتے لہجے میں وہ آنے والے کل کے لیے ان سے وعدہ لیتا کہ وہ اسے بھی لازمی باری دیں گے۔۔۔دوسرے دونوں لڑکے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستے اور پکا والا وعدہ کرتے۔۔۔لیکن وہ کل نا آپاتا۔۔۔حالانکہ یہ کھیل اپنے کلاس فیلوز کو زین نے ہی سکھایا تھا۔۔۔

اونچ نیچ کا پہاڑ

کچے موتیوں کا ہار۔۔۔

اس کا پسندیدہ کھیل جو اس نے اپنی گلی میں کھیلتے بچوں سے سیکھا تھا۔۔۔لیکن کوئی بھی اسے اونچ

پر چڑھنے کی اجازت دیتا ہی نا تھا۔۔۔وہ ہمیشہ نیچ پر رہ کر اونچ پر کھڑے بچوں کو پکڑنے کی کوشش میں چٹکیاں کٹوا کٹوا کے نیل ڈلوا لیا کرتا۔۔۔دھیرے دھیرے وہ کلاس میں ہی رہنا شروع ہو گیا۔۔۔بریک میں وہ خالی کلاس میں اکیلا کھیلتا۔۔۔وہ بھاگ بھاگ کر کسی نا کسی بینچ پر کھڑا ہو جاتا اور وہاں پڑے بیگ کو خود کو پکڑنے والا بچہ تصور کر کے زور زور سے چٹکیاں بھرتا، جھنجھوڑتا اور پھر نیچے دھکیل دیتا۔۔۔یہ کھیل اسے مزہ نہی دیتا تھا لیکن وہ صرف اس لیے کھیلتا کہ اسے ان سب بچوں کے بیگ فرش پر گرانے میں سکون ملتا جو جو اسے چٹکیاں کاٹا کرتے۔۔۔وہ تھکنے لگا تھا۔۔۔اس کے اعصاب چٹختے تھے لیکن وہ اپنی کیفیت کسی سے بیان کرنے سے قاصر تھا۔۔۔دن رات یہ بات ذہن میں چکراتی کہ وہ اپنے امی ابو کی اولاد نہی۔۔۔اسے کہیں سے لیا گیا ہے۔۔۔اس بات کو سچ ماننے کے لیے وہ خود کو کئی جواز دیتا تھا۔۔۔گھر میں اس کے بچپن کی کوئی تصویر نہی تھی۔۔۔جب کہ خضر اور زویا کی تصویروں سے بھرے دو دو البمز تھے۔۔۔انہی میں کہیں کہیں وہ دکھائی دے جاتا تھا لیکن واجبی سا۔۔۔وہ اپنا البم گھر میں بہت بار ڈھونڈ چکا تھا، ایک بار اس نے ماں سے اس بابت پوچھا تو اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تمہارا البم دادی کے گھر ہے کیونکہ وہ تم سے بہت پیار کرتی تھیں اس لیے انہوں نے رکھ لیا۔۔۔وہ دادی کے گھر جا کر ڈھونڈتا رہا لیکن ہوتا تو ملتا۔۔۔وہ اور پر یقین ہو جاتا کہ ہاں وہ ان کا سگا بیٹا نہی اس لیے اس کی کوئی تصویر نہی۔۔۔سکول ٹرپ پر جانے کے لیے سعدیہ ہمیشہ خضر کو لدا پھندا بھیجا کرتیں۔۔۔گھر میں اسنیکس بنا بنا کر ٹفن بھر دیتیں۔۔۔اس کے دوستوں کے لیے کچھ نا کچھ ساتھ ضرور دیتیں۔۔۔لیکن جب زین کی باری آتی تو بازار سے سموسے منگواتیں اور شاپر بنا کر اسے پکڑا دیتیں۔۔۔وہ آنسو پیتا ساتھ کسی جوس کا تقاضا کرتا تو ماں صبح سکول جاتے وقت دلوانے کا کہہ کر ٹال جاتی۔۔۔وہ ٹرپ پر ٹھنڈے ٹھار سموسوں کے شاپر میں سے ایک آدھا نکال کر کھا لیتا باقی ہاتھ میں لیے لور لور پھرتا رہتا۔۔۔ٹیچر سمجھدار ہوتی تو کئی بار اسے پاس سے کوئی نا کوئی چیز دلوا دیتی کم از کم جوس کا ایک ڈبہ۔۔۔وہ دکھی سا سارا وقت اکیلا پھرتا پھراتا واپس آ جاتا۔۔۔کئی بار اس کا دل چاہا کہ وہ واپس ہی نا جائے۔۔۔لیکن آہستہ آہستہ گہری ہوتی شام اسے امی کی یاد دلانے لگتی اور وہ اپنا ارادہ ترک کرتا بھاگ کر اپنی کلاس کے بچوں میں شامل ہو جایا کرتا۔۔۔لیکن جب

کوئی بات مسلسل سوچی جائے تو اسے کرنا آسان لگنے لگتا ہے۔۔۔اور خاص طور پر جب دل و دماغ میں جنگ چھڑی رہتی ہو اور جب یہ جنگ ایک چھوٹے بچے کے وجود کے پرخچے اڑا رہی ہو تب۔۔۔!

☆......☆......☆

وہ اپنے کمرے میں کارپٹ پر بیٹھا ہوم ورک کر رہا تھا۔۔سعدیہ نے اسے ٹیوشن نہی لگوا کے دی تھی، وہ کہتی تھی کہ اس کے سکول کی پڑھائی ٹف نہی ہے اس لیے وہ خود ہی مینیج کر سکتا ہے۔۔۔لیکن خضر چار سے چھے ٹیوشن جاتا تھا۔۔۔زویا کو سعدیہ خود ہی پڑھا لیتی۔۔۔کبھی موڈ ہوتا تو زین کو بھی دیکھ لیتی لیکن زین ماں کے پاس پڑھنے سے جان چھڑاتا تھا۔۔۔سعدیہ کو اس کی چھوٹی چھوٹی غلطی بھی تپا کر رکھ دیتی۔۔۔اور جب ایک سے دوسری بار بھی کوئی چیز زین کو سمجھائے سمجھ نا آتی تو وہ اسے مارا کرتی۔۔۔اور یہ مار عام مار نہی ہوتی تھی۔۔۔کتاب کی نوک۔۔۔سکیل کا کنارا۔۔۔سر پر زوردار تھپڑ۔۔۔یہ سب ہی زین کو تکلیف دیتے اور سعدیہ اسے رونے پر مزید دو لگا دیتی۔۔۔ایک بار تو وہ اپنی قمیض کی کٹائی کر رہی تھی اور زین کو اس نے سکول سے شکایت ملنے کی وجہ سے پاس بٹھا رکھا تھا وہ مارے باندھے ہوم ورک کر رہا تھا لیکن اسے میتھس کا سوال سمجھ نہی آ رہا تھا۔۔۔اسے ہوم ورک میں نئی مشق کے دس سوالات خود سے حل کر کے لانے تھے۔۔۔جو اسے بلکل کرنے نہی آ رہے تھے۔۔۔اس نے ماں سے ایک بار پوچھا، اس نے جلدی جلدی کاغذ پر حل کر دیا۔۔زین کے سمجھنے سے پہلے کاپی واپس اس کے سامنے آ چکی تھی۔۔۔وہ پھر بلینک کا بلینک تھا۔۔۔اگلا سوال اس نے کوشش کی لیکن ناکام رہا۔۔۔بے بس ہو کر اس نے پھر ماں کے آگے کاپی رکھی۔۔۔سعدیہ قینچی سے قمیض کا گلا کاٹ رہی تھی۔۔۔کاپی رکھنے سے اس کی قمیض کا کپڑا معمولی سا ہلا اور کٹائی میں رتی برابر فرق آ گیا۔۔۔سعدیہ نے آؤ دیکھا نا تاؤ اسی قینچی کی نوک زین کے گال میں کھبو ڈالی۔۔۔ملائم جلد تھی۔۔۔فوراً کٹ لگ گیا اور خون کی لکیر بہتی ہوئی ٹھوڑی تک پہنچ گئی۔۔۔زین سسک اٹھا۔۔۔گال پر ہاتھ رکھے وہ سکتے میں بیٹھا رہ گیا۔۔۔

”کبھی کوئی کام انسانوں والا نا کرنا۔۔۔تم تو پیدا ہی مجھے زلیل کرنے کے لیے ہوئے ہو۔۔۔کس گناہ کی سزا ہو تم زین۔۔۔عذاب خانہ۔۔۔!“

وہ تاسف سے قمیض کے گلے کو دیکھ رہی تھی اور زین کو برا بھلا بھی کہے جا رہی تھی جب نظر اٹھا کر اسے گھورا تو اس کے ہاتھ کی انگلیوں کے بیچ سے خون کی سرخی جھانک رہی تھی۔۔۔سعدیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔۔۔اس نے لپک کر زین کا ہاتھ ہٹایا اور چوٹ دیکھ کر شرمندہ ہو گئی۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ اسے گلے سے لگاتی۔۔۔زین نے سعدیہ کا ہاتھ جھٹکا اور وہاں سے بھاگ کر سیدھا دادی کے خالی کمرے میں ان کے پلنگ کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔۔۔یہ اس نے ماں کو نخرہ دکھایا تھا۔۔۔اسے امید تھی کہ ماں ابھی اسے پکارتی یہاں چلی آئے گی اور اسے سینے سے لگا کر بہلائے گی۔۔۔پچکارے گی۔۔۔وہ پھر بھی اینٹھے گا تو سعدیہ اسے اس کی من پسند چیز دلانے کا لالچ دے کر منا لے گی۔۔۔لیکن ایسا کچھ نا ہوا اور وہ وہیں روتے روتے سو گیا۔۔جب اس کی آنکھ کھلی تو سارا گھر تاریکی میں ڈوبا تھا اور سب سو چکے تھے۔۔۔اس کا سارا لہو نچڑ گیا۔۔۔وہ اتنے اندھیرے میں اپنے کمرے تک کیسے جائے گا۔۔۔؟ دادی کا کمرا تو باقی کمروں سے ہٹ کر بنا ہوا تھا۔۔۔درمیان میں ڈرائینگ ،ڈائننگ اور لاؤنج پڑتے تھے۔۔۔اور ان سب جگہ پر رات کے وقت بھوت پھرا کرتے تھے یہ اس نے خود دیکھا تھا۔۔۔ساکن پردہ بھی اسے بدروح کا ہیولہ لگا کرتا۔۔۔وہ رات میں کبھی پانی پینے کچن تک جاتا تھا تو ایک سانس میں پی کر بھاگتا ہوا واپس آیا کرتا تھا۔۔۔اسے لگتا تھا کہ مڑ کر دیکھا تو جن اسے جھپٹ لے گا۔۔۔لیکن اب تو وہ دور دادی کے کمرے میں تھا۔۔۔واپس کیسے جائے۔۔۔اس کے دل میں خیال آیا کہ ماں کو اونچی آوازیں دے لیکن خوف اس کی آواز کو گنگ کر گیا۔۔۔وہ چند پل مزید یونہی جامد حالت میں پڑا پلنگ کے نیچے سے جن کی چلتی ٹانگیں ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر اسے خیال آیا کہ امی اس کے پیچھے نہیں آئی تھیں۔۔۔اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔۔۔اسے بھوک بھی لگی تھی۔۔۔اس کا خون بھی بہا تھا اور وہ بہت زیادہ رویا تھا لیکن کسی نے اسکی خبر تک نا لی تھی۔۔۔یعنی وہ کسی کو نہیں چاہیے۔۔۔اس سے کسی کو پیار نہیں۔۔۔وہ اس گھر میں کیوں ہے۔۔۔وہ ان سب میں کیوں ہے۔۔۔وہ یہ گھر چھوڑ دے گا۔۔۔وہ اپنے اصلی ماں باپ کو ڈھونڈے گا۔۔۔ایسی انگنت سوچیں سوچتے اس نے دکھ کی انتہا پر آنکھیں موندلیں کیونکہ خوف کو دور کرنے کا دوسرا کوئی راستہ اس کے پاس نہیں تھا۔۔۔اس کی آنکھوں

سے آنسو دوبارہ بہہ کر فرش پر جذب ہونے لگے۔۔۔وہ نقاہت، بھوک اور خوف کو اوڑھ کر ساری رات وہیں پڑا رہا۔۔۔!

☆......☆......☆

اگلے دن وہ صبح ماں کے جگانے سے پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔۔۔ویسے بھی ساری رات ایک کروٹ پر اکڑا لیٹا رہا تھا۔۔۔جیسے ہی فجر کی اذانیں ہوئیں وہ بھی کچی پکی نیند سے جاگ گیا تھا۔۔۔اذانوں کی مسلسل آتی آوازوں نے اس کے ڈر کو کافی حد تک کم کر دیا۔۔۔اسے لگا جیسے ساری رات جس جن کو وہ کمرے میں چلتا محسوس کرتا رہا ہے وہ اب کہیں چھپ گیا ہے کیونکہ دادی کہتی ہیں جن اللہ کے نام سے بھاگ جاتے ہیں۔۔۔اس سوچ نے اس کے اندر ہمت پیدا کی اور وہ پلنگ کے نیچے سے نکل کر اوپر لیٹ گیا۔۔۔کمرے سے نکل کر اپنے کمرے تک جانے کی ہمت وہ ابھی بھی اکٹھی نا کر سکا تھا۔۔۔دوبارہ آنکھ کھلنے تک وہ قدرے سکون سے سوتا رہا تھا اور پھر کھڑکی پر پھدکتی چڑیوں کے شور نے اس کی آنکھ کھولی۔۔۔جتنے دن دادی یہاں رہتی تھیں بلاناغہ کھڑکی پر باجرہ رکھا کرتی تھیں۔۔۔چڑیاں عادی ہونے کی وجہ سے ان کے جانے کے بعد بھی آ کر بیٹھ جایا کرتیں۔۔۔زین پلنگ سے اترا اور کمرے کی دیوار گیر الماری کھولی۔۔۔اس میں بس دادی کا کنگھا سرمہ اور تیل کی شیشی پڑی رہا کرتی تھی یا ایک آدھ موسمی دوپٹے۔۔۔اکلوتے دراز میں دادی نے باجرے کا شاپر رکھا ہوتا تھا۔۔۔زین نے اس شاپر میں سے دونوں مٹھیاں بھریں اور لا کر کھڑکی کے باہر بنے چھوٹے سے چھجے پر پھیلا دیں۔۔۔چڑیاں پھدک پھدک کر پر پھڑپھڑائے جا رہی تھیں اور پھر زین کے بے ضرر ہونے کا یقین کر کے دانہ چگنے لگیں۔۔۔وہ کچھ دیر انہیں محویت سے دیکھے گیا۔۔۔!

آج وہ یہ گھر چھوڑنے والا تھا۔۔۔اس وقت اس پر اپنی عمر کے اعتبار سے خود ترسی اور مظلومیت کا غلبہ تھا۔۔۔اسے اپنے گھر چھوڑنے پر رونا آ رہا تھا۔۔۔وہ تصور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ گھر چھوڑ چکا ہے اور کہیں محنت مزدوری کر رہا ہے۔۔۔رات کو پیلی سی روشنی میں پڑھ رہا ہے۔۔۔کسی فارغ وقت میں اپنے وہ والے سگے ماں باپ تلاش رہا ہے جو درحقیقت گھر میں تھے۔۔۔اس کے پاس کھانے کو سوکھی روٹی

ہے اور پانی ہے. جس میں وہ نوالے بھگو بھگو کر نگل رہا ہے۔۔۔اس کے کپڑے پھٹ چکے ہیں اور میلے ہیں اور وہ کچے فرش پر سوتا ہے لیکن وہ ہمت نہی ہارتا۔۔۔ یہ سب تصور کرتے ہوئے وہ زارو قطار رو رہا تھا اور اپنی حالت پر افسردہ ہو رہا تھا۔۔۔ ذرا سی روشنی ہوتے ہی وہ کمرے میں آیا اور اپنے سکول بیگ میں اپنے جتنے کپڑے بھر سکتا تھا بھر لیے اور اپنا منی باکس کھول کر بنا آواز کیے اس میں سے پیسے نکال کر گننے لگا۔۔۔سکوں کی بھرمار تھی اور کچھ پانچ روپے، دس روپے اور تین چار پچاس کے نوٹ تھے۔۔۔یہ بھی وہ پیسے تھے جو عید پر یا خاص موقعوں پر دادی اور چاچو کی جانب سے اسے ملا کرتے تھے۔۔۔ورنہ اسے سعدیہ نے پاکٹ منی بہت کم دی تھی۔۔۔ پیسے گنتے ایک اور دکھ مرغولے کی مانند اٹھتا اس کی آنکھوں کا منظر بن گیا۔۔۔سعدیہ بچوں کے لنچ بنانے کے معاملے میں بہت آلکس تھی۔۔۔جب خضر اور زویا اسی کے سکول میں جایا کرتے تھے جہاں اب وہ اکیلا جاتا تھا تب امی ان تینوں کو مارے باندھے ایک سا لنچ دے دیا کرتیں اور وہ ہوتا تھا سادہ سلائس پر جیم۔۔۔!اس معاملے میں سعدیہ اپنی سستی کبھی جھاڑ نہیں پائی تھی۔۔۔اور یہ لنچ خضر کو زہر لگا کرتا۔۔۔زہر اسے بھی لگتا تھا۔جیم والے سلائس دیکھ کر ہی اسے ابکائی آجاتی لیکن وہ کہتا نہی تھا۔۔۔جب خضر مچلتا کہ وہ سلائس نہی لے کر جائے گا تو سعدیہ نظر بچا کر اسے پاکٹ منی تھما دیتی کہ کینٹین سے کچھ لے لینا اور زویا کو بھی دلا دینا، چھوٹی بہن ہے۔۔۔زین، سعدیہ کو پیسے دیتے دیکھ لیتا لیکن وہ خود کبھی مانگ نہی سکا تھا کہ اتنی جرات ہر وقت عود نہی کر آتی تھی۔۔۔اور سکول میں جب بریک میں وہ اپنے سلائس کسی دیوار یا درخت کی کھوہ میں رکھ کر ادھر ادھر خالی پیٹ گھوم رہا ہوتا تو خضر اپنے لیے کینٹین سے من پسند چیز لے کر خود بھی کھا رہا ہوتا اور زویا کو بھی دلوا دیتا۔۔۔اسوقت اس کے پیٹ میں کمال کی اینٹھیں اٹھتی جسے دبانا دوبھر ہو جاتا۔۔۔اور پھر وہ وہیں کسی سیڑھی پر یا بینچ پر بیٹھ کر وقت گزارا کرتا۔۔۔!

ہاتھ سے سکہ چھوٹ کر فرش پر گرا تو وہ اپنے دکھ سے باہر نکلا اور سوئے ہوئے خضر پر احتیاطاً نگاہ ڈالی۔۔۔ابھی اس کے اٹھنے میں پون گھنٹہ تھا تب تک اسے اپنی تیاری مکمل کر لینی تھی۔۔۔وہ جلدی جلدی بیگ میں سے فالتو کتابیں کاپیاں نکال کر کپڑے، اپنا ٹوتھ برش ایک ٹوتھ پیسٹ اور صابن کی ٹکیہ

جو اس نے کچن کی الماری کے نچلے کیبنیٹ سے نکالی تھی، بیگ میں رکھنے لگا۔۔۔ننھی سی جمع پونجی کو جیومیٹری کے نچلے حصے میں چھپایا اور بیگ بند کر کے یونیفارم پہننے چلا گیا۔۔۔آج اس کا اس گھر میں آخری دن تھا اور یہ سوچ سوچ کر اس کی آنکھیں بھر آتی تھیں۔۔۔وہ کمرے کے ایک ایک کونے کو نظر بھر بھر کے دیکھ رہا تھا۔۔۔اس نے دل میں سوچا کہ امی اٹھ جائیں گی تو وہ انہیں بھی جی بھر کے دیکھ لے گا۔۔شائد وہ انہیں یاد بھی نا آئے لیکن وہ تو انہیں ہمیشہ یاد رکھے گا۔۔۔زویا کو بھی دیکھے گا کیونکہ اس نے بھی ہمشہ اس کا خیال رکھا تھا بس وہ خضر کو نہی دیکھے گا کیونکہ وہ اسے یاد نہی رکھے گا۔۔۔ایسی ان گنت سوچیں اسے رلائے جا رہی تھیں۔۔۔اپنا آپ بہت دکھی اور مظلوم لگ رہا تھا، مسلسل بھیگتی آنکھوں سے وہ اپنی تیاری مکمل کر رہا تھا۔۔!

☆......☆......☆

وہ پیدل سکول جایا کرتا تھا۔۔۔صرف دس سے بارہ منٹ کا رستہ تھا جو سخت سردی اور سخت گرمی میں دکھاتا تھا۔۔۔اگر اس نے سیدھا گھر واپسی کرنا ہوتی تو اسے چنداں مشکل نہی تھی لیکن اسے پینتالیس منٹ بس اسٹاپ پر خضر کے لیے رکنا ہوتا تھا۔۔۔امی کو یہی فکر ستائے جاتی تھی کہ ایک تو خضر اتنی دور سے آتا تھا اور پھر واپسی پر اسٹاپ سے گھر تک کا سفر وہ بیگ اٹھا کر کرے، 9یہ بہت زیادتی تھی اس کے ساتھ تبھی تو انہوں نے زین کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ بھائی کا بیگ اٹھا لیا کرے تا کہ اسے کچھ تو سہولت رہے۔۔۔زین کے اندر چیخ پکار شروع ہو جاتی کہ خضر کون سا پیدل آتا تھا وہ تو وین پر آتا تھا پھر کیسی تھکن۔۔۔تھک تو وہ جاتا ہے جو سکول سے پیدل اسٹاپ پر پہنچتا تھا اور وہاں اتنی دیر بیٹھے رہنے کے بعد خضر کا اور اپنا بیگ اٹھا کر گھر آتا تھا۔۔۔مشقت تو وہ اٹھا رہا تھا۔۔۔

”آج کے بعد تمام مشکلیں ختم ہو جائیں گی۔۔۔میں اب کبھی ان لوگوں کو نظر ہی نہی آؤں گا۔۔۔اور ایک دن جب بڑا ہو جاؤں گا تو بڑی سی گاڑی میں امی ابو سے ملنے اچانک آ جاؤں گا۔۔۔تب وہ مجھے حیران ہو ہو کر دیکھیں گے اور خضر کی تو ایسی کی تیسی ہو جانی ہے۔۔۔!“

وہ خود کلامی کرتا سکول کی جانب بڑھ رہا تھا۔۔۔ارد گرد بہت سے بچے سکول جا رہے

تھے۔۔۔اس کے ہاتھوں میں پسینہ آرہا تھا۔۔۔اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے گھر چھوڑنے کا سب کو پتا چل گیا ہو، ہر کوئی اپنی جانب دیکھتا محسوس ہو رہا تھا۔۔۔اس نے قدم آہستہ کر لیے کیونکہ اسے سکول میں داخل نہی ہونا تھا۔۔۔سب کی نگاہ بچا کر سکول کی عمارت کے پچھلی طرف کو جاتی سڑک کا رخ کرنا تھا۔۔۔اس کا ارادہ تھا کہ وہ یہاں سے سیدھا سینٹرل پارک جائے گا وہاں ایک بینچ کے پیچھے اپنا بیگ وغیرہ رکھ کر سامنے بنی بلڈنگ میں اپنے لیے رہنے کا بندوبست کرے گا۔۔۔اسے ان تمام راستوں سے آگاہی تھی کیونکہ وہ ابو اور خضر کے ساتھ انہی راستوں سے ہر جمعے اور عیدوں پہ جامع مسجد جایا کرتا تھا۔۔۔خضر ہمیشہ ابو سے پیدل چلنے کی ضد کرتا تھا کیونکہ اسے لمبے راستے سے آنا جانا پسند تھا۔۔۔برا اسے بھی نہی لگتا تھا لیکن اس نے کبھی اظہار نہی کیا تھا۔۔۔بس تمام رستے ازبر کر لینا اس کی فطری خوبی تھی۔۔۔وہ جس راستے سے گزرتا تھا اسے یاد ہو جاتا تھا اور وہ اپنے اندر اتنا اعتماد رکھتا تھا کہ وہ اکیلا واپس بھی آسکتا ہے۔۔۔یہیں آتے جاتے ابو نے بتایا تھا کہ اس بلڈنگ میں وہ آدمی رہتے ہیں جن کے ساتھ ان کے گھر والے نا ہوں۔۔۔اسے یہ بات یاد تھی اور وہ بلڈنگ بھی۔۔۔اسی لیے اس کا ارادہ تھا کہ وہ وہاں کسی بھی انکل سے اسے اپنے ساتھ رکھنے کی گزارش کرے گا۔۔۔پھر جب وہ کمانا شروع کرے گا تو انہیں کرایہ دے دے گا۔۔۔!

بچے کی سوچیں لامتناہی ہوتی ہیں لیکن کسی ایک مقام پر آ کر وہ رک جاتی ہیں۔۔۔!

وہ چور نظروں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔۔۔اس کے سکول کے جانے پہچانے چہرے اس کے پاس سے گزرتے سکول جا رہے تھے۔۔۔یہ بھی اچھا تھا کہ اس کی کسی سے دوستی نا تھی ورنہ کوئی اسے روک لیتا تو۔۔۔؟ اس نے اپنے آپ پر قابو پایا اور سر جھکائے سکول کے گیٹ سے پہلے ہی اس کے مخالف سمت بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا پیچھے جاتا چلا گیا۔۔۔ایک بار وہ سامنے کے منظر سے اوجھل ہو جاتا تو پھر کوئی مشکل نہی تھی۔۔۔ذرا سا فاصلہ طے کرتے ہی اس کے پیروں میں تیزی آ گئی۔۔۔وہ تیز دھڑکتے دل کے ساتھ سکول کی بیک سائیڈ پر پہنچ چکا تھا اور یہاں سے کچھ ویران سڑکوں کے بعد کمرشل ایریا شروع ہوتا تھا۔۔۔وہ اب یہیں کھڑا تھا۔۔۔یہاں پر ایک چھوٹا سا گول باغ تھا جو زیادہ تر بارش

کے پانی سے بھرا رہتا تھا۔۔۔اس کے ارد گرد جنگلہ لگا تھا۔۔۔اس چھوٹے سے گول قطعے کے چہار جانب سے مختلف سڑکیں نکلتیں تھیں جس میں سے کوئی کسی مارکیٹ کی جانب جاتی تھی کوئی مسجد کی جانب کوئی سینٹرل پارک کی اور کوئی ہاسپٹل کی۔۔۔وہ راستہ بھول نہی رہا تھا لیکن گھبراہٹ دل کو پکڑ چکی تھی۔۔۔پسینہ بہہ کر ایڑیوں تلک آگیا۔۔۔ایک بار،ایک بار اس کا جی چاہا کہ وہ واپس مڑ جائے۔۔۔امی کے پاس چلا جائے۔۔۔لیکن اگلے ہی پل اس کے دل میں سوچ جاگی کہ جاؤں گا ضرور لیکن پہلے امی کو مجھ سے پیار ہو۔۔۔پھر جاؤں گا۔۔۔اس سوچ کے آتے ہی وہ حواسوں پر قابو پاتا سینٹرل پارک جانے والی سڑک پر چڑھ گیا۔۔۔ارد گرد رہائشی مکانات بھی تھے لیکن یہ تمام کوٹھیاں بہت بڑی بڑی تھیں۔۔۔شاذ و نادر ہی زین نے پہلے بھی ابو کے ساتھ آتے کبھی کسی کو گھر سے نکلتا دیکھا ہوگا۔۔۔یوں لگتا تھا کہ ان بڑی بڑی کوٹھیوں میں زندگی اندر ہی گزرتی ہوگی۔۔۔وہ ہلکی ہلکی کانپتی ٹانگوں سے چلتا جا رہا تھا۔۔۔دل و دماغ میں جنگ چھڑی تھی کہ واپس ہولے لیکن چھوٹا سا دل بہت بڑے خواب دکھا رہا تھا اور واپسی سے روک رہا تھا۔۔۔وہ چلتا چلا گیا اور سینٹرل پارک کے مین گیٹ پر پہنچ گیا۔۔۔پورا پارک صبح کے ساڑھے سات سے پونے آٹھ میں سائیں سائیں کر رہا تھا۔۔۔وہ نو سال کا بچہ اپنی طرف سے کھلے اندازے لگا کر گھر سے نکلا تھا۔۔۔اس کے ذہن میں یہی تھا کہ وہاں ہر طرف چہل پہل ہوگی۔۔۔قریبی جھگیوں والے بچے وہاں دھما چوکڑی مچا رہے ہوں گے اور جب وہ بلڈنگ میں رہنا شروع کر دے گا تو شام کو مل کر ان بچوں کے ساتھ کھیلا کرے گا اور انہیں "اونچ نیچ کا پہاڑ" کھیلنا سکھائے گا۔۔۔لیکن وہ اب سے پہلے اس وقت کب آیا تھا پارک میں جو اسے یہ معلوم ہوتا کہ یہاں ہر وقت رونق میلا نہی لگا رہتا۔۔۔اندر پجی بابا کار کو دباتے وہ پارک میں داخل ہوگیا۔۔۔دل سہما جا رہا تھا لیکن ننھے سے بچے کی انا یا ضد اسے قدم آگے بڑھائے جانے پر مجبور کر رہی تھی۔۔۔اس نے کمر کے زور سے بیگ کو کندھوں پر اچھال کر سیٹ کیا اور کسی خالی بینچ کی تلاش میں نظر دوڑانے لگا۔۔۔بیگ میں ضرورت سے زیادہ سامان تھا اور وہ اتنی دور تک پیدل چل چل کر تھک گیا تھا۔۔۔گیٹ سے کافی فاصلے پر اس نے بینچ ڈھونڈا اور وہاں جا کر بیٹھ گیا۔۔۔بیگ اتار کر پہلو میں رکھا اور سائیڈ پاکٹ سے واٹر باٹل نکال کر دو گھونٹ پانی

کے بھرے۔۔۔وہ بہت بے چینی محسوس کر رہا تھا۔۔۔گھر ابھی سے یاد آنے لگا تھا۔۔۔دادی یاد آ رہی تھیں۔۔۔وہ کتنا روئیں گی اسے یاد کر کے۔۔۔چلو کوئی تو ہے جو روئے گا۔۔۔اور خضر تو شکر ادا کرے گا۔۔۔وہ سوچتا مسلسل سر بھی ہلا رہا تھا۔۔۔اس بینچ سے سامنے بنی بلڈنگ کے تمام فلورز بآسانی دکھائی دیتے تھے۔۔۔تین فلورز تھے اور ہر فلور پر چار چار فلیٹ۔۔۔بالکونیوں میں تاروں پر اکا دکا مردانہ کپڑے لٹکے تھے۔۔۔ٹوٹے جالی کے دروازے اور کونوں میں لگا کاٹھ کباڑ صاف پتا دیتا تھا کہ یہاں چھڑے رہتے ہیں۔۔۔زین اپنی موٹی موٹی آنکھیں ان بالکونیوں پر جمائے سوچنے لگا کہ وہ کون سے نمبر کے فلور پر رہے گا۔۔۔پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تیسرے فلور پر بنے داہنی طرف والے فلیٹ میں رہ لے گا، وہاں سے باہر پارک بہت اچھے سے دکھتا ہے۔۔۔اور وہاں جو انکل رہتے ہیں ان کو اپنی پاکٹ منی کرائے کے طور پر دے دے گا۔۔۔دن میں سکول اور شام کو وہ کوئی جاب کرے گا جیسے توقیر چاچو کیا کرتے تھے۔۔۔ان کے منہ سے وہ بارہا سن چکا تھا کہ وہ دن میں پڑھائی کیا کرتے تھے اور شام میں جاب پر جایا کرتے تھے لیکن اس نے شوق میں محض یہ یاد رکھا اور یہ بھول گیا کہ اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔۔۔وہ انہی سوچوں میں گم تھا جب اس کے دائیں بائیں دو انیس بیس سال کے لڑکے آ کر دھپ سے بیٹھے۔۔۔اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور چہرے کا رنگ فوراً فق ہوا تھا۔۔۔ان دونوں لڑکوں نے اس کی کیفیت دیکھتے ہی کچھ اندازہ لگایا اور ایک دوسرے کو کوئی اشارہ کیا۔۔۔زین گھبرا گیا تھا اور بیگ لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔۔۔ان میں سے ایک نے اپنے ٹوٹے پھوٹے اور سرخ سے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے اس سے لاپرواہی سے پوچھا۔۔۔

"گھر سے بھاگے ہو نا۔۔۔پیسے بھی چوری کر کے لائے ہو۔۔۔ہیں نا۔۔۔!"

تیر نشانے پر لگا اور زین روہانسا ہوتے ہوئے نفی میں گردن ہلانے لگا۔۔۔وہ دونوں لڑکے گھاگ تھے، معاملے کی تہہ میں اتر گئے اور دوسرے نے زین کو کندھے سے دبوچ کر واپس اپنے اور اپنے ساتھی کے درمیان بٹھایا۔۔۔ایسا کرنے سے ہی زین کے ہواس جواب دے گئے اور وہ بری طرح رونے لگا۔۔۔

"امی ۔۔۔ امی کے پاس جانا ہے ۔۔۔ میرا گھر یہیں ہے ۔۔۔ امی کے پاس جانا ہے ۔۔۔ مجھے جانے دو ۔۔۔!"

موقع کی نزاکت دیکھتے ان لفنگوں میں سے ایک نے غراتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا ۔۔۔

"بند کر آواز ۔۔۔ امی کا لگتا ۔۔۔ گردن اتار کر رکھ دوں گا تیری جو چلایا تو ۔۔۔ ایک تو گھر سے چوری کر کے نکلا ہے اور اوپر سے اکڑ رہا ہے ۔۔۔!"

"میں نے کوئی پیسے چوری نہی کیے ۔۔۔ میری پاکٹ منی کے پیسے ہیں وہ ۔۔۔ امی کے نہی چوری کیے میں نے ۔۔۔!" زین نے یہی سمجھا کہ وہ ان چند نوٹ اور سکوں کے حوالے سے اسے ڈرا رہے ہیں اس لیے خود ہی بتا دیا ۔۔۔ ان دونوں لڑکوں نے مایوسی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ایک نے زین کی گردن پر تھپڑ لگایا ۔۔۔ زین کا مارے خوف کے رونا تک ساکت ہو گیا ۔۔۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے گردن کی پشت پر ہاتھ رکھے نیچے خشک گھاس کو گھور رہا تھا جیسے سر اٹھایا تو نیا سانحہ ہو گا ۔۔۔ اس لڑکے نے زین کو پیچھے سے ہی کالر سے دبوچا اور اپنے منہ کے قریب اس کا سر لاتے ہوئے کہا ۔۔۔

"اب شرافت سے ہمارے ساتھ چل ورنہ تھانے چل ۔۔۔ وہاں پولیس الٹا لٹکا کر مارے گی بیلٹ کے ساتھ اور یہ جو تیری نرم نرم بوٹیوں والا پنڈا ہے نا اسے ادھیڑ کر رکھ دے گی ۔۔۔ کیا بولتا ہے ۔۔۔ چلے گا تھانے ۔۔۔؟"

اور زین کا سر تیزی سے نفی میں ہلنے لگا ۔۔۔ تھانہ، پولیس مار ۔۔۔ یہ تو اس کے ننھے وجود کے لیے بڑی بھیانک چیزیں تھیں ۔۔۔ وہ دونوں لڑکے ایک ساتھ دائیں بائیں سے اس کے کان میں تقریبا گھستے ہوئے بولے ۔۔۔

"تو چل پھر ہمارے ساتھ ۔۔۔ ہمارا بن کے رہ ۔۔۔ عیش کرے گا ۔۔۔ چل شاباش ورنہ ابھی پولیس آئے گی اور گھسیٹتی لے جائے گی ۔۔۔ چل اٹھ جلدی ۔۔۔!"

ان دونوں نے کھڑے ہوتے ہوئے اسے بھی کھینچا تو زین بے جان کپکپاتی ٹانگوں سے کھڑا تو ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے اعصاب جواب دے گئے اور خوف و ہراس کی شدت اتنی سوا ہوئی

کہ اس کی سکول یونیفارم کی پینٹ سیکنڈوں میں گیلی ہوئی تھی۔۔۔مارے بے بسی کے وہ گھٹی گھٹی آواز میں روتا" امی امی" پکارے جا رہا تھا۔۔۔وہ دونوں لڑکے بے دریغ ہنسے اور اسے دھکیلتے باری باری مسلسل ہلکے سخت ہاتھوں سے تھپڑ مارتے ساتھ لے جا رہے تھے۔۔۔وہ نو سالہ بچہ اپنی زندگی کے بھیانک ترین تجربے سے گزر رہا تھا اور اس کے گھر میں کسی کو خبر بھی نا تھی۔۔۔!

☆.......☆.......☆

خضر لال بھبوکا چہرہ لیے گھر میں داخل ہوا تھا۔۔۔بیگ بدلحاظی سے برآمدے میں رکھی کرسی پر اچھال دیا تھا۔۔۔سعدیہ حسب معمول اپنے لاڈلے کے لیے پانی کا گلاس تھامے باہر ہی نکل آئی۔۔۔نگاہوں نے بیٹے کے تپے چہرے کی بلائیں لیں اور اگلی نظر لاشعوری طور پر زین کے تعاقب میں گئی تھی لیکن زین وہاں نہی تھا۔۔۔خضر نے پانی کا گلاس تھام کر ایک ہی سانس میں غٹا غٹ چڑھایا تھا اور سعدیہ کے بے دھیانی میں پھیلے ہاتھ پر واپس رکھتا فوں فاں کرتا اندر چلا تھا جب سعدیہ کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔۔۔

"خضر۔۔۔زین کہاں ہے۔۔۔؟"

دنیا ادھر سے ادھر ہو جاتی لیکن وہ جانتی تھی کہ زین کو جو کام اس نے سپرد کر رکھا ہے وہ اس سے کبھی نظر نہی چراتا اور آج خضر اپنا بیگ خود اٹھائے گھر آیا تھا، یہ اتنے سالوں میں پہلی بار تھا۔۔۔ایک فطری پریشانی نے خوف کی صورت اس کے معدے سے دل تک کا سفر طے کیا۔۔۔

"مجھے نہی پتا کہاں ہے۔۔۔اور گھر آ لینے دیں اسے امی۔۔۔میں چھوڑوں گا نہی۔۔۔خود آیا ہوں اٹھا کے بیگ میں۔۔۔مجھے تو لگا آج میرا انتظار کیے بغیر گھر آ گیا ہے وہ۔۔۔!"

"کیا بکواس کر رہے ہو خضر۔۔۔گھر کیسے آ سکتا ہے وہ۔۔۔کتنے آرام سے کہہ رہے ہو گھر آ گیا ہو گا۔۔۔پہلے کبھی آیا ہے کیا۔۔۔؟ تم نے بس اسٹاپ پر دیکھا تھا سارا اچھے سے۔۔۔؟"

سعدیہ کو اس کے لاپرواہ لہجے نے یکدم کھولا دیا حالانکہ یہ لہجہ اس کے اپنے رویے کی لچک کی دین تھا۔۔۔اس نے دونوں شانوں سے خضر کو تھام کر سوال کیا تھا۔۔۔خضر پہلی بار ماں کو خود سے اس طرح

بات کرتے دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔۔۔

”میں نے دیکھا تھا امی۔۔۔لیکن وہ وہاں آیا ہی نہی۔۔۔وہاں جو بچے کھیل رہے ہوتے ہیں نا جھگیوں والے، وہ ان کے ساتھ کھیلتا ہوتا ہے۔۔میں نے ان سے پوچھا تھا تو کہنے لگے آج زین آیا ہی نہی۔۔۔!“ خضر نے مدھم آواز میں قدرے ناراضی سی جواب دیا۔۔۔سعدیہ کے پیروں سے زمین کھسک گئی تھی۔۔۔ایسا تو کبھی نہی ہوا تھا۔۔۔زین کبھی بھی لاپرواہ بچہ نہی رہا تھا۔۔۔اس کا سر بڑی طرح چکرانے لگا تھا۔۔۔اس کا بچہ، اس کا زین گھر نہی آیا تھا تو کہاں گیا تھا۔۔۔؟ وہ بڑی طرح کانپتی وہیں برآمدے کے فرش پر دھپ سے بیٹھ گئی۔۔۔۔

”امی۔۔۔امی کیا ہوا ہے۔۔۔آجاتا ہے۔۔۔کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔۔۔ایسے کیوں بیٹھ گئی ہیں۔۔۔آجاتا ہے ابھی۔۔۔!“

خضر ماں کی حالت سے گھبرا گیا تھا۔۔۔اس طرح تو اس نے ماں کو زین کے لیے پریشان ہوتے کبھی نہی دیکھا تھا۔۔۔اسے ہرگز اچھا نہی لگ رہا تھا لیکن وہ ماں کی حالت کے پیش نظر ٹوک بھی نہی پایا۔۔۔سعدیہ کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو گرنے لگے۔۔۔۔بھلے سے کیسی ہی تفریق پال رکھی ہو لیکن ماں تو تھی۔۔۔زین اس کے وجود کا حصہ تو تھا۔۔۔اندر دل کو جیسے پچھوکے لگ رہے تھے۔۔۔بہت دور سے جیسے آوازیں سی اٹھ رہی تھیں۔۔۔” وہ بدظن ہو گیا ہے۔۔۔وہ اکیلا ہو گیا تھا۔۔۔اسے ہمارے رویے نے گھر سے بھگا ڈالا۔۔۔اس کے ساتھ جو زیادتی ہوتی رہی انجام آ گیا سامنے۔۔۔“

اور ان اندرونی پچھوکوں سے گھبرا کر اس نے اونچا اونچا رونا شروع کر دیا۔۔۔۔

”ہائے میرا زین۔۔۔میرا بچہ۔۔۔ہائے میرا چاند۔۔۔زین۔۔۔زین کدھر گیا۔۔۔زین۔۔۔یا اللہ میں کہاں ڈھونڈوں گی اسے۔۔۔یا اللہ۔۔۔!“

اور خضر کو کچھ سمجھ نہیں آیا تو اندر بھاگا تا کہ باپ کو کال کر کے ساری صورتحال بتا سکے۔۔۔وہیں سعدیہ برآمدے کے فرش سے اٹھنے کی کوشش میں دھڑام سے گری اور بے ہوش ہو گئی۔۔۔!

☆......☆......☆

گندا فرش، جگہ جگہ بچھے ٹاٹ اور ان سے اٹھتے بدبو کے بھبھکے۔۔۔ارد گرد پھیلا بکھرا کچرا اور جگہ جگہ گرا پانی۔۔۔یہ حالت اس جھگی نما کمرے کی تھی جہاں زین صبح سے بیٹھا تھا۔۔۔خوف سے تھر تھر کانپتا زین ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔۔۔یوں لگتا تھا جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔۔۔چھوٹی سی عقل اور چھوٹی چھوٹی کاوشیں آج اسے کہاں لے آئیں تھیں۔۔۔ہونٹ سوکھ کر ڈنٹھل بن گئے تھے اور زبان چھال کی طرح خشک۔۔۔وہ دونوں لڑکے اسے یہاں لے کر آئے تھے۔۔۔راستے میں اپنے گندے کپڑوں کی شرمندگی اور ڈر نے اسے روبوٹ بنا دیا۔۔۔وہ پتھرائے تاثرات کے ساتھ ان دونوں کے بیچ چلتا رہا تھا یہاں تک کہ دوبارہ رش والی جگہوں سے گزرے لیکن زین میں کسی کو مدد کے لیے پکارنے کی جرات نا رہی تھی۔۔۔یہاں لا کر اسے اس گندی سی جھگی میں بٹھا دیا تھا جہاں پھیلی بدبو نے اس کا دم الٹا دیا لیکن وہ بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔۔۔ان میں سے ایک لڑکے نے اسے دھکا دے کر فرش پر پھینکا اور بولا۔۔۔

"یہاں بیٹھ غلیظ۔۔۔کپڑے نکال کر رکھ اپنے بستے سے۔۔۔کچھ دیر میں آتا ہوں تو تجھے بتاتا ہوں کہاں چل کر بدلنے ہیں۔۔۔ہلیو نا ادھر سے جب تک ہم واپس نا آجائیں۔۔۔اگر ہلا تو پولیس کی مار سے تجھے تیرا باپ بھی نا بچا پائے گا۔۔۔سمجھا۔۔۔؟"

"باپ بچائے گا کیا خاک۔۔۔اگر اسے پتا چلا نا کہ یہ گھر سے پیسے چوری کر کے نکلا ہے تو وہ خود اسے تھانے چھوڑ آئے گا۔۔۔لتر مارتا ہوا۔۔۔!"

اور زین نے یقین کر لیا کہ ابو واقعی اسے مارتے ہوئے پولیس کو دے دیں گے۔۔۔امی بھی اس سے منہ پھیر لیں گی کیونکہ سب اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں تو یہ اچھا موقع ہوگا۔۔۔اس سوچ کے آتے ہی اس کے کب کے جمے آنسو پانی بن کر بہنے لگے۔۔۔اس سب کے باوجود امی کی یاد پہلے سے زیادہ شدت سے آنا شروع ہوئی۔۔۔

"رو لے رو لے۔۔۔کیوں کہ استاد آگیا نا تو وہ رونے نہی دے گا۔۔۔رونے والے بچوں کی وہ ہڈی ہتھوڑا مار مار کے توڑتا ہے۔۔۔تیری بھی توڑے گا۔۔۔ابھی رو لے جتنا رونا ہے۔۔۔!"

یہ کہہ کر وہ دونوں باہر نکل گئے تھے اور زین ماں کو پکارتا زاروزار روتا رہا۔۔۔

"یا اللہ امی سے ملا دیں۔۔۔ایک بار۔۔۔اب میں تنگ نہی کروں گا۔۔۔ہر کہنا مانوں گا۔۔۔سب کچھ خضر کو دے دوں گا۔۔۔ایک بار امی کے پاس لے جائیں۔۔۔اللہ جی۔۔۔پلیز۔۔۔زویا یاد آرہی ہے۔۔۔زویا روئے گی میرے بغیر اللہ جی۔۔۔اس کے لیے مجھے لے جائیں گھر۔۔۔ابو مجھے ڈھونڈلیں بس ایک بار۔۔۔!"

وہ دعائیں کرتا نڈھال ہو رہا تھا۔۔۔اور اگلے تین گھنٹے وہ اسی حال میں بیٹھا رہا تھا یہاں تک کہ نا وہ دونوں لڑکے واپس اندر آئے اور نا اس نے اٹھ کر باہر جھانکنے کی کوشش کی۔۔۔وہ کمرے کی گندگی دیکھ کر اپنا گھر یاد کر رہا تھا جو امی نے شیشے کی مانند چمکایا ہوتا تھا اور اپنی گیلی پینٹ کی حالت اسے خود سے ہی گھن کھانے پر مجبور کر رہی تھی۔۔۔گھر ہوتا تو امی نے دو تھپڑ مار کر اب تک نہلا دھلا کر صاف کر دیا ہوتا۔۔۔ماں سے دوری نے ماں کی مار بھی عزیز کر دی تھی۔۔۔وہ ڈبڈبائی آنکھیں لیے گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گیا۔۔۔!

☆.......☆.......☆

سعدیہ کو ہوش میں آئے کافی دیر بیت گئی تھی۔۔۔خضر نے اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق پانی کے چھینٹے مارے تھے۔۔۔وہ بھی بچہ تھا گھبرا کر رونے لگا تھا۔۔۔اچھا یہ ہوا تھا کہ زویا کو سعدیہ اس وقت تک کھانا کھلا کر سلا دیتی تھی ورنہ وہ ماں کو اس طرح دیکھتی تو ایک نئی مصیبت ہو جاتی۔۔۔خضر نے باپ اور چاچو دونوں کو کال کر دی تھی۔۔۔اکبر نے بھی پریشانی کے عالم میں توقیر کو فوری طور پر حرکت میں آنے کی درخواست کی تھی اور توقیر چاچو جلد از جلد گھر پہنچے تھے۔۔۔خضر سے ساری صورتحال جاننے کے بعد وہ زین کی تلاش میں نکل گئے تھے۔۔۔سعدیہ وہیں برآمدے میں بیٹھی رہی تھی۔۔۔اسے یقین نہی آرہا تھا کہ یہ سانحہ اس کے ساتھ بیت رہا تھا۔۔۔اس کا اپنا بچہ لاپتا ہو گیا تھا۔۔۔وہ اس کے پاس نہی تھا اور کہاں تھا ،کب سے تھا، وہ بلکل نہی جانتی تھی۔۔۔نا جانے صبح سے اس پر کیا بیت گئی تھی۔۔۔کہیں اغوا نا ہو گیا ہو۔۔۔کہیں کوئی اسے اب تک شہر سے دور نا لے گیا ہو۔۔۔کیسی کیسی اذیت ناک سوچیں اسے کند چھری

بن کر کاٹ رہی تھیں۔۔۔اکبر کو کال کر کر کے ناک میں دم کر دیا تھا لیکن وہ دوسرے شہر بیٹھے سوائے وقتی تسلی دلاسے کے کیا کر سکتے تھے۔۔۔وہاں سے نکلنے میں انہیں مزید آدھا گھنٹہ درکار تھا اسی لیے توقیر کو انہوں نے بھگایا تھا۔۔۔لیکن سعدیہ کو پل پل ڈس رہا تھا۔۔۔خضر کو بھوک لگی تھی اور اس نے دبے لفظوں میں ماں سے کھانا بھی مانگا تھا لیکن سعدیہ نے برآمدے سے نا ملنے کی قسم کھا رکھی تھی۔۔۔وہ خستہ حال سی پھسکڑا مارے بیٹھی سینے پہ بند مٹھی رکھے غیر مرئی نقطے کو گھورتی ہوئی رو رہی تھی۔۔۔یہ بات خضر کے لیے اچنبھے سے زیادہ طیش کا باعث بن رہی تھی۔۔۔اسے تو ماں پر حیرت ہو رہی تھی جو ہر وقت زین کو کہا کرتی تھی "اللہ جانے جان کیوں نہیں چھوٹتی تم سے۔۔۔پتا نہیں کس گھڑی کا عذاب بن کر نازل ہوئے ہو مجھ پہ۔۔۔میرا کوئی گناہ ہے جو تمہارے جیسی نافرمان اولاد مل گئی۔۔۔جاؤ دفع ہو جاؤ جان چھوڑ دو میری۔۔۔!"

وہ تمام جملے جو سعدیہ غصے کی حالت میں زین کو کہا کرتی تھی، خضر کو ازبر تھے اور وہ انہیں سنجیدگی سے لیتا تھا اور دل میں سوچا کرتا تھا کہ ماں زین سے بہت تنگ ہے اور واقعی چاہتی ہے کہ اس سے جان چھوٹ جائے تو اب جب کہ وہ گم گیا ہے تو شکر کیوں نہیں کرتیں۔۔۔اچھا ہے نا، نا وہ آئے گا نا ہم سب کو پریشان کرے گا۔۔۔کاش ماں باپ ایسی باتیں کرتے وقت یہ سوچ لیں کہ بچے کی ذہنی سطح آپ کے جتنی نہیں ہے، وہ آپ کی بددعا کو سادے کلمات نہیں سمجھے گا بلکہ انہیں من و عن دل پر لے گا۔۔۔وہ یہ نہیں سوچے گا کہ بھلا ماں بھی کبھی بددعا دیتی ہے۔۔۔بلکہ یہ سوچے گا کہ ماں نے بددعا دے دی ہے۔۔۔ماں اس سے بیزاری کا اظہار کر چکی ہے۔۔۔وہ ماں کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔۔۔بچے پیدا کرنے سے پالنا مشکل ہوتا ہے، ہر ہر بچے کی نفسیات، احساسات، جذبات سب کو ٹھیس لگنے سے بچانا ہوتا ہے۔۔۔اولاد کی پرورش ایک دھاری تلوار ہے۔۔۔جس کی کاٹ پر ماں باپ کو خود چلنا ہوتا ہے ورنہ وہ اولاد کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔۔۔!

زین سوچتا تھا کہ وہ کسی کے لیے ضروری نہیں اس کا ہونا نا ہونا برابر ہے اور خضر سوچتا تھا کہ وہ ماں کے لیے سب سے ضروری ہے جبکہ زین کا ہونا نا ہونا برابر ہے۔۔۔رویوں کی ابتری نے آج سعدیہ کو یہ دن دکھایا تھا کہ وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔۔۔توقیر کے پاس موبائل تھا لیکن سعدیہ کے

پاس گھر پر نہی ہوتا تھا۔۔اس کی ضرورت کے لیے لینڈ لائین ہی کافی ہوتی تھی لیکن وہ کال کرنے کے لیے بھی اندر نہی جانا چاہ رہی تھی بس یہیں بیٹھے بیٹھے اللہ سے اپنے بچے کی سلامتی دعا مانگ رہی تھی۔۔۔خضر خود ہی اندر سے کچھ کھا کر واپس ماں کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا اور ماں کی غیر توجہی پر افسوس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔کچھ پل دیکھتے رہنے کے بعد بھی جب ماں نے اس کی جانب توجہ نا دی تو وہ منہ پھلا کر جانے لگا، تبھی دروازے پر بیل ہوئی تھی۔۔۔سعدیہ بجلی کی تیزی سے اٹھی تھی اور دروازے تک پہنچی تھی۔۔۔کنڈا کھولنے سے پہلے اس نے پوری شدت سے دعا مانگی تھی کہ اسے زین کے بارے میں اچھی خبر سننے کو مل جائے۔۔۔لیکن جب اس نے دروازہ کھولا تو اس کا سانس جہاں کا تہاں تھم گیا تھا۔۔۔سامنے زین بدحال سا مٹی اور کیچڑ میں لتھڑا اس کے سامنے تھا۔۔۔خضر بھی ماں کے پیچھے کھڑا اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ مر کر زندہ ہو آیا ہو۔۔۔سعدیہ نے اپنی بے یقینی کا چولا اتار پھینکا اور ایک جھٹکے سے زین کو اندر کھینچ کر دروازہ بند کیا اور سینے میں بھینچ لیا۔۔۔وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔۔۔آوازیں سن کر زویا بھی آنکھیں ملتی باہر نکل آئی تھی اور ماں کو یوں زین کو لپٹائے روتا دیکھ وہ بھی حلق پھاڑنے لگی۔۔۔خضر نے جب سب کو یوں روتا دیکھا تو وہ بھی بے اختیار رونے لگا۔۔۔لیکن سعدیہ بے خبر تھی کہ اس کی بانہوں میں آتے ہی زین کبھی کا بے ہوش ہو چکا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

شام میں کہیں جا کر جب اسے ہوش آیا تھا تو کمرے میں نیم اندھیرا تھا اور وہ اپنے بستر پر تھا۔۔۔اس نے بغور کمرے کی چھت اور دیواروں کو دیکھا اور جب یقین ہو گیا کہ وہ واقعی اپنے کمرے میں ہے تو تشکر کے احساس سے لبریز اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔۔۔اس نے اپنے اوپر پڑی ہلکی پھلکی سی سفید چادر کو ہٹا کر اندر جھانکا، جہاں اس کا لباس بھی تبدیل ہو چکا تھا اور وہ بلکل صاف ستھرا بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔۔۔اس کی گیلی گندی پینٹ اور مٹی سے اٹی شرٹ اور پسینے اور مٹی سے اٹے بال سب ہی کچھ صاف تھا اور اس کے وجود سے بھینی بھینی خوشبو بھی اٹھ رہی تھی۔۔۔ایک بار پھر ماں کے ان دیکھے احسان نے اسے رلا دیا۔۔۔اسے سارے دن میں گزرے واقعات یاد آنے لگے۔۔۔ایک مکمل دن اس کی مکمل نو

سالہ زندگی کا سانحہ بن گیا تھا۔۔۔وہ جس خوف اور ڈر کے سمندر کو پار کر کے آیا تھا اس کا مقابلہ کوئی چوٹ اور کوئی دکھ نہیں کر سکتا تھا۔۔۔نیند دماغ سے چھٹنا شروع ہوئی تو دوپہر کا منظر بلکتک نگاہوں کے سامنے بھاگنے لگا۔۔۔!

اس نے گھٹنوں سے سر اٹھایا تھا اور اپنے سکول بیگ کو گھسیٹ کر اپنے پاس کیا تھا جس میں اس کی کل پونجی تھی۔۔۔اپنی پاکٹ منی یاد آئی تو فورا بیگ کھول کر جیومیٹری باکس نکالا اور پیسے چیک کیے۔۔۔اس کی وہ مختصر سی رقم وہیں کی وہیں موجود تھی جس سے اسے دنیا تسخیر کرنی تھی۔۔۔بیگ بند کر کے وہ اپنے گندے کپڑوں سے کراہت کھاتے ہوئے کھڑا ہوا اور متجسس سا کانپتی ٹانگوں سے جھگی کے پھٹے پردے تک گیا جو داخلی دروازے کے طور استعمال ہوتا تھا۔۔۔ذرا سی جھری بنا کر اس نے باہر جھانکنے کی کوشش کی تو دونوں لڑکوں کو وہیں پایا۔۔۔ان میں سے ایک سگریٹ منہ میں دبائے مستی سے آنکھیں بند کیے کش پہ کش لیے جا رہا تھا جبکہ دوسرا غلیل نما چیز ہاتھ میں تھامے پتھروں سے نشانہ باندھ رہا تھا اور اس کا نشانہ کمال تھا۔۔۔غلیل والے نے دوسرے کو بیزار کن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔۔۔

"بس کر دے گوگی۔۔۔چوتھا سگریٹ ہے تیرا۔۔۔رات تو ہونے دے۔۔۔ابھی سے ہی نشہ چڑھ گیا نا تو استاد آ کر کھال نکال دے گا تیری۔۔۔!"

"نہیں نکالے گا۔۔۔استاد کے لیے جو مال ہم آج لائے ہیں اسے دیکھ کر وہ دو سگریٹ پلے سے دے گا مجھے دیکھ لیئو۔۔۔!"

گوگی نے آنکھیں چندی کر کے گھماتے ہوئے کہا۔۔۔

"ویسے کیا خیال ہے تیرا گوگی۔۔۔استاد اس چھوکرے کو کس کام پر ڈالے گا۔۔۔شکل سے منگتا نہیں لگتا یہ لونڈا۔۔۔کسی اچھے گھر کا لگتا ہے۔۔۔!"

"تو نا لگے شکل سے۔۔۔شکل بگاڑنی کون سا مشکل ہے اپنے استاد کے لیے۔۔۔ایک آنکھ پھوڑ دے گا یا ایک ٹانگ توڑ دے گا تو کام بنا لے گا اپنا۔۔۔یہ کون سی بڑی بات ہے جانی۔۔۔!"

"ہاں یہ تو صحیح کہہ رہا ہے تو۔۔۔لیکن اس بار شہر ضرور بدلے گا وہ۔۔۔پچھلی بار جو بچہ اٹھایا تھا نا اس

کے پچھلے پہنچ گئے تھے ٹھکانے پر۔۔۔ یہ بچہ شکل سے ہی جھڈو لگتا ہے،ذرا سا دبکا دیا تو جگہ سے بھی نہی ہلے گا یہ،اس لیے دو چار دن تو سکون سے نیا ٹھکانہ تلاش کر سکتے ہیں ہم۔۔۔!"

"ویسے میرا خیال ہے کہ استاد اس بچے کے ناک کان کاٹ دے تو بہتر ہے۔۔۔روز کی ہزار دو کی دیہاڑی آرام سے لگ جایا کرے گی اس کی۔۔۔کیونکہ شکل بگڑ جائے تو پہچاننا آسان نہی ہوتا۔۔۔!"

سگریٹ کالمبا کش لگا کر گوگی نے قہقہہ لگایا تو اس کے ساتھ دوسرا بھی شامل ہو گیا۔۔۔زین کی رہی سہی ہمت بھی جواب دینے کو تھی۔۔۔اس نے اپنے ہونٹوں کو دونوں ہاتھوں سے دبا لیا تھا کیونکہ اسے لگ رہا تھا وہ چیخنے والا ہے۔۔۔دل میں اللہ کو ایک بار پھر پوری شدت سے اس نے پکار کر بے ربط الفاظ میں دعا کی تھی۔۔۔وہ چھوٹا بچہ تھا،لفاظی نہی جانتا تھا،لفظوں کی بنت نہی کر سکتا تھا لیکن دل میں موجود خوف اور احساسات کو الفاظ کی ضرورت نہی ہوتی۔۔۔وہ تو بنا رکاوٹ وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں سے عرش والے کی قدرت کام دکھاتی ہے۔۔۔وہ بھی ایسے ہی دعا مانگنے لگا۔۔۔روتے ہوئے سسکتے ہوئے اپنے بیگ کو سینے سے لپٹا کر بے دھیانی میں اس کی پاکٹس میں ہاتھ مار رہا تھا۔۔۔ایک میں پھر دوسری میں اور جب اس نے ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک درمیانے سائز کی قینچی تھی۔۔۔وہ سوچنے لگا تھا کہ یہ قینچی اس کے پاس کہاں سے آئی تھی۔۔۔اسے یاد آیا کہ پرسوں شام کو وہ ہوم ورک کر رہا تھا،

زویا اس کے پاس یہ قینچی اور گڈی کاغذ لائی تھی کہ وہ اسے پھول کاٹ دے۔۔۔اس نے کاٹ کر قینچی بیگ کی سائیڈ پاکٹ میں رکھ لی تھی کہ کہیں زویا نقصان نا کر دے۔۔۔اور وہ قینچی غیبی مدد بن کر اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔۔۔وہ کچھ لمحے غائب دماغی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے اٹھ کر جھگی کے کپڑے کو چیک کیا۔۔۔وہ تمبو قنات والا کپڑا تھا اور پرانا ہونے کی وجہ سے خستہ بھی تھا۔۔۔زین نے بنا آواز کیے جھگی کی عقبی جانب سے نیچے بیٹھ کر قینچی سے ہولے ہولے اسے کاٹنا شروع کیا۔۔۔وہ کوشش کرتا رہا اور وہاں سے کپڑا کٹ گیا۔۔۔اتنا کٹ گیا کہ وہ آرام سے باہر نکل پاتا۔۔۔اس نے اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکالا اور پھر خود پہلے ٹانگیں باہر کیں۔۔۔جس وقت وہ سر نکالنے ہی والا تھا،باہر سے ایک لڑکا اندر داخل ہوا اور اسے بھاگتا دیکھ کر چلایا۔۔۔

" اوئے گوگی۔۔۔لونڈا بھاگ رہا ہے۔۔۔اوئے دوسری سائڈ سے پکڑ اوئے اسے۔۔۔بھاگ۔۔۔۔!"

اور خود اسی جانب سے زین کی طرف لپکا۔۔۔زین نے سرعت سے باہر نکل کر بیگ کندھوں پر ڈالا اور ایک جانب دوڑ لگا دی۔۔۔۔سمت، رخ، جگہ۔۔۔وہ کسی چیز سے واقف نہیں تھا سوائے اس کے کہ اسے بنا رکے، بنا پیچھے مڑے بھاگنا ہے۔۔۔وہ بھاگتا جا رہا تھا۔۔۔اس کے کندھوں پر بیگ کا بوجھ بہت زیادہ تھا لیکن پھر بھی وہ بھاگتا رہا۔۔۔اس کی ٹانگیں بے جان سی ہونے کے باوجود اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔۔۔پیچھے آنے والوں کا خوف اس کے پورے وجود کو تھرتھرائے دے رہا تھا لیکن وہ بھاگ رہا تھا۔۔۔امی کا چہرہ سامنے آ آ کر جیسے ہمت دلا رہا تھا۔۔۔وہ بھاگتا رہا یہاں تک کہ کھلی سڑک کے کنارے پہنچ گیا تھا۔۔۔اسے نہیں معلوم تھا کہ آگے کہاں جانا ہے کیونکہ جس وقت وہ دونوں لڑکے اسے ہانکتے ہوئے یہاں تک لائے تھے وہ اس قدر بدحواس تھا کہ راستہ ازبر کرنے کی ہوش ہی نہیں تھی۔۔۔وہ دونوں اس کے پیچھے بھاگے آ رہے تھے۔۔۔زین نے ایک بار پھر آنکھیں میچ کر دعا کی کہ اللہ اسے بچا لے اور سڑک کراس کرنے لگا۔۔۔اسی وقت اچانک پوری سپیڈ سے آتی گاڑی کے بریک چرچرائے اور زین دبک کر بیچ سڑک کے کھڑا ہو گیا۔۔۔گاڑی سے آدمی نکل کر زین کی جانب بڑھا اور پیچھے وہ دونوں لڑکے زین کی اور لپکنے ہی والے تھے۔۔۔اسی پل بے اختیار زین کے منہ سے اس آدمی کو دیکھ کر نکلا تھا۔۔۔

" چاچو۔۔۔چاچو مجھے بچائیں۔۔۔انہوں نے مجھے اغوا کر لیا تھا۔۔۔مجھے بچائیں چاچو۔۔۔۔!"

تعاقب کرتے دونوں لڑکے ٹھٹک کر وہیں رک گئے اور گاڑی والا آدمی یکدم پوری صورتحال بھانپ گیا۔۔۔دل میں خوف خدا تھا اس لیے آگے بڑھ کر زین کو بازو سے تھاما اور اپنے پیچھے کر لیا۔۔۔

" آؤ آگے بے غیرتو۔۔۔ابھی بتاتا ہوں تم دونوں کو۔۔۔میرے بھتیجے کو تم لوگوں نے اغواء کیا تھا۔۔۔پولیس رپورٹ لکھوا دی ہے، تھوڑی دیر میں پولیس پہنچ جائے گی۔۔۔تم لوگوں کو ساری عمر جیل کی چکی پسواؤں گا میں۔۔۔آؤ آگے۔۔۔!"

اور اس آدمی کے حلیے اور پراعتماد لہجے سے دب کر وہ دونوں سرپٹ واپس بھاگے تھے۔۔۔

زین نے جب انہیں بھاگتا دیکھا تو خود بھی منہ اٹھا کر بھاگنے کو پر تولنے والا تھا لیکن گاڑی والے شخص نے فوراً اسے بازو سے دبوچ لیا۔۔

"کہاں بھاگ رہے ہو بیٹا۔۔۔وہ لوگ پھر تمہارے پیچھے آ گئے تو۔۔۔؟ گھبراؤ نہیں...... مجھے بتاؤ کہاں رہتے ہو، میں چھوڑ دیتا ہوں۔۔۔ڈرو نہیں۔۔۔ بولو۔۔۔!"

زین کی آنکھوں میں بے اعتباری اور الجھن ایک ساتھ دکھائی رہا تھا پھر بھی اس نے اعتبار کرنے کو ترجیح دی تھی۔۔۔وہ کہاں تھا واقعی نہیں جانتا تھا اور اگر یہ انکل بھی چلے جائیں گے تو میں کس طرف جاؤں گا۔۔۔چھوٹا سا حساب کتاب دل میں کر کے وہ اس آدمی کے ہمراہ ہو لیا۔۔۔اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے زین جھجک رہا تھا کیونکہ اس کے کپڑے سخت گندے ہو رہے تھے۔۔۔اس کے باوجود اس آدمی نے بنا ماتھے پہ شکن ڈالے اسے بیٹھنے کو کہا تھا۔۔زین نے راستے میں اپنے گھر کے ارد گرد کی عمارات اور قریبی ترین مارکیٹ کی حتی الوسع معلومات فراہم کی تھیں جن کی بنیاد پر وہ بھلا آدمی اسے اس کے گھر کے باہر اتار گیا تھا۔۔۔دروازہ کھلتے ہی زین کے بلا جھجک اندر داخل ہونے پر وہ شخص تسلی سے واپس ہو لیا تھا۔۔۔لیکن زین سارے دن کی اعصاب شکن تکلیف کے بعد ماں کی بانہوں میں آتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔۔۔اور اب جب ہوش آیا تھا تو وہ اپنے گھر میں اپنے کمرے اور بستر پر صاف ستھرے لباس میں لیٹا تھا۔۔۔امی کے بازوؤں کا لمس اسے ابھی بھی اپنے گرد محسوس ہو رہا تھا۔۔۔اس نے دیکھا تھا کہ بے ہوش ہونے سے پہلے امی کے ہونٹ اس کے ماتھے پر تھے اور امی نے اس کے گندے کپڑوں کی پرواہ کیے بنا اسے لپٹا لیا تھا۔۔۔

" امی مجھ سے پیار کرتی ہیں۔۔۔یعنی یہ میری سگی امی ہی ہیں۔۔۔امی میرے لیے رو رہی تھیں۔۔۔وہ دکھی تھیں۔۔۔اگر میں واپس نا آتا تو وہ روتی رہتیں۔۔۔!"

اس کی تان اس بات پر ٹوٹی تھی کہ امی کے سوتیلے پن کا جو مفروضہ اس کے دماغ میں قائم تھا وہ تمام ہو گیا تھا۔۔۔اسکا دل جو زبردستی اسے امی ابو کو سوتیلا ماننے پر آمادہ کیا کرتا تھا، آج شانت ہو گیا تھا۔۔۔اسے پھر سے نیند آنے لگی تھی۔۔۔وہ کروٹ بدل کر دوبارہ سونے لگا۔۔۔نیند میں اترنے سے پہلے آخری خیال جو اس

کے دل و دماغ میں راسخ ہوا تھا وہ یہی تھا کہ آئندہ چاہے امی اسے پیار کریں یا نا کریں، خضر اس کی ہر چیز لے لے لیکن وہ گھر سے کبھی نہی بھاگے گا کیونکہ گھر سے بڑھ کر محفوظ پناہ گاہ پوری دنیا میں کہیں نہی تھی۔۔۔!

☆......☆......☆

اگلے کچھ دن اس کے کافی اچھے گزرے تھے۔۔۔امی نے اس کا بہت خیال رکھا تھا۔۔اسے محبت بھری ڈانٹ کے ساتھ سمجھایا تھا۔۔۔خضر البتہ خاموشی سے منہ پھیر کر گزر جاتا تھا۔۔۔دادی اور توقیر چاچو نے بھی اسے ساتھ لپٹا کر ڈانٹا تھا۔۔۔ابو اسی رات کو آ کر واپس لوٹ گئے تھے لیکن خاص اس کے لیے کھانے پینے کا سامان دلوا کر گئے تھے۔۔۔اس کے روم روم میں سکون اتر گیا تھا لیکن محض چند دن۔۔۔!

چند دن کے بعد سب کچھ پرانی روٹین پر آتا چلا گیا۔۔۔وہ کون سا عادی نہی تھا جو حیران ہوتا لیکن ہر بار کی طرح وہ اس بار بھی اداس ہوا تھا۔۔۔چار دن کی شاہی ملی تھی اسے اور پھر اسے دستار واپس خضر کے سر پر سجانی پڑی تھی۔۔۔خضر نے امی سے رو رو کے خوب گلے شکوے کیے جس سے سعدیہ کو احساس ہوا کہ وہ زین کے دھیان لگ کے خضر کو فراموش ہی کر گئی تھی اور اس کا ازالہ کرنے کے لیے اس نے خضر کو پھپھولا بنا کے لاڈ اٹھانے شروع کر دیے۔۔۔زین نے اتنے بڑے حادثے سے گزرنے کے بعد سوچ لیا تھا کہ وہ اب امی کے رویے کی وجہ سے روئے گا نہی، دکھی نہی ہو گا اور نا ہی اپنا اور خضر کا مقابلہ کرے گا۔۔۔اس نے شعوری اور لاشعوری طور پر خضر کو خود سے برتر مان لیا تھا اور "خضر فرسٹ" کو گھر کا اہم فرمان مان لیا تھا۔۔۔اس سے یہ ہوا تھا کہ پہلے جو کسی بھی نئی چیز کے گھر آنے پر وہ بھی خضر کے ساتھ دوڑ لگا دیا کرتا تھا اور پہلے آئیے پہلے پائیے کے مصداق ہاتھ بڑھا دیا کرتا تھا، تو وہ اس نے یکسر چھوڑ دیا۔۔۔اب وہ "خضر پہلے آئے پہلے پائے" کو ذہن میں رکھتے ہوئے سکون سے بیٹھا اپنا کام کرتا رہتا۔۔۔کچھ اس کے لائق ہوتا تو اسے مل جاتا ورنہ وہ اب تجسس بھی نہی کرتا تھا۔۔۔اس تجسس نے ہی اسے وہ بھیانک دن دکھایا تھا اور اس دن کا تصور ڈراؤنا خواب بن کر اسے ستاتا تھا۔۔۔نو سالہ زین نے اپنے اندر خود ہی تبدیلی لانے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ تبدیلی تھی بنا جنگ کے ہار مان لینے کی۔۔۔پسپا رہنے کی۔۔!

☆......☆......☆

وقت گزرتے گزرتے اسے بھی بہت ساری سیکھ دے گیا تھا۔۔۔وہ اپنی ذات کے خول میں بند رہ کر باقی رہ گیا تھا ورنہ آزردگی اور کڑھن کے تغیر اسے کبھی کا فنا کر چکے ہوتے۔۔۔۔دادی چلی گئیں لیکن جاتے جاتے اس پر چھپ چھپا کے بہت سی محبتیں نچھاور کر گئیں۔۔۔اس کی ذات کی ان کہی گتھیاں سلجھا گئیں۔۔۔اس کے اندر کی بغاوت کا رخ موڑنے میں ان کا کلیدی کردار رہا۔۔۔وہ مکمل نا سہی لیکن اتنا ضرور سنبھلا رہا کہ دوبارہ کبھی بھی کیسے بھی حالات میں اس نے انتہائی قدم اٹھانے کا نہیں سوچا تھا۔۔۔وہ اب دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔۔۔کلاس کے اچھے اور سلجھے بچوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔۔۔وہ غیر معمولی ذہین نہیں تھا لیکن کوئی اور ایکٹیویٹی نا ہونے کی وجہ سے وہ چونکہ پڑھتا رہتا تھا اس لیے اچھے نمبرز سے کامیاب بھی ہو جاتا تھا۔۔۔دوسری جانب خضر، جسے اب فرسٹ ائیر میں ہونا چاہیے تھا، اپنی نالائقی اور نااہلی کی وجہ سے اس کے ساتھ میٹرک کی تیاری کر رہا تھا۔۔۔جس با کمال سکول میں سعدیہ نے داخل کروایا تھا کہ لاڈلا بیٹا کمال دکھائے گا وہاں سے اسے نکالا گیا تھا۔۔۔پوری ٹرم میں اس نے صفر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا اور سکول کی طرف سے دو بار وارننگ ملی تھی کہ اگر خضر نے سیکنڈ ٹرم میں رزلٹ نا دکھایا تو اسکا داخلہ نہیں بھیجا جائے گا۔۔۔وہ سیکنڈ ٹرم کلیر نہیں کر سکا تھا اور اوپر سے اپنی فی میل کلاس میٹس کو ہراساں کرتا پایا گیا تھا، سکول انتظامیہ فوراً حرکت میں آئی اور اسے نکال دیا گیا۔۔سعدیہ کو معلوم ہوا تو گنگ ہی رہ گئیں۔۔۔جس بیٹے سے انہیں توقع تھی کہ نام روشن کرے گا اس نے ذلیل کروا کے رکھ دیا تھا۔۔۔پورے خاندان میں خضر کی بے باکی اور بدتمیزی کے چرچے تھے لیکن سعدیہ نے دوبارہ کمر کس لی تھی بیٹے کے دفاع کے لیے۔۔۔سوئے اتفاق زین اس سکول میں نہیں تھا ورنہ وہ لازماً خضر کی کرتوتوں کی مالا اس کے گلے میں ڈال کر خضر کو بری کروا دیتیں۔۔۔سعدیہ اور اکبر کے پاس کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ خضر کو دوبارہ اسی پیلی گورنمنٹ سکول میں ڈال دیا جائے، جہاں زین اب بھی زیر تعلیم تھا۔۔۔زین کو معلوم ہوا تو دل مسوس کر رہ گیا۔۔۔خضر کے واپس اسی سکول میں آنے کا مطلب تھا کہ جو چھے سات گھنٹے سکون کے گزرتے تھے، ان سے ہاتھ جھاڑ لے۔۔۔وہ اب بھی اس کے ساتھ ویسا ہی تھا جیسا اسے پروان چڑھایا گیا تھا۔۔۔دھونس جمانے والا، خود غرض اور مفاد پرست۔۔۔ابھی تک تو زین

کی سکول سے واپسی پر ڈیوٹی تھی کہ وہ خضر کا بیگ ڈھوتے ہوئے گھر تک آتا تھا اب سکول میں رہتے خدا جانے کیا کچھ اس کے سر پر پڑنے والا تھا۔۔۔خضر کے بیشتر نوٹس وہ ہی بنا کے دیتا تھا تا کہ وہ خود سکون سے پڑھائی کر سکے۔۔۔ٹیوشن کے باوجود سعدیہ نے زین پر خضر کا اضافی بوجھ ڈال رکھا تھا۔۔اسے اعتراض نہیں تھا کیونکہ اسی بہانے وہ بھی دہرائی کر لیتا تھا لیکن خضر نے اس کی ہر کاوش کو حق سمجھ کر وصولا تھا۔۔میٹرک میں آجانے کے باوجود اس کا کوئی دوست نہیں تھا تو یہ کمال بھی خضر کا تھا۔۔محلے میں دوست وہ بننے نہیں دیتا تھا اور سکول کی دوستیاں جیسے ہی گھر تک پہنچتیں، خضر ایسا رخنہ ڈالتا کہ اگلے دن وہ لڑکا زین کو سکول میں پہچاننے سے بھی انکار کر دیتا۔۔اس کے بعد سے زین نے کسی سے دوستی کرنے کی کوشش ہی ترک کر دی تھی۔۔۔کبھی جو کوئی لڑکا دلچسپی لیتا تو زین اسے سکول تک ہی محدود رکھتا تھا۔۔یوں وہ سکول میں ایک لیے دیے رہنے والا مزاج دار لڑکا مشہور تھا۔۔وہ اب اتنا چھوٹا نہیں تھا کہ گھر کے کونے میں گھس کے ان باتوں پر آنسو بہائے لیکن اسے اپنے اندر کے اکیلے پن کو جھیلنے میں اب بھی خاصی محنت کرنی پڑتی تھی۔۔وہ ایک دوست اور ایک خیر خواہ کی کمی ہمیشہ شدت سے محسوس کرتا تھا۔۔!

☆......☆......☆

خضر نے زین ہی کے سیکشن میں اپنا ایڈمیشن کروایا تھا۔۔سعدیہ بھی ایسا ہی چاہتی تھیں تا کہ زین خضر کا خیال رکھ سکے۔۔۔جبکہ زین کی مرضی یہ نہیں تھی لیکن وہ بے بس تھا۔۔اسے آنے والے دنوں کا نقشہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔۔پہلے دن جب وہ دونوں کلاس میں ایک ساتھ بیگز لیے داخل ہوئے تو خضر نے سب سے پہلے اس کی سیٹ پر قبضہ جمایا تھا۔۔۔

"میں یہاں بیٹھوں گا۔۔تم پیچھے والی پر چلے جاؤ۔۔۔!" وہ لاپرواہی سے ببل چباتا بولا۔۔۔یہ اسمبلی سے کچھ دیر پہلے کا وقت تھا اور بچے کلاس میں بیگز رکھ کے گراؤنڈ میں جمع ہو رہے تھے۔

"میں یہاں ہی بیٹھتا ہوں شروع سے۔۔۔پیچھے والی خرم کی ہے وہ نہیں چھوڑے گا۔۔بلکہ یہ پوری رو ہی فکس ہے۔۔۔کوئی بھی نہیں دے گا اپنی سیٹ۔۔۔!"

"تو سب سے پچھلی پر چلے جاؤ۔۔۔وہ بیسٹ ہے تمہارے لیے۔۔۔!"

مزید بحث کا فائدہ نہی تھا اس لیے وہ خاموشی سے سب سے پچھلی سیٹ پر چلا گیا تھا۔۔۔اسے نظر کی کمزوری کا ایشو تھا۔۔۔ماں سے بہت بار کہا تھا لیکن وہ سر میں تیل کا مساج کرنے کو کہہ دیتیں۔۔۔اب جب اتنی دور بیٹھنا پڑ رہا تھا تو وہ بلیک بورڈ کی دھندلاہٹ صاف محسوس کر رہا تھا۔۔۔وہ آنے والے دنوں کو ابھی سے دیکھ رہا تھا جب کلاس میں وہ خضر کے ہاتوں زلیل ہونے والا تھا۔۔۔محض دوسرے سے تیسرے پریڈ تک آتے آتے خضر کی ساری کلاس سے جان پہچان ہو چکی تھی اور جب سب کو یہ معلوم ہوا کہ وہ زین کا بھائی ہے تو ہر کوئی ایک بار ضرور اسے سر سے پیر تک دیکھتا تھا۔۔۔زین لمبی سانس بھر کر بلاوجہ کتاب میں منہ دے لیتا۔۔۔خضر چرب زبان تھا۔۔۔وہ جب بولتا تھا تو بنا سر پیر کی باتوں کے بھی وہ سب کو باندھنے کا ہنر جانتا تھا اور دوسرا اس کی فطری دھونس اور زبردستی کی عادت کی بنا پر وہ خود کو دوسروں پر مسلط کیے رکھنے پر یقین رکھتا تھا۔۔۔ٹیچرز بھی ایک ہی دن میں اس سے اچھے سے متعارف ہو گئے تھے۔۔۔پورا دن کلاس میں اس کی باتوں کی اور قہقہوں کی گونج رہی اور چھٹی ہونے تک خضر دوستوں کا گروپ بنانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔۔۔زین واپسی پر اپنے بیگ کے ساتھ جب اس کا بیگ اٹھائے اس کے پیچھے چل رہا تھا تو ارد گرد سب کی مضحکہ خیز نگاہیں خود پر محسوس کر کے اس نے پہلی بار سوچا تھا کہ وہ بھی خضر کی طرح کیوں نہی بن جاتا۔۔۔وہ کب تک یہ بیگار اٹھائے گا۔۔۔وہ کب تک خضر کا "چھوٹا" بن کر زندگی گزارے گا۔۔۔؟

گرتی ہوئی دیوار کو سہارا مل جائے تو اسے کوئی گرا نہی سکتا لیکن اگر بنتی ہوئی دیوار کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر دی جائے تو اس میں رخنے پڑ جاتے ہیں اور وہ رخنے اس کی آئندہ توڑ پھوڑ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔۔۔بچوں کی شخصیت بھی ایسی ہی ہوتی ہے وہ جب بن رہی ہوتی ہے تو ماں باپ کے، رشتے داروں کے تفریقی رویے اس میں رخنے پیدا کر دیتے ہیں اور یہیں سے بچے کی اندرونی توڑ پھوڑ شروع ہوتی ہے۔۔۔جو کبھی کبھار تمام عمر مرمت نہی ہو پاتی۔۔۔!

☆......☆......☆

زویا کی سالگرہ تھی اور اکبر صاحب نے سعدیہ کی فرمائش پر گھر کی رینوویشن کروائی تھی۔۔۔گھر

کے پچھلی طرف کافی جگہ خالی تھی وہاں سعدیہ کی خواہش پر تین کمرے بنوائے گئے اور کچن کی بھی از سرنو مرمت کروادی۔۔۔امریکن سٹائل کچن سعدیہ کا دیرینہ خواب تھا۔۔۔کچن میں ت※وڑی توسیع کر کے کیبنیٹس، شیلفیں، ماربل کا فرش ہر ہر چیز سعدیہ کی پسند اور مرضی کی بنوادی تھی۔۔۔سعدیہ نے سالگرہ کی آڑ میں گھر کی تزئین و آرائش کی داد سمیٹنے کا بہانہ بنایا تھا اور اچھی خاصی دعوت رکھ لی تھی۔۔۔باہر لان میں سارا انتظام تھا۔۔۔اکبر صاحب اپنی نگرانی میں کھانا تیار کروا رہے تھے۔۔۔سعدیہ نے میکے اور سسرال تقریباً سبھی کو بلایا تھا۔۔۔ایک بڑی گیٹ ٹو گیدر ہونے والی تھی۔۔۔زین اپنے کمرے کی لائٹس آف کیے کھڑکی سے سارا منظر دیکھ رہا تھا۔۔۔یہ دادی کا کمرا تھا جو ان کے انتقال کے بعد سے اس کے زیر استعمال تھا۔۔۔خضر نے الگ کمرے کی مانگ کی تو سعدیہ نے دادی کی زندگی میں ہی اسے ان کے کمرے میں شفٹ کر دیا تھا۔۔۔اندھے کو دو آنکھوں کے مصداق زین کو اور کیا چاہیے تھا۔۔۔دادی کا کمرا اس کے لیے سب سے تسکین آمیز پناہ گاہ تھی۔۔۔ایسے میں جب وہ رہنے آجاتیں تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے۔۔۔یہی وہ تمام عرصہ تھا جو دادی نے اس کے اندر کی محرومیوں اور تلخیوں کا رخ موڑ دیا۔۔۔اس کے اندر جلتے خودسری کے بھانبڑ پر اپنی شفقت کے چھینٹے ڈال کر اس کی سوچوں کو مثبت رخ دیا۔۔۔ورنہ ایک وقت میں وہ اپنے آپ کو اس قدر فالتو پرزہ سمجھنے لگا تھا کہ بلیڈ لے کر اپنی کلائیوں پر چھوٹے چھوٹے زخم لگاتا، یہ سوچ کر کہ ایک دن بڑا اور سب سے گہرا لگانے کی ہمت ایسے ہی پیدا ہو جائے گی۔۔۔پھر ایک دن دادی نے اس کی کلائیاں دیکھ لیں۔۔۔انہوں نے اسے ڈانٹا یا لتاڑا نہیں بلکہ وہ اس کی زخمی سوچوں کا مرہم بن گئیں۔۔۔وہ اس کے لیے ناصح استاد اور راہبر بن گئیں۔۔۔آخری کچھ عرصہ سعدیہ کی بیزاری کے باوجود دادی نے یہیں گزارا اور اس کے اندر صبر اور حوصلے کا بیج بویا، اسے پانی دیا اور جب ننھی ننھی کونپلیں پھوٹنے لگیں تو وہ چل دیں۔۔۔لیکن اتنا کام وہ مکمل کر گئیں تھیں کہ زین اب ان کونپلوں کی آبیاری کرنے پر مجبور ہوتا نا کہ انہیں مرجھانے دیتا۔۔۔وہی صبر وہی برداشت اگلے دو سال اسے سنبھالے رہے ورنہ خضر اور امی کے رویے کے علاوہ رشتے داروں کا رویہ اسے جینے نا دیتا۔۔۔!

ماں باپ جب رشتے داروں کے آگے اپنے ہی بچے کے عیب کھولتے ہیں تو یاد رکھیں کہ وہ ان کے منہ کھول رہے ہیں۔۔۔ان رشتے داروں کو آپ سے زیادہ آپ کا بچہ خراب لگنے لگتا ہے۔۔۔وہ ہمدردی میں اس کی اصلاح نہی کرتے بلکہ ان کے چھپے طنز اور چبھتے جملے بچے کو برباد کرتے ہیں۔۔۔زین کی بھی اپنے خاندان میں کسی سے نہی بنتی تھی۔۔۔کزنز اسے بےکار سمجھتے تھے اور ان کے ماں باپ اسے بدلحاظ اور ایسا اس وجہ سے تھا کیونکہ اسے اس کے گھر والوں نے ایسا ہی ثابت کر رکھا تھا۔۔اس کی ماں نے ہر آئے گئے کے سامنے اس کی برائی ہی کی تھی۔۔۔

" زین تو میری ایک نہی سنتا۔۔۔"۔۔۔" اکبر تو بہت پریشان ہیں اس کی طرف سے۔۔۔"۔۔۔ پتا نہی کیا بنے گا اس لڑکے کا۔۔۔" ایک میرا اخضر بھی تو ہے، کبھی شکایت کا موقع نہی دیا۔۔۔" اس بچے نے تو بچپن میں ہی دن میں تارے دکھا دیے ہیں۔۔۔خدا جانے بڑا ہو کر کیا کرے گا۔۔۔"!

یہ اور ایسے کئی جملے زین کو ازبر تھے کیونکہ یہ ایک تواتر سے سب کے سامنے کہے جاتے تھے۔۔۔دوسری جانب یہی فریضہ خضر کزنز میں بیٹھ کر بخوبی ادا کرتا تھا۔۔سب کزنز اسے ساتھ کھلانے اور بات کرنے کے قابل نہی سمجھتے تھے کیونکہ وہ چیٹر تھا، وہ ہار برداشت نہی کر سکتا تھا۔۔۔وہ ایگریسیو ہو کر پنچ دے مارتا تھا۔۔۔"!

ایک ماموں اور خالہ کو زین سے خدا واسطے کا بیر تھا کیونکہ وہ انہیں زہر لگا کرتا تھا۔۔۔زین نے ان کا کچھ بگاڑا نہی تھا لیکن ان کی ماں نے بہت کچھ بگاڑا تھا۔۔۔سعدیہ کا جب میکے میں زور چلا تو اس نے چھوٹے بہن بھائیوں کو اس قدر زچ کیے رکھا تھا کہ وہ اس کی مرضی کے بنا سانس تک نہی لیتے تھے۔۔۔جب جب بڑے ہوتے گئے تو بہن پر زور نا چل سکا لیکن اس کی اولاد پر غصہ نکالنے کی بھرپور کوشش کیے رکھی۔۔۔خضر دب نا سکا کیونکہ اس کے ساتھ ایسا ویسا کچھ کرنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کی بات تھی۔۔سب جانتے تھے کہ وہ سعدیہ کی کمزوری ہے لیکن زین کو کسی نے بخشا نہی۔۔۔سعدیہ اکثر بازار جاتے ہوئے بچوں کو نانی کے ہاں چھوڑ دیتی۔۔۔ماموں کو موقع مل جاتا اور وہ اسے چھت والے واشروم میں بند کر دیتے جہاں گھپ اندھیرا ہوتا کیونکہ روشندان نہی تھا۔۔۔زین بلکتا روتا لیکن

سننے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔۔۔ماموں مزہ پورا کر لیتے تو اسے باہر نکال دیتے اور جی بھر کر ہنستے۔۔۔خالہ آتے جاتے اسے کمر میں، بازو میں چٹکیاں بھرتی۔۔۔ناخن چبھو ڈالتی۔۔۔اس نے ایک آدھ بار ماں کو بتایا تو ماں نے کھینچ کر منہ پر تھپڑ دے مارا اور ڈپٹ کر بولی۔۔۔"سب کو تم ہی سے مسئلہ ہوتا ہے زین۔۔۔خضر اور زویا کو تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔۔۔وہ اس لیے کہ تم ہی بدتمیز ہو۔۔۔" دوبارہ کبھی زین نے شکایت نہیں کی بس برداشت کرتا رہا حتی کہ وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ اس نے ننھیال جانے سے صاف منع کرنا شروع کر دیا۔۔۔یوں رفتہ رفتہ وہ سب سے کٹ کر رہ گیا۔۔۔کسی بھی قسم کی گیٹ ٹو گیدر اسے عجیب طرح کی بیزاری میں مبتلا کر دیتی تھی۔۔۔وہ پوری کوشش کرتا کہ پڑھنے کے بہانے جان چھڑا لے لیکن پہلے تو یہ ممکن ہو جاتا تھا پر اب جبکہ اکبر صاحب یہاں آ گئے تھے، وہ شعوری طور پر اس کا نوٹس رکھنے لگے تھے۔۔۔زیادہ دیر اسے اکیلا نہیں رہنے دیتے تھے۔۔۔انہوں نے گھر میں اس کے ساتھ روا رویے میں بہت سی خرابیاں دیکھی تھیں لیکن بنیاد سے بگڑی عمارت وہ کیسے درست کر سکتے تھے بس اتنا تھا کہ مزید اس کے ساتھ غلط ہوتا دیکھ کر روکنے ٹوکنے لگے تھے۔۔۔زین کو شکایت کی عادت عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی۔۔۔کیونکہ شکایت سننے والا تھا ہی کون، اس لیے وہ منہ سے کچھ نہیں کہتا تھا۔۔۔مگر اکبر صاحب کے اندر ملامت نے جنم لے لیا تھا جسے سعدیہ کبھی پچکار کر تو کبھی اکڑ کر سلانے کی پوری کوشش کرتی تھیں۔۔۔اب یہ سب کچھ اچانک سے ٹھیک نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اکبر صاحب رفتہ رفتہ اس معاملے کو ہاتھ میں لینا چاہ رہے تھے۔۔۔

آج بھی انہوں نے زین کو سختی سے تنبیہہ کی تھی کہ وہ مہمانوں سے پہلے لان میں آ کر ان کے ساتھ کھانے کا انتظام دیکھے گا۔۔۔وہ اسے اپنے ساتھ انوالو کرنا چاہتے تھے۔۔۔لیکن وہ بجھے دل سے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتا رہا۔۔۔مہمان آنا شروع ہو چکے تھے اور اسے گھبراہٹ بھی محسوس ہو رہی تھی پھر بھی باہر تو جانا ہی تھا، اس لیے ہمت جمع کرتا وہ چلا آیا۔۔۔سعدیہ اور زویا مہمانوں میں چہکتی پھر رہی تھیں۔۔۔زویا اسے دیکھ کر اس کے پاس لپک کر آئی اور لیٹ باہر آنے پر ناراض ہونے لگی۔۔۔وہ محبت سے اس کا گال سہلا کر بنظر غائر باپ کو ڈھونڈ رہا تھا۔۔۔ایک جانب خاندان کی بزرگ خواتین بیٹھی

تھیں وہ ان سے مل کر پیچھے کہیں اکیلے گوشے میں کوئی کرسی ڈھونڈ رہا تھا۔۔۔تبھی دائیں جانب سے قہقہوں کا طوفان بلند ہوا۔۔۔اس نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی تو سبھی کزنز کے گھیرے میں دلہا بنا خضر اپنے بنا سر پیر کے لطیفوں پر سب کو زبردستی ہنسوا رہا تھا۔۔۔یہ وصف بھی اسی کو آتا تھا۔۔۔زین سر جھٹکتا ایک خالی کرسی کی جانب بڑھا۔۔۔کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو سارے میں پھیلی تھی لیکن ابھی لگا نہی تھا۔۔۔زویا کی پالتو بلی اس کے قدموں میں آ کر لوٹ پوٹ ہونے لگی۔۔۔اس نے جھک کر اسے اٹھانا چاہا تو وہ پیچھے باڑھ میں گھس گئی۔۔۔ساری باڑھ کو برقی قمقموں سے ڈھانپا گیا تھا۔۔۔یہ بھی سعدیہ کی خصوصی فرمائش تھی ورنہ اکبر صاحب اس طرح کے تام جھام کو پسند نہی کرتے تھے۔۔۔سعدیہ نے چونکہ دعوت گھر کی خوشی میں بھی رکھی تھی لہذا اسے بجوانا لازمی امر تھا۔۔۔زین بلی کو پکڑنے کے لیے باڑھ کی جانب بڑھا کیونکہ وہاں تاریں تھیں اور اسے فکر ہوئی کہ وہ ان سے الجھ نا جائے۔۔۔وہ ہاتھوں سے باڑھ ہٹاتا وہیں گم ہو گیا۔۔۔ارد گرد پھیلا شور اور ہنسنے بولنے کی آوازیں سب اس کے کانوں میں مدغم ہو رہی تھیں۔۔۔ہاتھ باڑھ کو ٹٹول رہے تھے، ذہن باہری ماحول کو۔۔۔! تبھی اکبر صاحب کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔۔۔وہ کسی سے اسی کے متعلق پوچھ رہے تھے۔۔۔اس نے مسکرا کر ہاتھ باڑھ میں بلی کی جانب بڑھائے اور سر واپس موڑ کر باپ کی آواز سننے لگا۔۔۔ایک زوردار اسپارک ہوا اور زین کی چیخ سب کو دہلا گئی۔۔۔سپارک کی وجہ سے بریکر ٹرپ کر گیا اور لائیٹ آف ہو گئی پھر بھی اکبر صاحب نے اس جانب دوڑ لگا دی جہاں سے آواز آئی تھی۔۔۔زین وہاں بے سدھ باڑھ میں پھنسا ہوا تھا۔۔۔اکبر صاحب نے اسے کھینچ کر باہر نکالا اور کندھے پر ڈال کر گاڑی کی طرف دوڑ لگا دی۔۔۔توقیر چاچو کے بریکر آن کرنے سے لائیٹ آ گئی تھی۔۔۔سب کے چہروں پر ہراس اور پریشانی پھیلی تھی۔۔۔وہ سب کو تسلی دیتے بڑے بھائی کے ساتھ گاڑی میں جا بیٹھے۔۔۔پچھلی سیٹ پر لیٹے زین کا سر اپنی گود میں رکھ کر انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا اور بے اختیار آنکھیں بھر آئیں۔۔۔وہ دل میں اس کی سلامتی کی دعا مانگتے ہاسپٹل روانہ ہو گئے۔۔۔!

☆......☆......☆

کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔۔۔وہ بیڈ پر چت لیٹا تھا۔۔کمرے کی دائیں جانب، اس کے بیڈ کے سامنے دیوار گیر الماریاں تھیں جس کے ساتھ پانچ بائے پانچ فٹ کا ڈریسنگ کارنر تھا۔۔جب دادی زندہ تھیں تو وہاں ان کا جائے نماز بچھا رہا کرتا تھا۔۔۔زین نے سٹور روم سے پرانی راکنگ چیئر نکلوا کر وہاں رکھ لی تھی۔۔۔وہ وہاں بیٹھ کر سکون سے پڑھائی کیا کرتا تھا اور کمرے میں داخل ہونے والے کو یکدم دکھائی بھی نہیں دیتا تھا۔۔۔یہ کونہ اس کی مزاج سے مطابقت رکھتا تھا۔۔۔اکبر صاحب نڈھال سے اسی کرسی پر بیٹھے تھے اور ساکت نگاہوں سے زین کے ستے چہرے کو تک رہے تھے۔۔۔وہ خطرناک حد تک زرد دکھ رہا تھا۔۔۔بجلی کا شدید جھٹکا لگا تھا اسے۔۔۔خدا جانے باڑھ میں بچھی تاروں میں سے کون سی ننگی تھی جس پر اس کا ہاتھ پڑا تھا۔۔۔ڈاکٹر نے انہیں کہا تھا کہ "اللہ کا شکر ادا کریں، اس نے جان بخش دی آپ کے بچے کی ورنہ بڑا شدید کرنٹ لگا ہے اسے۔۔۔گھر پر ہی اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہو کر دوبارہ چل پڑی تھیں، اگر نا چلتیں تو ہم بھی لاچار تھے۔۔۔" اور ان کے جسم کا سارا خون ان دو جملوں نے جیسے نچوڑ لیا تھا۔۔۔اس لمحے انہیں ہسپتال کے بیڈ پر لیٹے پانچ فٹ نو انچ کے لمبے سے اور پتلے سے اپنے بیٹے کو دیکھ کر احساس ہوا کہ وہ کتنا قیمتی تھا ان کے لیے۔۔۔کتنا بڑا ہو گیا تھا وہ اور انہیں خبر بھی نا ہوئی تھی۔۔۔اور اگر آج وہ ان کے ہاتھ سے کھو جاتا تو۔۔؟ اس کے آگے کا سوچ کر ہی ان کے کندھے شل ہونے لگے تھے۔۔۔وہ جیسے تیسے توقیر چاچو کے ساتھ اسے گھر لے آئے تھے اور واپس آ کر انہیں حیرانی کا ایک اور شدید جھٹکا لگا تھا۔۔۔سعدیہ سب مہمانوں کو کھانا کھلا کر رخصت کر چکی تھی بس اس کے میکے میں سے چند افراد اور توقیر کی فیملی وہیں بیٹھی تھی۔۔۔سعدیہ پریشان تھی، زین کو دیکھ کر اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان پھیلا تھا اور کمرے میں لا کر لٹانے تک وہ زین کے بال محبت اور احتیاط سے سنوارتی رہی تھی۔۔۔اکبر صاحب نے نیم غنودہ زین کو کمبل اوڑھا کر ان سے دبے لہجے میں پوچھا تھا۔۔۔

"گھر میں اتنا بڑا حادثہ ہو گیا اور تمہیں کھانا کھلانا یاد رہ گیا سعدیہ۔۔۔اللہ نے جوان بچے کی جان بخشی کی ہے۔۔۔تمہیں اندازہ ہے کچھ۔۔؟"

"اکبر حوصلہ رکھیں۔۔۔اللہ نے کرم کر دیا، یہ کیا کم ہے۔۔۔اور مجھ سے زیادہ کیا آپ کو پرواہ ہو گی

بچوں کی۔۔۔ماں میں ہوں، آپ نہی۔۔۔ویسے بھی توقیر کی ہاسپٹل سے کال آنے کے بعد میں نے سب کو کھانا کھلایا تھا۔۔۔اب کیا اتنا کھانا برباد ہونے دیتے۔۔۔مہمان بھی آخر اتنا وقت نکال کر خالی منہ واپس جانے کے لیے تو نہیں آئے تھے نا۔۔۔!"

سعدیہ انہیں موقع دیے بنا کہتی چلی گئیں۔۔۔برا منانے میں وہ لمحہ نہی لگاتی تھیں۔۔۔ایسے ہی تو نہیں خاندان بھر میں تھانیدارنی کے نام سے مشہور تھیں۔۔۔اکبر صاحب نے انہیں حیرت و اچنبھے سے دیکھا اور لاجواب ہوتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولے۔۔۔

"بہتر ہوگا کہ سب مہمانوں کو واپس بھیجو جلدی۔۔۔اور آکر زین کے پاس رہو۔۔۔کچھ دھیان اور محبت اس کے لیے بھی نکال لو دل کے کسی کونے سے۔۔۔!"

"اللہ جانے کس کی پٹیاں پڑھ آئے ہیں جو یوں ہی اول فول بولے جا رہے ہیں۔۔۔" سعدیہ کا اشارہ توقیر کی جانب تھا۔۔اکبر صاحب بخوبی سمجھتے تھے لیکن خاموش رہے اور تسلی سے زین کا کمبل درست کرنے لگے۔۔۔

"کچھ وقت لگے گا سب کو بھیجنے میں۔۔۔آخر سب اسی کے انتظار میں رکے ہوئے تھے۔۔۔یوں ہی تو نہیں منہ اٹھا کے کہہ سکتی کہ نکلو شاباش اب گھروں کو سارے۔۔۔ہونہہ۔۔۔ایک تو ساری خوشی ملیامیٹ ہوگئی اوپر سے باتیں بھی سنو۔۔۔آتی ہوں کچھ دیر میں۔۔۔!"

وہ بکتی جھکتی دروازہ بند کرتی نکل گئیں اور اکبر صاحب متاسف سے لائٹس آف کرتے اسی کونے میں پڑی راکنگ چیئر پر جا بیٹھے اور زین پر نگاہیں جمائے اسے بغور دیکھنے لگے۔۔۔جس کا زرد چہرہ سائیڈ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں بے حد کمزور اور زرد تھا۔۔۔پورے کمرے میں یہی واحد روشنی تھی۔۔۔وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے ان پر ہونٹ ٹکائے سوچنے لگے کہ کہاں غلطی ہوئی ہے۔۔۔کدھر لاپرواہی ہوئی ہے۔۔۔زین کی تکلیف سب کے لیے تکلیف کیوں نہی۔۔۔اس کا درد، درد کیوں نہی۔۔۔اس کی حیثیت کیوں نہی۔۔۔وہ کوئی فالتو سامان تو نہی تھا جسے کاٹھ کباڑ میں ڈال دیا جائے کہ جب کبھی ضرورت ہوگی تو شائد استعمال میں آجائے۔۔۔سعدیہ پریشان بھی ہوئی، تکلیف میں بھی تھی لیکن کس

بات کی کمی تھی جو انہیں چونکا رہی تھی۔۔۔!

"ممتا ناپی نہی جا سکتی لیکن اس کا اظہار ضرر تولا جا سکتا ہے۔۔۔کسی کے لیے کم تو کسی کے لیے زیادہ۔۔۔!

سعدیہ کے اظہار میں زین کے لیے وہ گرمی نہی تھی جیسی ہونی چاہیے تھی۔۔۔غلطیاں تھیں اور بہت سی تھیں۔۔۔درستی کے لیے۔بہت پیچھے جانا پڑتا اور وہ کس موڑ سے پکڑتے ان کی تو ہر ہر یاد میں زین کا مغموم اور اداس چہرہ ہی لہرا رہا تھا۔۔۔وہ انہی سوچوں میں گم تھے کہ دروازہ کھول کر سعدیہ کا چھوٹا بھائی سعد اور بہن نوشی اندر داخل ہوئے۔۔۔وہ دونوں سیدھے بیڈ کے پاس آئے اور زین کو بغور دیکھنے لگے۔۔۔

"کیا ہے۔۔۔اچھا بھلا تو ہے۔۔۔کچھ بھی نہی ہوا۔۔۔خوامخواہ سب کی نظروں میں آنے کے لیے کیا ہے اس نے تماشا۔۔۔!" نوشی نے بھائی کو کہنی مارتے دھیمے لیکن متنفر لہجے میں کہا۔۔۔سعد ذرا سا جھکا اور زین کی ٹانگ کو جھنجھوڑا۔۔۔زین بند آنکھوں سے معمولی سا کسمسایا۔سعد سیدھا ہوتے ہوئے استہزائیہ بولا۔

"پھر پر بات پڑ گئی ہے نوشی۔۔۔ورنہ مرنے والا تھا یہ۔۔۔تم سوچ نہی سکتی کس کمال کا کرنٹ لگا ہے اسے۔۔۔اچھا بھلا فنکشن بیڑہ غرق کرا کے رکھ دیا۔۔۔آپا نے پسوڑی میں کھانا کھلا دیا ہے اور اب بندہ اس پچویشن میں ساتھ لے جانے کے لیے مانگتا بھی اچھا نا لگے۔۔۔یہ آپا بھی نا بڑی سخت جان ہے۔۔۔کسی بڑی ظالم مٹی سے بنی ہے۔۔۔ جوان بیٹا مرتے مرتے بچا اور اسے کھانے کی پڑی تھی۔۔۔ویسے مر جاتا نا تو مجھے بڑی خوشی ہوتی۔۔۔"

"مجھے بھی۔۔۔!" نوشی کمینی ہنسی ہنستے تائید میں بولی۔۔۔

"کیا خیال ہے سوئے ہوئے کو جگا نا دوں۔۔۔" سعد نگاہوں سے زین کو ٹٹولتا ہوا بولا۔" میرے تو مکوں، تھپڑوں کا ویسے ہی عادی ہے۔۔۔کافی دنوں سے ڈوز نہی دی۔۔۔"!

"اور میری چٹکیوں کا۔۔۔!" نوشی منہ پر دوپٹہ رکھ کر ہنسی۔۔۔

"اکبر صاحب کا حوصلہ اس سے زیادہ نہی تھا اس لیے وہ ایک جھٹکے سے راکنگ چئیر سے اٹھے

اور ان دونوں کی پشت پر خطرناک انداز میں غراتے ہوئے بولے۔۔۔

”ایک سیکنڈ سے بھی پہلے دفع ہو جاؤ تم دونوں یہاں سے۔۔۔اور آئندہ کبھی بھی مجھے میرے گھر میں دکھائی دیے تو پرخچے اڑا دوں گا تم لوگوں کے۔۔۔کم ذات، کم نسل نکل جاؤ ابھی اسی وقت۔۔۔!“

دونوں نے بہنوئی کو پہلی بار اس قدر غصے میں دیکھا تھا کہ زبان و کلام کا بھی لحاظ نا رہا تھا۔۔۔وہ فق چہرے لیے یوں نکل کر بھاگے کہ کہیں سچ میں پرخچے نا اڑ جائیں۔۔۔ان کے نکلتے ہی اکبر صاحب نڈھال تھکے ہوئے قدموں سے چلتے زین کی پائنتی آ کر بیٹھ گئے اور اس کی پنڈلی پر ہاتھ جما دیے۔۔۔

”مجھے معاف کر دو زین۔۔۔میں تمہارا قصوروار ہوں لیکن وقت نکل گیا ہے ہاتھ سے۔۔۔تمہارا بچپن اور بھروسہ دونوں کھو دیے ہم نے۔۔۔معاف کر دو بیٹا۔۔۔!“

وہ بنا آواز روتے اس سے مخاطب تھے۔۔۔انہوں نے دونوں مٹھیوں میں اپنے سر کے بالوں کو جکڑ لیا۔۔

”سعدیہ۔۔۔سعدیہ۔۔۔یہ ہم نے کیا کر دیا۔۔۔!“ وہ اب بے آواز بیگم سے شکوہ کناں تھے۔۔۔!

☆......☆......☆

اکبر صاحب نے دفتر سے تین دن کی چھٹی لی تھی اور یہ تین دن انہوں نے زین سے قریب ہونے کی سرتوڑ کوشش کر لی تھی لیکن جو خول اس کے اوپر چڑھ چکا تھا اسے تڑخانا بہت مشکل تھا۔۔۔سعدیہ کے ساتھ ان کی سارا وقت ناراضی رہی تھی۔۔۔کمرے سے بھی دونوں کے چیخنے بولنے کی آواز آتی۔۔۔زویا تو سہم جاتی لیکن خضر جارحیت کا مظاہرہ کرتا۔۔۔وہ باپ کے زین کی حمایت میں نکلنے والے لفظ لفظ کو زہر کی طرح پیتا رہا اور یہی زہر وہ باپ کے جانے کے بعد زین پر انڈیلنے والا تھا۔۔۔وہ بھی کیا کرتا، اس نے کب بھلا کم لینا، کم پر شکر کرنا سیکھا تھا۔۔۔اسے ہمیشہ اولیت ملی تھی اور سب کچھ اولین ملا تھا۔۔۔اولاد میں توازن آنے والی پوری نسل کا توازن ہوتا ہے۔۔۔یہ ایک فرد کی خرابی نہی ہوتی بلکہ بسا اوقات موجودہ اور مستقبل میں وابستہ ہونے والے افراد تک یہ خرابی جاتی ہے۔۔۔پیمانے میں اگر

زہر بھرا جائے تو وہ پینے والے کو زہر ہی بن کر لگے گا، تریاق نہیں۔۔۔!

اکبر صاحب مایوس سے واپس جا چکے تھے۔۔۔زین کو اس سے فرق نہیں پڑا تھا کہ وہ اس کی خاطر امی سے بھڑتے رہے کیونکہ امی کا یا خضر کا رویہ ان کے لیے نیا تو نہیں تھا۔۔۔وہ اب سے نہیں ابتدا سے جانتے تھے کہ گھر میں زین کی حیثیت کیا ہے اور ہر کوئی اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔۔۔!

اصل فرق تو یہ پڑا تھا کہ پہلے انہیں سعدیہ کی طرح خضر سے ہی توقعات وابستہ تھیں مگر جوں جوں وقت گزرا، خضر پڑھائی میں تو کوئی کارنامہ سر انجام نا دے سکا اور دیگر سرگرمیوں کی بنا پر بدنامی کا سبب بھی بنا تھا تو اکبر صاحب کو اپنے چھوٹے بیٹے کی خوبیوں کا ادراک ہوا تھا۔۔۔اس کا ایک مخصوص ڈگر پر چلتا تعلیمی ریکارڈ، سکول اور محلے میں اچھی شہرت نے ان کی توجہ کچھ عرصے سے اپنی جانب مبذول کروالی تھی۔۔۔باپ تھے حق رکھتے تھے، حق جتانے کا۔۔۔یہ ایک فطری بات ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کی دہلیز پر کھڑے ہونے والے ہوں تو وہ مستقبل کے لیے اپنی کوئی ایک اولاد چن لیتے ہیں جس پر وہ انحصار کرنے لگتے ہیں۔۔۔اکبر صاحب کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔۔۔زین میں انہیں وہ تمام خوبیاں دکھائی دی تھیں جو وہ خضر میں دیکھنے کے خواہشمند تھے۔۔۔اوپر سے اس کے ساتھ ہوئے حادثے نے انہیں اس کے درد کی جڑ سے آشنا کر دیا تھا۔۔۔وہ چاہتے تھے کہ سعدیہ بھی اب اس بات کو سمجھیں کہ ان کی لاپرواہی نے زین کے اندر کیسی محرومیاں بو دی ہیں۔۔۔وہ گھر میں ایسے رہتا ہے جیسے عارضی ہو۔۔۔محدود ضروریات محدود احتیاجات۔۔۔نا کوئی مانگ نا کوئی طلب۔۔۔!

جیسے گھڑیال کی چڑیا جو گھنٹہ پورا ہونے پر چوں چوں کرنے باہر آتی ہے۔۔۔!

☆......☆......☆

اکبر صاحب کے جانے کے بعد گھر میں سعدیہ کا رویہ زین کے ساتھ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔۔۔وہ اس کا خیال رکھ رہی تھیں۔۔۔اکبر صاحب نے باقاعدگی سے اسے یخنی پلانے کا کہا تھا اور وہ خود بھی ناغہ نہیں کر رہی تھیں لیکن اس سے بات چیت بند کر رکھی تھی۔۔۔زین کو ماں کی ناراضی کی پرواہ ہوتی تھی کیونکہ دادی نے ایک بات اسے گھول کر پلادی تھی کہ ماں باپ کی ناراضی رب کی ناراضی ہے اور وہ ڈرتا تھا۔۔۔اللہ

سے، اس کی ناراضی سے۔۔۔سعدیہ جب کمرے میں اسے دودھ کا گلاس دینے آئیں تو مڑنے پر زین نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔۔۔

"امی ناراض ہیں۔۔۔مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا۔۔۔؟"

"نہی بیٹا۔۔۔غلطی تو مجھ سے ہوئی ہے ہر بات کے لیے قصوروار میں ہی تو ہوں۔۔۔!"

زین نے ماں کو پاس بٹھالیا۔۔۔سعدیہ ناچار بیٹھ تو گئیں پر چہرہ پھیرے بستر کی چادر کی سلوٹیں درست کرتی رہیں۔۔۔زین کو ماں کی اس حرکت پر پیار آگیا۔۔۔وہ ماں کے ہاتھ کی پشت سہلاتا ہوا رسانیت سے بولا۔۔۔

"امی۔۔۔کیا بات ہے۔۔۔مجھ سے بات کیوں نہی کرتیں آپ۔۔۔دیکھیں مجھے نہی پتا کہ آپ کی اور ابو کی کیا بات ہوئی ہے لیکن جو بھی ہوئی ہے اس میں میرا کوئی ہاتھ نہی۔۔۔آپ مجھ سے کیوں ناراض ہو رہی ہیں۔۔۔!"

"مجھے ایک بات بتاؤ زین۔۔۔کب میں نے تمہاری ذمہ داریوں سے منہ موڑا ہے۔۔۔کب تمہارا خیال نہی کیا۔۔۔کب تمہیں وقت پہ ناشتہ کھانا نہی دیا جو تم نے اپنے باپ کو مظلوم بن کر دکھا دیا اور مجھے برا بنا دیا۔۔۔تمہیں کرنٹ لگا تو کیا لگتا ہے میں تکلیف میں نہی تھی کیا۔۔۔تھی۔۔۔بلکل تھی لیکن تمہارے باپ کو تمہارے کس رویے نے یہ احساس دلا دیا کہ مجھے کوئی فرق ہی نہی تھا پڑا۔۔۔ہمم۔۔۔بولو۔۔۔!"

سعدیہ نیم جارحانہ انداز میں اس سے باز پرس کر رہی تھیں اور وہ گم صم سا سن رہا تھا۔۔۔کچھ پل اس نے الفاظ جمع کرنے میں لیے اور تھوک نگل کر گلا صاف کرتا ہوا بولا۔۔۔

"میں ایسا احساس کیوں دلاؤں گا امی۔۔۔آپ مجھ سے بدگمان ہونا کب چھوڑیں گی۔۔۔میری ماں ہیں لیکن مجھے سمجھتی ہی نہی آپ۔۔۔کیا بچپن سے لے کر اب تک کبھی بھی میں نے آپ کی شکایت ابو سے کی ہے جواب کرتا۔۔۔!"

"تم منہ سے کچھ نہی کہتے زین لیکن تمہاری حرکتیں سب واضح کر دیتی ہیں۔۔۔تمہیں کبھی کہنے کی نوبت ہی نہی آتی، بنا کہے ہی ہر کام ہو جاتا ہے تمہارا۔۔۔!"

"کون سا کام ہو جاتا ہے میرا۔۔۔ مجھے بھی تو پتا چلے۔۔۔میں نے کبھی خضر کی طرح ضد یں منوائیں ہیں کیا۔۔۔کبھی حیثیت سے بڑھ کر مانگ کی ہے کیا۔۔۔؟" وہ بے اختیار شکوہ کر گیا تھا حالانکہ دانستہ یہ کام وہ چھوڑ چکا تھا۔۔۔

"خضر۔۔۔خضر۔۔۔" سعدیہ چلا اٹھیں۔۔" آخر کب تک تم بڑے بھائی کے خلاف دل میں زہر پالتے رہو گے زین۔۔۔کب تک۔۔۔وہ تمہاری نفرت سہتے سہتے نیلا ہو چکا ہے۔۔۔تمہارے اندر کی منفیت نے اس پر ایسا اثر ڈالا ہے کہ نا وہ پڑھائی میں کارگردگی دکھا پا رہا ہے نا گھر میں حاضر دماغ رہتا ہے۔۔۔بڑی کوشش کی تھی میں نے کہ میں اس کے اندر مایوسی اور محرومی نا پلنے دوں لیکن نہی۔۔۔وہ میرے جیسی قسمت لے کر پیدا ہوا ہے۔۔۔جس طرح میری حق تلفی میرے بہن بھائی کرتے رہے ویسے ہی اس کی حق تلفی تم کرتے آئے ہو اور آئیندہ بھی کرتے رہو گے کیونکہ تم چاہتے ہی نہی کہ وہ کسی کی نظروں میں ابھر سکے۔۔۔پر ایک بات یاد رکھنا زین جیسے تم میرے بیٹے ہو نا ویسے ہی وہ بھی ہے اگر میں تمہیں نظر انداز نہی کر سکتی تو اسے بھی کبھی نہی کروں گی۔۔۔میں کبھی بھی اس سے محبت کرنا نہی چھوڑ سکتی چاہے سب لاکھ روڑے اٹکائیں۔۔۔اس گھر میں اس کی جگہ اور حیثیت کو میں کسی کو بھی چیلنج کرنے کی اجازت نہی دوں گی۔۔۔سمجھ لو اچھے سے۔۔۔!"

سعدیہ اس کے سامنے انگلی لہرا لہرا کے بولتی بالتی اسے حیران پریشان چھوڑ کر جا چکی تھیں۔۔۔اسے لگ رہا تھا اس کے سامنے اس کی ماں نہی" شریکا" بول کر گیا ہے۔۔۔ایسے کوئی اپنی اولاد سے تو نہی لڑتا بلکہ اپنی اولاد کے لیے شریکوں سے ضرور لڑ پڑتا ہے۔۔۔وہ جانتا تھا کہ خضر اس کی ماں کی لائف لائین ہے لیکن پھر بھی وہ اندر تک دکھی ہو گیا تھا۔۔کیا تھا جو وہ منہ سے اتنے سخت جملے نا کہتیں۔۔۔بھلا وہ کب بے خبر تھا لیکن کہنے اور خاموش سہنے کا فرق نا مٹتا۔۔۔جب وہ اس کھلے امتیاز کو تسلیم کر چکا تھا تو ہر بار جتا کے اس کی زندگی میں مزید اذیت رقم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔وہ آنسو پیتا بے دھیانی میں اپنا انک پین دودھ کے گلاس میں گھما رہا تھا۔۔شفاف سفید دودھ میں نیلاہٹ گھلنے لگی تھی بلکل اس کے وجود کی طرح۔۔۔!

☆......☆......☆

وہ لاسٹ بینچ پر بیٹھا اپنا کام کر رہا تھا جب پرنسپل کسی کے ساتھ کلاس میں داخل ہوئے۔۔۔ پوری کلاس یکدم استقبال کے لیے کھڑی ہوئی اور حسب پروٹوکول "السلام وعلیکم سر" کی آواز پوری کلاس میں گونجی۔۔۔ پرنسپل نے سر کے اشارے سے بیٹھنے کا کہا اور اپنے ساتھ آئے لڑکے کا تعارف کرانے لگے۔۔۔ زین کو وہ لڑکا دیکھا دیکھا سا لگا۔۔۔ وہ اسے بغور دیکھتا پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ پرنسپل کلاس میں موجود ٹیچر سے گفتگو کر رہے تھے اور وہ لڑکا سیدھا چلتا ہوا خضر کے ساتھ والی سیٹ پر جا بیٹھا۔۔ دونوں نے جوش سے اپنے اپنے ہاتھ کے مکے بنا کے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ساتھ ہی زین کو بھی یاد آ گیا کہ وہ کون تھا۔۔۔ خضر کا ایکس کلاس فیلو ارحم جس کی شہرت کبھی بھی اچھی نہیں تھی۔۔۔ اس کی صحبت نے ہی خضر کا بھی ستیاناس کیا تھا۔۔ نا پڑھنے والے بچوں میں شمار ہوتا تھا۔۔ عمر بھی زیادہ تھی۔۔۔ اگر تمیز سے پڑھ رہا ہوتا تو سیکنڈ ایئر میں ہوتا۔۔۔ اب اس سکول میں اسی کلاس میں آنے کا مقصد یقیناً خضر ہی تھا۔۔ زین نے تنفر سے ان دونوں کی پشت کو دیکھا اور وہ دل میں حقیقتاً خضر کے لیے فکرمند بھی ہوا۔۔۔ یہی وہ لڑکا تھا جس نے خضر کو لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کی عادت میں مبتلا کیا تھا۔۔ ایک آدھ بار وہ اس سے مل چکا تھا لیکن سرسری سا۔۔۔ وہ خود دوستی کے معاملے میں بہت احتیاط پسند تھا۔۔ اگر اس کا کوئی دوست بنتا نہیں تھا تو وہ خود بھی بنانے میں پہل نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ آج کل کے لڑکوں میں پائی جانے والی اخلاقی برائیوں سے ناواقف نہیں تھا۔۔۔ ایسی باتوں سے وہ خار کھاتا تھا۔۔ لیکن اس کی قسمت تھی کہ جب جب وہ جس بات سے خار کھاتا تھا وہ حادثہ بن کے اس سے ٹکرا جاتی تھی۔۔۔!

☆......☆......☆

توقیر چاچو کے گھر سب کی دعوت تھی۔۔۔ انہوں نے نیا گھر بنایا تھا۔۔۔ اب تک اس کے سب چاچو ایک ساتھ رہتے تھے لیکن دادی کے انتقال کے بعد سبھی باری باری الگ ہو گئے اور توقیر چاچو بھی کرائے پر چلے گئے۔۔۔ آبائی گھر بیچ کے انہیں جو حصہ ملا تھا اس سے گھر خریدنے کی بجائے کاروبار کو وسعت دی تھی اور اب کام اچھا چل نکلا تھا تو انہوں نے گھر بھی بنوا لیا۔۔ اکبر صاحب شروع سے بھائی کی دانشمندی کے قائل تھے وہ بھی چاہتے تھے کہ اپنے حصے سے کاروبار کر سکتے لیکن سعدیہ کی ضد کے باعث

کافی رقم گھر پر اٹھ گئی تھی اس لیے کاروبار کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔۔۔ ورنہ وہ جاب کی ایک لگی بندھی روٹین سے اکتا گئے تھے۔۔۔ بچوں اور گھر سے دوری نے انہیں بےزار کر دیا تھا۔۔۔ توقیر چاچو کے لیے وہ بہت خوش تھے اور بچوں سمیت ان کے گھر پر مدعو تھے۔۔۔ سعدیہ کی اپنی سسرال سے خاص بنتی نہی تھی اس لیے ہمیشہ کی طرح ذرا لیے دیے انداز میں وہ بھی محفل کا حصہ تھیں۔۔۔ زین کا یہاں بہت دل لگتا تھا۔۔۔ توقیر چاچو کے ہاں اولاد بہت دیر سے ہوئی تھی اس لیے ان کے تینوں بچے کافی چھوٹے تھے۔۔۔ ان تینوں کا فیورٹ کزن زین تھا۔۔۔ زین ان کے ساتھ ساتھ چھت پر خوب کھیلتا تھا۔۔۔ اس وقت بھی وہ چھت پر "اونچ نیچ کا پہاڑ" کھیل رہا تھا۔۔۔ وہی اس کا من پسند کھیل جو وہ اپنے بچپن ست کبھی کھل کر کھیل نہی پایا تھا۔۔۔ کبھی کسی نے کھلایا نہیں تو کبھی کھیلنے کے لیے ساتھی نا ملے۔۔۔ اور اب اپنے تین چھوٹے چھوٹے کزنز کے ساتھ وہ کبھی اونچائی پر چڑھتا تو کبھی نیچائی پر اترتا خوب ہنس رہا تھا۔۔۔

"اونچ نیچ کا پہاڑ
بچے موتیوں کا ہار
مالک دیکھ رہا ہے
کتا بھونک رہا ہے
دیکھتے ہیں سب سے
پہلے کون پکتا ہے۔۔۔!

زین ایک اونچی ٹوٹی ہوئی کرسی پر جا کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ بچے ہنستے چیختے خوب شور مچا رہے تھے۔۔۔ تبھی خضر چھت کا دروازہ کھولتا انہیں تضحیک آمیز نگاہوں سے دیکھتا آتا دکھائی دیا۔۔۔ زین کے اندر بےچینی نے سر ابھارا۔۔۔ وہ یقیناً کھیل خراب کرنے آیا تھا۔۔۔

"تم نا ڈنگر کے ڈنگر ہی رہنا۔۔۔ کبھی کوئی مردوں والا کھیل بھی کھیل لو۔۔۔ یا مرد بننا پسند ہی نہی تمہیں۔۔۔!" وہ جاہلوں کی طرح بل چبا رہا تھا۔۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالتا زین کے قریب آ کر بولا۔۔۔ تینوں بچے بھی کھیل روک کے زین کے پاس آ گئے تھے۔۔۔ وہ خضر کو پسند نہی کرتے تھے۔۔۔

"تم ہو نامرد۔۔۔تم ہی رہو۔۔۔مجھے بچہ ہی رہنے دو۔۔۔اور پلیز بچوں کے سامنے تمیز سے بات کرو یا پھر جاؤ یہاں سے۔۔۔!"

زین کا ایسا کہنا قیامت ہو گیا۔۔خضر نے اسے کالر سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔۔۔

"واہ بھئی واہ۔۔کتا بھونک رہا ہے۔۔۔منہ توڑ دوں گا جو منہ لگے تو۔۔۔اور فکر نا کرو اب بچے نہی رہو گے۔۔۔ارحم نے تمہیں بڑا بنانے کا شاندار پلان بنایا ہے۔۔۔ہاہاہاہا۔۔۔!"

وہ ہنسا تھا، بہت بھدا۔۔۔زین نے اسے نا سمجھی سے دیکھتے ہوئے کالر چھڑایا اور پوچھا۔۔۔

"کھل کر بات کیا کرو خضر۔۔۔مجھے پہیلیاں نہی آتیں۔۔۔اور ارحم جیسے لڑکے کا تذکرہ بھی میں پسند نہی کرتا۔۔۔جیسا وہ خود ہے ویسی ہی اس کی گھٹیا باتیں اور عادتیں ہیں۔۔۔سمجھے۔۔۔؟"

"میرا دوست ہے وہ۔۔یار ہے میرا وہ۔۔۔کمینے۔۔۔!" خضر نے اس کے منہ پر غصے سے مکا جڑ دیا تھا۔۔۔زین کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا اور خون رسنے لگا۔۔۔تینوں بچے خون دیکھ کر رونے لگے تھے۔۔۔اس سے پہلے آوازیں سنتا کوئی اوپر آ کر خبر لیتا، خضر خود ہی اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا اسے غصے سے دیکھتا ہوا نیچے چلا گیا تھا۔۔۔زین نے تینوں کو بہلا کے کھیل شروع کر دیا تھا لیکن وہ دل میں فکرمند ضرور ہو گیا تھا۔۔۔ارحم جیسے لڑکے سے اچھی توقع نہی کی جا سکتی تھی۔۔۔!

☆......☆......☆

وہ مضمحل سا بریک ٹائم میں کینٹین کی بیک سائیڈ پر بیٹھا تھا۔۔۔پیپرز قریب تھے اس لیے آج کل کلاس کے کئی پڑھاکو بچے اس کے ساتھ وقت گزارنے کو ترجیح دیتے تھے۔۔۔وہ بھلے سے ٹاپرز میں شمار نہی ہوتا تھا لیکن اس کی پڑھنے کی لگن، اس کے پرفیکٹ نوٹس سب کو اس کی جانب متوجہ کر لیتے تھے۔۔۔اس وقت وہ عبداللہ کا انتظار کر رہا تھا جو کینٹین سے اپنے کھانے کے لیے کچھ لینے گیا تھا۔۔۔وہ کئی دن سے زین سے درخواست کر رہا تھا کہ اسے مطالعہ پاکستان کے کچھ سوالوں کے جواب مارک کروا دے۔۔۔زین کو اس طرح کی مدد کرنے میں کبھی اعتراض نہی ہوا تھا۔۔۔وہ انہماک سے عبداللہ کی کتاب پر جھکا ہوا تھا جب اس کے قریب دھپ سے کوئی آ کر بیٹھا تھا۔۔۔زین نے سر اٹھا کر دیکھا، وہ

ارحم تھا۔۔۔چونکا بھی تھا اور سہما بھی لیکن اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔۔۔سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ جواباً انتہائی واہیات مسکراہٹ کے ساتھ اسے گھورنے لگا۔۔۔زین کی گردن کی پشت پر چیونٹیاں سی رینگ گئیں۔۔۔احمر کے دیکھنے کا انداز خاصا عامیانہ تھا۔۔۔ناچار اسے پوچھنا پڑا تھا۔۔۔

"کیا بات ہے۔۔۔کوئی کام ہے تمہیں۔۔۔خضر ابھی کچھ دیر پہلے لیبارٹری والی سائیڈ پر گیا ہے۔۔۔!" اسے لگا کہ وہ شائد خضر کا پوچھنے آیا ہے لیکن ارحم کے تیور اچھے نہیں تھے۔۔۔

"خضر کون ہے۔۔۔میں نہیں جانتا۔۔۔جب سے خضر کا بھائی دیکھ لیا ہے اس میں میرا کوئی انٹرسٹ باقی نہیں رہا۔۔!"

وہ زین کا ہاتھ تھام کر گھٹیا انداز میں بولا اور قریب تھا کہ اسے لبوں سے لگا لیتا، زین نے ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچ لیا۔۔۔

"کیا بکواس ہے۔۔۔کیا چاہیے تمہیں۔۔۔اٹھو۔۔۔ابھی اٹھو یہاں سے احمر، ورنہ میں شکایت کر دوں گا تمہاری۔۔۔میں تمہاری ٹائپ کا لڑکا نہیں ہوں سمجھے۔۔۔جاؤ یہاں سے۔۔۔!"

زین کھڑا ہوتے ہوئے نہایت ترشی سے بولا تھا۔۔۔احمر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔۔۔وہ بھی کھڑا ہوا اور زین کی گردن پل بھر میں دبوچ کر اس کا چہرہ قریب کرتے ہوئے بولا۔۔۔

"اوئے۔۔۔اوقات میں رہ اپنی۔۔۔کس ٹائپ کا ہوں میں۔۔؟ اور کس ٹائپ کا ہے تُو۔۔۔؟ خود کو سمجھتا کیا ہے۔۔۔چار نمبر کیا لیتا ہے کلاس میں، تیری نسل ہی بدل گئی۔۔۔واہ۔۔۔!"

احمر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زین کو مارنا شروع کر دیتا۔۔۔لیکن وہ پہلے سیدھی انگلی سے گھی نکالنا چاہتا تھا۔۔۔اس لیے غصے پر قابو پاتے ہوئے اس کی گردن چھوڑ کر گال پر تھپکی دی اور پھر اس کے کان کی لو مسلنے لگا۔۔۔

"دیکھ زین۔۔۔مجھے بہت پیارا لگا ہے تُو۔۔۔بڑا حسین۔۔۔یہ تیرا بھائی تو تیرے آگے کچھ نہیں۔۔۔میرے ساتھ دوستی کر لے۔۔۔خوب مزے کراؤں گا۔۔۔قسم سے۔۔۔!"

خوف کی شدید لہر زین کو مفلوج کر گئی۔۔۔وہ بلکل سن سا ہو گیا۔۔۔ارحم کا بات کرنے کا، دیکھنے کا

اانداز اس قدر عامیانہ تھا کہ اسے لمحہ بھی نہی لگا تھا اس کا مقصد جاننے میں۔۔۔اور ایسی صورتحال کا سامنا کرنے کا اس نے کبھی تصور نہی کیا تھا۔۔۔سیدھے سادے لڑکے دیکھے تھے اب تک۔۔۔اس طرح کا لڑکا پہلی بار دیکھ رہا تھا۔۔۔چند پل یونہی وہ جامدو ساکت اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور پھر نا جانے کیسے ہمت جمع کر کے اسے پوری قوت سے پرے دھکیل دیا۔۔۔ارحم بری طرح لڑکھڑایا لیکن گرنے سے بچ گیا۔۔۔وہ ہتک کے احساس سے مغلوب ہو کر اسے مارنے کے لیے جھپٹا تھا لیکن اسی وقت عبداللہ ایک اور لڑکے کے ساتھ ہاتھ میں کھانے پینے کا سامان لیے وہاں چلا آیا۔۔۔ارحم کو اپنا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے کرنا پڑا۔۔۔اسے شہادت کی انگلی لہرا کر خاموش وارننگ دیتا وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔۔۔بعد کا سارا وقت زین نے شدید بے چینی میں گزارا تھا۔۔۔وہ ارحم کا مقصد سمجھ کر بھی انجان بن رہا تھا۔۔۔خود کو سمجھا رہا تھا کہ ویسا نہی جیسا وہ سوچ رہا ہے، بھلا ان کے سکول میں پہلے کب کسی کی ہمت ہوئی ہے ایسی حرکت کی۔۔۔اور پھر بھلا کوئی لڑکا کب ایسا کر سکتا ہے۔۔۔انہی طفل تسلیوں میں اس نے چھٹی تک کا وقت گزارا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

وہ گھر آ کر بھی اس قدر ذہنی تناؤ کا شکار رہا تھا کہ پہلی بار اس نے ارادہ کیا کہ اس بارے میں وہ اکبر صاحب سے بات کرے گا۔۔۔اس کے اندر جو مسلسل ارحم کو لے کر کھٹک تھی وہ ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔۔۔خضر سے اس بارے میں پوچھنا عبث تھا وہ تو خود اسے ایسی معنی خیز مسکراہٹ سے تکتا تھا کہ زین کا لہو جم سا جاتا تھا۔۔۔اکبر صاحب ویک اینڈ پر آئے ہوئے تھے اور کل کا پورا دن اس کے پاس تھا کہ وہ سکون سا اپنا مسئلہ ان سے شئیر کر پاتا۔۔۔سکول سے چھٹی ہونے کی وجہ سے اس کے پاس سوچنے کا کافی وقت تھا۔۔۔لیکن وہ یہ بھول جاتا تھا کہ خضر اس حد تک شاطر ہو چکا تھا کہ وہ اس سے ہمیشہ دو قدم آگے رہتا تھا۔۔۔!

وہ فی الفور بھانپ گیا تھا کہ زین، ارحم کے بارے میں اکبر صاحب سے بات کرنے کی کوشش کرے گا یا پھر اس کے اندر کا چور تھا جس نے اسے اس جانب سے ہوشیار کر دیا تھا۔۔۔اور ایسا ہو جاتا تو وہ بھی باپ کے عتاب کا شکار ہو جاتا۔۔۔اکبر صاحب پچھلے سکول میں بھی ارحم کے ساتھ خضر کی دوستی سے نالاں تھے اور اب تو یہ بات خضر کے گلے کا طوق بن جاتی، اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ ارحم اس کے پیچھے

پیچھے اس اسکول میں بھی آگیا ہے۔۔۔اسے زین کے بات کھول دینے سے پہلے ایسا کمال دکھانا تھا کہ وہ شکایت کرنے کے قابل ہی نا رہے۔۔۔!

شام کو جب زین اپنے کمرے میں پڑھ رہا تھا تو خضر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے پاس آیا۔۔۔زین نے حیرت اور کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور سر واپس کتاب پر جھکا لیا۔۔۔وہ دل ہی دل بیزار ہوا کہ خضر بلا ضرورت اس کے کمرے میں نہی آتا تھا یا تو لڑنے آتے تھا یا پھر اس کا وقت برباد کرنے۔۔۔لیکن اسے اندازہ بھی نہی تھا کہ اس بار وہ زین کی "کریڈیبیلیٹی" خراب کرنے آیا ہے۔۔۔

"کیا پڑھ رہے ہو۔۔۔؟" خضر نے اس کے اسٹڈی ٹیبل کے ساتھ کمر کا نچلا حصہ ٹیکتے ہوئے پوچھا۔۔۔

"کیمسٹری۔۔۔!" مختصر جواب دیا۔۔۔

"اچھا تو پھر مجھے بائیو کی بک چاہیے تھوڑی دیر کے لیے۔۔۔!"

"سر کے پاس ہے۔۔۔کلاس میں لی تھی انہوں نے۔۔۔پرسوں سکول لگے گا تو واپس ملے گی۔۔۔!"

"اوہو۔۔۔مجھے ضروری چاہیے تھی۔۔۔چلو فزکس اور انگلش کی دے دو پانچ دس منٹ کے لیے۔۔۔ابھی واپس کر جاتا ہوں، نشان لگانے ہیں بس۔۔۔!"

خضر کو یقین تھا کہ وہ ابھی اٹھے گا اور جا کر خود لا کر دے گا کیونکہ اپنے بیگ کا بلا وجہ چھیڑے جانا اسے پسند نہی تھا لیکن اسے شدید حیرت ہوئی جب اس نے صفحہ پلٹتے ہوئے کہا۔۔۔

"کپڑوں والے سٹینڈ پر ہے بیگ۔۔۔نکال لو۔۔۔اور پلیز جلدی واپس دے جانا۔۔۔!"

خضر نے بے ساختہ امڈنے والی اپنی خبیث مسکراہٹ پر قابو پایا اور بکس نکالنے چلا گیا۔۔۔گو کہ اس کا پلان کچھ اور تھا لیکن زین کے بھولپن نے یا سادگی نے اسے مزید آسان کر دیا تھا۔۔۔خضر کتابیں لیے واپس آیا تب بھی زین اسی طرح انہماک سے پڑھ رہا تھا۔۔۔باہر نکلنے سے پہلے خضر نے اس کی سر کی پشت پر مارنے والے انداز میں کتابیں لہرائیں اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔۔۔!

☆......☆......☆

شام ہوئی تو وہ یکدم نیند سے جاگا تھا۔۔۔عصر پڑھ کر وہ یہیں اپنی ٹیبل پر سر رکھے سو گیا تھا۔۔۔باہر مغرب کی اذانیں ہونا شروع ہوئیں تو وہ بھی جاگ گیا۔۔۔اس کا ارادہ تھا کہ وہ مغرب پڑھ کر ابو کے ساتھ ہی واک کے لیے نکل جائے گا۔۔۔ان کی عادت تھی کہ ویک اینڈ پر جب بھی آتے تھے تو مغرب کے بعد واک کے لیے نکلتے تھے، اسی بہانے محلے داروں سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی۔۔۔وہ جلدی جلدی کتابیں سمیٹتا ریک سے اپنے بند جوتے نکال کر پہننے ہی والا تھا جب دھاڑ سے اس کا دروازہ کھلا اور اکبر صاحب اندر داخل ہوئے۔۔۔ان کے پیچھے سعدیہ اور خضر بھی تھے۔۔۔زین استفہامیہ نگاہوں سے انہیں تکتا سیدھا ہوا۔۔۔وہ ان تینوں کے یوں اچانک سے اپنے کمرے میں آنے پر حیران تھا وہ بھی اس قدر سنگین و سنجیدہ چہروں سے۔۔۔

"کیا بات ہے ابو۔۔۔؟ خیریت ہے۔۔۔میں آپ کے پاس ہی آرہا تھا۔۔۔کچھ بات کرنی تھی۔۔۔!" اس نے اچٹتی نگاہ خضر پر ڈال کر باپ سے کہا تو خضر اس کے دیکھنے سے چڑ کر اونچی آواز میں بولا۔۔۔

"کیوں۔۔۔کیا کرنے آرہے تھے۔۔۔اب پردے ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں زین۔۔۔میں نے سب بتا دیا ہے ابو کو۔۔۔!"

زین کے اعصاب یکدم ڈھیلے ہوئے۔۔۔وہ سمجھ گیا کہ خضر نے احمر اور اس کی ان بن کا تذکرہ کر دیا ہوگا۔۔۔اچھا تھا اب اسے تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔

"اچھا کیا تم نے بتا دیا۔۔۔میں بھی کوئی پردہ نہیں ڈالنے والا تھا۔۔۔یہ بات چھپانے والی تھی بھی نہیں۔۔۔اور مجھے کسی کا ڈر نہیں پڑا ہوا جو چھپاؤں گا میں۔۔۔!"

اس کے کہتے ہی اکبر صاحب آگے بڑھے اور زوردار تھپڑ زین کے منہ پر کھینچ مارا۔۔۔زین ہکا بکا گال پر ہاتھ دھرے باپ کو دیکھتا رہ گیا۔۔۔خضر نے اپنی ہنسی دبانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔۔

"ک۔۔ک۔۔کیا ہوا ہے ابو۔۔۔میں نے کیا کیا ہے۔۔۔؟"

یہ سوال پوچھتے اسے کس دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا وہی جانتا تھا۔۔۔گال سے زیادہ دل فگار ہوا

تھا۔۔۔سعدیہ بھی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں لیکن چپ تھیں۔۔۔

"ابھی بھی مجھے پوچھ رہے ہو کہ کیا کیا ہے میں نے۔۔۔جس وقت خضر نے مجھے بتایا تھا، میں نہیں مانا تھا لیکن تم نے تو میرے کچھ بھی پوچھنے سے پہلے اعتراف کر لیا۔۔۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا زین کہ تم ایسی کسی حرکت میں پڑ سکتے ہو۔۔۔!"

"ابو کیا، کیا ہے میں نے۔۔۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔۔۔میں کیا سمجھا تھا اور آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔کھل کر بتائیں تو سہی۔۔۔!" وہ روہانسا ہوتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔۔۔اکبر صاحب اس کے اندر تک اپنی نگاہیں اتار رہے تھے۔۔۔اسے جانچ رہے تھے۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ نرم پڑتے، خضر نے آگے بڑھ کر اس کا بیگ اسٹینڈ سے جھپٹا اور باپ کے سامنے لا دھرا۔۔۔

"چیک کر لیں ابو۔۔۔خود ہی دیکھ لیں۔۔۔یہ سب کچھ یہ بریک میں کرتا ہے اور کسی ٹیچر کا اس پر بس نہیں چلتا۔۔۔!"

زین نے ناسمجھی سے اپنے سکول بیگ کو دیکھا جسے اکبر صاحب سست روی سے کھول رہے تھے، جیسے انہیں خوف ہو کہ اندر سے خضر کی بتائی ہوئی خرافات نا نکل آئیں۔۔۔سعدیہ آگے بڑھیں اور شوہر کے ہاتھ سے بیگ لے کر اسے کھول کر وہیں الٹ دیا۔۔۔کتابوں کا ڈھیر باہر آیا تھا اور ساتھ ہی سگریٹ کے دو پیکٹ، لائٹر، گندی واہیات سی تصویریں جن پر نگاہ پڑتے ہی زین کی رنگت فق ہو گئی تھی۔۔۔ایسی تصاویر تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھیں تھیں۔۔۔ماں باپ کے سامنے اس کا دل زمین میں اتر جانے کو چاہا۔۔۔یہ تو وہ چیزیں تھیں جن کی اسے پہچان تھی کہ یہ سب ہے کیا، لیکن اس کے علاوہ جو کچھ تھا ان کے بارے میں تو اسے خبر تک نا تھی کہ یہ کیسی زلالتیں ہیں جو اس کے سر منڈھ دی گئیں ہیں۔۔۔وہ سب کی طرح بلکل اسی انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھنے والا بھرپور تجسس بھری حیرت کے ساتھ دیکھتا ہے۔۔۔زین رکوع کی حالت میں جھک گیا اور ان چیزوں کو ہاتھ میں تھامنے لگا تھا کہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور پیٹھ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔۔۔سامنے ماں باپ کھڑے تھے اور اس میں مزید ہمت نہیں تھی کہ وہ ان اشیاء پر ان کی موجودگی میں دوبارہ نگاہ ڈالتا۔۔۔سعدیہ کو زین کی اس حرکت نے تاؤ

دلا دیا۔۔۔انہوں نے اسے کندھے سے جھپٹ کر رخ اپنی جانب موڑا اور بولیں۔۔

"منہ کیوں چھپا رہے ہو۔۔۔یہ سب کرتے حیا مر گئی تھی کیا۔۔۔؟"

زین کی بند آنکھوں سے آنسو ایک تار گالوں پر بہتے چلے آئے۔۔۔اس نے نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں میں دبا رکھا تھا۔۔بھنچی ٹھوڑی لرز رہی تھی۔۔۔۔۔۔اکبر صاحب یک ٹک اسے دیکھے گئے۔۔۔ سعدیہ کا ہاتھ فضا میں اٹھا لیکن دوسرے ہی پل وہ ہاتھ اکبر صاحب کی سخت گرفت میں تھا۔۔۔

"کیوں پکڑا ہے آپ نے مجھے۔۔۔چھوڑیں۔۔۔دیکھ نہیں رہے کہ کیا گل کھلا رہا ہے یہ لڑکا۔۔۔بہن والا ہو کر اس قدر بے غیرت ہے۔۔۔اس سے تو اچھا تھا یہ پیدا ہوتے ہی مر گیا ہوتا۔۔۔آج یہ بدنامی تو نا جھیلتے ہم۔۔۔چھوڑیں اکبر مجھے۔۔۔میں اسے نہیں چھوڑوں گی آج۔۔۔!"

"کوئی اسے کچھ نہیں کہے گا۔۔۔یہ میرا حکم ہے۔۔۔اگر کسی نے اسے کچھ کہا تو انجام کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔۔۔سمجھ میں آیا تم سب کو۔۔۔!"

اکبر صاحب نے غصیلے لہجے میں کہہ کر بات گویا ختم کر دی۔۔۔خضر کو چار سو والٹ کا جھٹکا لگا باپ کی بات سن کر۔۔۔یہ تو غیر متوقع تھا۔۔۔اتنی محنت سے اس نے یہ سب زین کے بیگ میں ڈالا تھا اور اب بنا کسی اختتام کے فلم ہی بند ہو گئی تھی۔۔۔اس کا منہ اتر گیا۔۔۔باپ پر جو غصہ آیا سو آیا ماں پر اس سے بڑھ کر آیا تھا۔۔۔

"۔بھلا کیوں دب گئیں وہ ابو سے۔۔۔آگے پیچھے تو کبھی نہیں دبیں۔۔۔"

وہ سوچتا طیش میں کمرے سے باہر نکل گیا۔۔۔سعدیہ بھی لاڈلے کے پیچھے پیچھے پیر مارتی چلی گئیں۔۔۔زین بے دم سا ہو کر اسی کرسی پر گر گیا جہاں وہ اب سے کچھ دیر پہلے عصر کی نماز پڑھ کر سو گیا تھا۔۔۔اکبر صاحب کا ہاتھ اس کے کندھے تک جاتے جاتے رک گیا۔۔۔وہ فی الحال پلٹ گئے۔۔۔کمرے کے دروازے سے نکلتے ہوئے ایک بار انہوں نے مڑ کر بیٹے کو دیکھا اور دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئے۔۔

"تم بے گناہ ہو۔۔۔تمہاری نظروں کی شرم و حیا تمہاری گواہی دیتی ہے زین۔۔۔لیکن اس وقت

میں خود کو اس قابل نہی سمجھتا کہ تم پر ہاتھ اٹھانے کے بعد تمہیں ادھ مری سی تھپکی دے دوں۔۔۔میرا دل تمہارے لیے دعا گو ہے زین۔۔۔آج سے تمہارے ساتھ ہر قدم میری دعائیں رہیں گی۔۔۔میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ پر ایسا وقت نا آئے جب تم مجھ سے سوال کرو اور میں جواز پیش کروں۔۔۔ایسا ہوا تو وہی میری سزا ہو گی زین۔۔۔!"

دو آنسو زین کی پیٹھ کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ٹپکائے اور باہر نکل گئے۔۔۔!

☆......☆......☆

دو دن سخت بخار میں مبتلا رہنے کے بعد وہ آج سکول آیا تھا۔۔۔پڑھائی کا حرج ہوا تھا اس لیے سارا دن وہ کلاس میں بیٹھا دو دن کا نامکمل کام مکمل کرتا رہا تھا۔۔۔سلیبس جلدی ختم کروایا جا رہا تھا۔۔۔آج کل کے دنوں میں چھٹی نقصان دہ تھی اور اس سے ایک ساتھ دو ہو گئیں تھیں۔۔۔بخار کی حالت میں زویا اور اکبر صاحب زیادہ تر وقت اس کے کمرے میں اس کے ساتھ ہی رہے تھے۔۔۔گھر میں جیسے دو دھڑے بن گئے تھے۔۔۔ایک امی اور خضر کا اور دوسرا ابو، زویا اور شائد اس کا۔۔۔وہ خود کو کسی گنتی میں شمار نہی کرتا تھا۔۔۔لیکن وہ امی اور ابو دونوں کی یکساں توجہ چاہتا تھا، اسطرح ضد بازی سے نہی بلکہ بلکل خالص اور دل کی گہرائی سے۔۔۔امی نے ابو کی ضد میں اس سے مزید کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔۔۔انہیں لگنے لگا تھا جیسے ابو یہ سب کچھ ان کو چڑانے اور خضر کو نیچا دکھانے کے لیے۔۔۔جب کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی بات سچ نہی تھی۔۔۔زین کا پندرہ سالہ زندگی کا ایک ہی نچوڑ تھا کہ جب کوئی گلاس کو آدھا خالی ہی دیکھنا چاہتا ہو تو دنیا کی کوئی دلیل اسے آدھا بھرا ہوا نہی دکھا سکتی۔۔۔وہ دیکھتا ہی نہی کیونکہ اس کا دل، دماغ، اس کی حسیات سب آدھے خالی پر مرکوز ہوتی ہیں۔۔۔یہی حال اس کے معاملے میں امی کا تھا۔۔۔وہ اس میں خوبی تلاش کرنا ہی نہی چاہتی تھیں تو وصف کہاں سے نمایاں ہوتا۔۔۔اور وہ اس تنگ و دو سے تھک چکا تا۔۔۔سر تا پا۔۔۔اب اور نہی لڑنا چاہتا تھا۔۔۔یہ اس نے خود کو اچھے سے سمجھا لیا ہوا تھا لیکن اب ابو نا جانے کیوں بن کہے اور اچانک سے بیچ میں یہ جنگ لڑنے کو دو پڑے تھے۔۔۔وہ جنگ جو وہ کبھی کا بنا لڑے ہار چکا تھا کیونکہ سامنے دشمن نہی تھا اس کے اپنے تھے جو اسے سمجھنا نہی چاہتے تھے

اور" اپنوں کے ساتھ جنگ نہیں کی جاتی سمجھوتے کیسے جاتے ہیں۔۔۔!"

سکول میں مسلسل کام کرنے کی وجہ سے اسے دوبارہ حرارت محسوس ہونے لگی تھی۔۔۔وہ چھٹی ہوتے ہی نکل آیا تھا کیونکہ آج اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ خضر کے لیے مزید پندرہ بیس منٹ بیکار انتظار کرتا، کیونکہ وہ چھٹی کے بعد بھی دوستوں کے ساتھ بلاوجہ وقت ضائع کرتا تھا اور ظاہر ہے اتنی دیر اسے بھی انتظار کرنا پڑتا تھا۔۔۔پر آج اس کے اندر اتنی سکت نہیں تھی۔۔۔بخار جیسے سر کو چڑھ رہا تھا۔۔۔وہ گھر جانے والی سڑک پر روانہ ہوا جب اس کا ایک کلاس فیلو دور سے اسے آوازیں دیتا بھاگتا ہوا آیا۔۔۔اس کے ہاتھ میں خضر کا بیگ تھا۔۔۔اس نے وہ بیگ زین کو پکڑاتے ہوئے کہا۔۔۔

"خضر نے کہا ہے کہ اسے ابھی کچھ دیر لگ سکتی ہے تم یہ بیگ اپنے ساتھ لے جاؤ۔۔۔وہ بعد میں آجائے گا۔۔۔!"

زین کو غصہ تو بہت شدید آیا لیکن کیا کر سکتا تھا۔۔۔یہیں کہیں رکھ کے بھی نہیں جا سکتا تھا۔۔۔چار و ناچار وہ ایک کندھے پر اپنا اور دوسرے پر خضر کا بیگ اٹھائے چل پڑا۔۔۔سیدھی سڑک کے بعد جو موڑ آتا تھا وہ قدرے سنسان تھا اور درختوں اور خودرو جھاڑیوں کی ایک قطار بنی ہوئی تھی لیکن وہ لوگ عادی تھے اس لیے کبھی خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔۔۔وہ گھومتا سر لیے بمشکل چلتا جا رہا تھا جب ان جھاڑیوں کے پیچھے اسے کسی نقل و حرکت کا احساس ہوا۔۔۔وہ کوئی کتا، بلی سمجھ کر نظر انداز کر گیا لیکن چند قدم چلا ہو گا جب اچانک ارحم وہاں سے نکلا اور اسے پشت سے بیگ سے کھینچ کر نیچے گرا دیا۔۔۔زین ایسے حملے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے بے دم ہو کر گرا اپنا گھومتا سر سنبھالنے لگا۔۔۔ارحم نے وقت ضائع کیے بنا اسے ایک پیر سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا جھاڑیوں میں لے جانے لگا۔۔۔زین کے حواس کام نہیں کر رہے تھے۔۔۔وہ اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ پیر تک چلا نہیں پا رہا تھا۔۔۔جھاڑیوں میں ارحم کا شیطانی دماغ اپنے شیطانی منصوبے پر عمل کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔۔۔اس نے اپنی پینٹ سے بیلٹ نکال کے زین کو الٹا کیا اور اس کے ہاتھ باندھنے لگا۔۔۔یہی وہ لمحہ تھا جب زین کے حواس بیدار ہوئے۔۔۔کسی غیبی قوت نے اس کی مدد کی اور وہ پورا زور لگاتا سیدھا ہوا۔۔۔اس نے اپنی ٹانگ لہرا کے ارحم کو منہ پہ دے

ماری۔۔۔احمر اپنا جبڑا تھامے دہرا ہوا۔۔۔زین نے کھڑے ہوتے ہوئے ذرا سا جھک کے اپنے دونوں ہاتھوں کے مکے بنا کے لہراتے ہوئے کہا۔۔۔

"اگر تم سمجھتے ہو کہ میں ہار مان لوں گا تو غلط ہو۔۔۔یا تو میں یہاں تمہیں سبق سکھا کے جاؤں گا یا پھر یہیں جان دوں گا لیکن تمہارا ناپاک مقصد پورا ہونے نہی دوں گا۔۔۔!"

احمر اپنے جبڑے کو سہلاتے ہوئے سیدھا ہوا اور زین پر پل پڑا۔۔۔دونوں میں جم کے لڑائی شروع ہوئی۔۔۔احمر، زین سے نا صرف قد میں لمبا تھا بلکہ قوی بھی تھا پھر بھی زین اسے ٹف ٹائم دے رہا تھا اور یہی چیز احمر کو آگ بگولا کر رہی تھی۔۔۔وہ جھکا اور ایک موٹا سا پتھر اٹھا کر زین کے سر کا تاک کے نشانہ باندھا۔۔۔پتھر سیدھا اس کی پیشانی پر لگا اور خون بہنے لگا۔۔۔زین اپنا سر لیے وہیں نیچے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔۔۔احمر چھاتی پھلاتا اپنی آستینیں کستا اس تک آیا۔۔۔اسی موقع سے زین نے فائدہ اٹھایا اور مٹھی بھر کے مٹی احمر کے منہ پر اچھال دی۔۔۔وہ چلاتا ہوا مغلظات بکنے لگا۔۔۔وہ بند آنکھوں میں چبھتی ریت کو ایک ہاتھ سے ملتے اور دوسرے ہاتھ کو سامنے لہرا لہرا کے زین کو ٹٹول رہا تھا۔۔۔زین اٹھا اور احمر کو دھکا دے کر گرانے کے بعد اس کے سینے پر چڑھ کے بیٹھ گیا۔۔۔اس نے اسے مسلسل مکوں اور تھپڑوں پر رکھ لیا۔۔۔مار مار کے جب تک اس کے ناک اور منہ سے خون نا نکال دیا تب تک وہ اس کے اوپر سے اٹھا نہی۔۔۔اور جس وقت اسے لگا کہ احمر میں اب پلٹ کے وار کرنے کی سکت نہی رہی، تب زین اس کے منہ پر تھوک کر پیچھے ہو گیا۔۔۔اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر اور خضر کا بیگ تقریباً گھسیٹتا ہوا وہ جھاڑیوں سے باہر آیا تو وہاں خضر اور ایک اور اس کا ایک اور دوست بت بنے کھڑے تھے۔۔۔خضر، زین کی خون میں بھیگی سفید شرٹ دیکھ کر سن رہ گیا تھا۔۔۔زین خون آشام نظریں لیے دونوں کے پاس آیا اور خضر کا بیگ اس کے منہ پر اچھال کر دے مارتے ہوئے بولا۔۔۔

"اب سے تم اپنا بوجھ خود ہی اٹھاؤ گے۔۔۔ویسے تمہارے لیے یہ بوجھ ہی ہے کیونکہ جن کتابوں نے تمہیں شرم حیا اور اخلاقی اقدار نہی سکھائیں، وہ تمہارے لیے محض ردی کے کاغذ ہیں۔۔۔اور اگر کل سے۔۔۔" وہ اپنی انگلی لہراتا وارن کرتا ہوا بولا۔ "تمہیں میں نے دیکھ بھی لیا نا ارحم کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تو

یقین مانو میں تمہاری بھی آتما رول دوں گا خضر۔۔۔بس اب ،بہت ہوگیا۔۔۔!"

زین کہتا ہوا دھیمے دھیمے قدموں سے چلتا گھر کے راستے پر ہولیا اور پیچھے خضر دیر تک اس کی پشت دیکھتا رہا تھا۔۔۔اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب جو یہاں ہوا تھا وہ زین نے کیا تھا۔۔۔اور جو کچھ زین اسے کہہ کر گیا تھا اس کا اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ کر دکھائے گا۔۔۔

کبھی بھی کسی کو اس کی شرافت سے نہیں آزمانا چاہیے کیونکہ شرافت ،بدمعاشی کا لبادہ ہے۔۔۔ظرف وسیع ہو تو یہ لبادہ تمام عمر نہیں اترتا لیکن جو اتار دیتا ہے تو وہ پھر لحاظ نہیں کیا کرتا۔۔۔!

☆......☆......☆

اس دن کے بعد سے خضر کو زین نے ارحم کے ساتھ کلاس میں کبھی بیٹھے نہیں دیکھا۔۔۔زین نے ہمت کی اور پرنسپل کے پاس جا کر ارحم کی ذاتی طور پر شکایت کر دی۔۔۔کچھ جانچ تحقیق کے بعد اسے سکول سے نکال دیا گیا۔۔۔سکول میں جیسے یکدم زین نمایاں ہوا تھا۔۔۔یوں لگنے لگا اس سے مقناطیسی شعاعیں پھوٹنے لگی ہیں جو سب کو اپنی جانب کھینچتی تھیں۔۔۔امتحانات تک کا وقت زین کے لیے گولڈن پیریڈ بن گیا۔۔۔خضر کو ہفتہ دس دن کافی افاقہ رہا لیکن سکول میں زین کی ناموری اسے ہضم کرنا مشکل ترین ہوگیا۔۔۔اساتذہ کو یکدم جیسے زین قابل ترین سٹوڈنٹ لگنے لگا تھا حالانکہ اس کی ذہنی استعداد بھی اتنی ہی تھی اور قابلیت بھی پہلے جیسی ہی تھی لیکن کوئی گیدڑ سنگھی ہی تھی جو سب نے سونگھ لی تھی۔۔۔خضر کی چرب زبانی جیسے ساری کلاس کے کندھوں سے جھڑ گئی تھی اور اس سب کا نتیجہ تھا کہ گھر میں اس نے زین کا جینا محال کر دیا تھا۔۔۔سعدیہ گو کہ اکبر صاحب کی شدید تنبیہہ کے بعد زین کو بلاوجہ ڈانٹنے سے گریز کر رہی تھیں لیکن جب خضر من گھڑت شکایات لے لے کر کچن میں یا کسی اور مصروفیت کے موقع پر پہنچتا تو ان کا پارہ ہائی ہو جاتا۔۔۔وہ زین کے سر پر پہنچ کر اسے بے نقط سناتیں اور خضر کی مانگ پوری کرنے کو کہتیں۔۔۔"خضر کو نوٹس دو اپنے ،پہلے اسے یاد کرنے دو اسے ،پھر تم کر لینا۔۔۔"

"اس کی پریکٹیکل کاپیز کمپلیٹ کر دو ،بعد میں اپنی کرنا"

"خضر پڑھائی سے بددل ہو رہا ہے زین۔۔کسی ٹیسٹ میں اس سے کم مارکس لے لو گے تو اس

میں جوش پیدا ہو گا وہ بھی لگن سے پڑھے گا۔۔۔میرا اچھا بیٹا، بھائی بھائیوں کے لیے جان بھی دے دیتے ہیں، تم چند ٹیسٹ میں مارکس کم نہیں لے سکتے۔۔۔کب سمجھو گے تم بڑے بھائی کی قدر زین۔۔۔"

اور زین سر پکڑ کر رہ جاتا جو حقیقتاً دکھنے لگتا تھا۔۔۔وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا تھا اور دونوں پاٹ اس کارواں رواں پیس دینے چاہتے تھے۔۔۔دل میں دلائل کا انبار جمع ہو چکا تھا جو وہ ماں کو دینا چاہتا تھا لیکن جرات نہیں تھی۔۔۔سعدیہ اور خضر اسے مل کر ذہنی اور نفسیاتی دباؤ میں لے رہے تھے۔۔۔لیکن اسے اس بار اپنے لیے اسٹیپ لینا تھا۔۔۔اس نے اکبر صاحب سے بات کی اور ان کی اجازت سے اپنا کچھ سامان پیک کیا اور توقیر چاچو کے ہاں چلا گیا۔۔۔میٹرک کے ایگزامز تک وہ سکون سے وہیں رہا تھا اور اس بات پر سعدیہ اس سے بری طرح ناراض ہو گئی تھیں کیونکہ انہیں یہ دکھ تھا کہ وہ گھر رہ کر خضر کی پڑھائی میں مدد کرتا۔۔۔جب کہ خضر اپنا زیادہ تر وقت بوٹیاں بنانے، جیومیٹری کی اندرونی سائیڈ پر چھوٹی چھوٹی بوٹیاں چپکانے اور محفوظ کرنے میں اور پیپر بورڈ کی بیک سائیڈ پر آنکھیں پھوڑ باریک لکھائی میں مشکل سوالات نوٹ کرتا رہتا جو اسے امتحانات میں نقل کرنے تھے۔۔۔!

☆......☆......☆

جوں جوں وقت گزرا تھا زویا، زین سے قریب ہو گئی تھی۔۔۔وہ اس سے سات سال چھوٹی تھی پھر بھی اپنی ہر پرابلم زین سے ڈسکس کرنا پسند کرتی تھی۔۔۔وہ ماں اور باپ دونوں کی لاڈلی تھی اس لیے موڈی بھی تھی لیکن خود سر نہیں تھی۔۔۔اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ زین کے ساتھ کی وجہ سے آیا تھا۔۔۔وہ لاشعوری طور پر بھائی کی اچھی عادات کو کاپی کرتی تھی اور سعدیہ کو دونوں کی عادتوں میں مماثلت حیران کرتی تھی۔۔۔انہیں اب زین کی طرح زویا سے بھی شکایت تھی کہ وہ خضر کے قریب نہیں تھی۔۔۔جوں جوں وقت گزرا تھا وہ پہلے سے زیادہ خضر کو بڑھاوا دینے لگی تھیں۔۔۔انہیں گھر کا سب سے مظلوم اور ستایا ہوا فرد اپنا بڑا بیٹا لگتا تھا جسے نا باپ پیار کرتا تھا نا بہن بھائی۔۔۔لیکن انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ باپ کے رویے میں کھنچاؤ کیوں آیا اور بہن بھائی اس سے دور کیوں ہوئے۔۔۔؟

دونوں بھائی ایک ہی کالج میں گئے تھے۔۔۔زین کا رجحان میڈیکل کی طرف تھا اس لیے اس

نے پری میڈیکل میں داخلہ لیا تھا اور خضر کو ماں نے اکسایا تھا کہ وہ باپ سے ضد کر کے پری انجینئیر نگ میں داخلہ لے جبکہ اس کے مارکس میرٹ سے کم تھے اور اسے زین کے کالج میں داخلہ ملنا بہت مشکل تھا۔۔۔اب جب کہ زین پری میڈیکل کرنے جارہا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ خضر اس کی ٹکر کا نا پڑھتا۔۔۔اکبر صاحب نے کہہ سن کر بہت کوشش کی کہ کسی طرح اسے داخلہ مل جائے لیکن بات نہی بنی۔۔۔آخری چارہ سیلف فنانس کی صورت تھا لیکن اس کے لیے اکبر صاحب نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔۔۔وہ رقم ارینج کر سکتے تھے پر خضر کے لیے کرنا چاہتے نہی تھے۔۔۔میٹرک کے ایگزامز کے بعد اس کی نااہلی اس قدر نمایاں ہو چکی تھی کہ وہ اس پر اپنی محنت کی کمائی برباد کرنے کے حق میں نہی تھے۔۔۔خضر نے بمشکل میٹرک کلئیر کیا تھا جبکہ زین کے مارکس بہترین تھے اور جب تک رزلٹ نہی آیا تھا، زین وقت ضائع کرنے کی بجائے چھوٹے موٹے کمپیوٹر کورسز کرتا رہا تھا۔۔۔خضر نے تمام وقت آوارہ گردی کے ریکارڈ توڑے تھے وہ بھی ماں کی مکمل پشت پناہی کے ساتھ۔۔۔آگے بھی وہ جانتے تھے کہ خضر کچھ نہی کرنے والا لیکن گھر میں سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔۔۔وہ ویک اینڈز پر گھر آئے اور مکمل تناؤ سے بھرا ماحول دیکھ کر ان کی طبیعت خاصی مکدر ہوئی۔۔۔خضر کی بے ادبی اس قدر بڑھ گئ تھی کہ ان کے آنے پر وہ کمرے سے باہر تک نا آیا اور ماں نے نروٹھے پن سے یہ کہہ کر طرفداری کی کہ" بچہ بہت دل شکستہ ہے، آپ باپ ہیں، باظرف بنیں۔۔۔آخر اولاد کے لیے ہی تو کما رہے ہیں۔۔۔اسی پر نا لگائیں گے تو کس پر لگائیں گے۔۔۔!" جوابا اکبر صاحب نے خوب سنائی تھیں اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ان کی کمائی پر صرف ایک ہی اولاد کا حق نہی ہے اور وہ پہلے بھی بہت بار خضر کی خاطر زین کی حق تلفی کر چکے ہیں، مزید نہی کریں گے۔۔۔"

بات آئی گئ نہی ہوئی بلکہ گھر میں کشیدگی مزید پھیل گئ۔۔۔اکبر صاحب نے ٹھان لی تھی کہ اس بار وہ نہی جھکیں گے۔۔۔اس شام کو زویا اپنے ہاتھوں سے ان کے لیے چائے لے کر آئی تو پاس ہی بیٹھ گئ۔۔۔اکبر صاحب نے محبت پاش نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا جس میں وقت کے ساتھ خاصا بدلاؤ آ گیا تھا۔۔۔

"ابو۔۔۔ایک بات کہوں آپ سے۔۔۔؟" وہ باپ سے بات کرنے میں ہچکچاتی نہی تھی اس لیے تمہید بھی نہی باندھی تھی۔۔۔

" کچھ چاہیے میری گڑیا کو۔۔۔؟" اکبر صاحب نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔۔۔زویا نفی میں سر ہلاتے بولی۔۔۔

" اپنے لیے نہی چاہیے ابو۔۔۔اپنے بھائیوں کے لیے چاہیے۔۔۔!"

اکبر صاحب کی تیوریوں پر بل پڑے۔۔۔چائے کے مگ کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے وہ خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔۔۔

" ابو۔۔۔آپ خضر بھائی کا ایڈمیشن کروا دیں کسی بھی طرح۔۔۔پلیز ابو ورنہ وہ زین بھائی کا جینا محال کر دیں گے۔۔۔امی آپ کو پتا ہے نا خضر بھائی کی باتوں میں آجاتی ہیں اور پھر آپ تو چلے جاتے ہیں ویک اینڈ گزار کے۔۔۔پیچھے زین بھائی بہت مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔۔۔"

وہ سیدھا ماں کا نام نہی لے رہی تھی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اکیلا خضر نہی جو زین کو پریشان کرتا ہے۔۔۔

" پلیز ابو۔۔۔مجھے اپنے دونوں بھائیوں سے محبت ہے لیکن زین بھائی نے کبھی کوئی فرمائش نہی کیا کبھی کسی بات کے لیے لڑائی نہی کی اور ڈاکٹر بننا ان کا اولین خواب ہے۔۔۔اگر آپ نے خضر بھائی کا ایڈمیشن نا کروایا تو زین بھائی کبھی سکون سے پڑھ نہی پائیں گے۔۔۔پلیز ابو کچھ کریں۔۔۔آپ ہی کر سکتے ہیں۔۔۔زین بھائی کی خاطر۔۔!"

زویا ساتویں جماعت میں تھی لیکن اس کی گفتگو کا انداز اور لب ولہجہ انہیں اپنی ماں کی یاد دلا گیا تھا۔۔۔وہی مدلل لیکن التجائیہ انداز اپنی بات منوانے کا۔۔۔وہ مسکرائے اور زویا کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔۔۔پرسوچ نگاہیں غیر مرئی نقطے پر جمائے، چائے کے گھونٹ بھرتے وہ سنجیدگی سے زویا کی بات پر عمل کرنے کا سوچ رہے تھے۔۔۔!

☆......☆......☆

کالج لائف ہر طالبعلم کی زندگی میں ایک "ایڈوینچرس جرنی" کیطرح ہوتی ہے۔۔۔روز نت نئے تجربات اور مشاہدات۔۔۔!

زین اور خضر کی کالج لائف بھی شروع ہو گئی تھی۔۔۔دونوں خوش تھے اور جوش بھی تھا۔۔۔ڈاکٹر

بننا زین کا وہ خواب تھا جو اس نے تب سے دیکھنا شروع کیا جب ایک بار وہ بچپن میں چھت کی سیڑھیاں اترتے ہوئے گرا اور بری طرح گھٹنا چھلوا بیٹھا۔۔۔دوپہر کا وقت تھا اور امی سو رہی ہوتی تھیں۔۔۔وہ سہما سہما لنگڑاتا ہوا چلتا ماں کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔۔۔کروٹ کے بل لیٹی وہ گہری نیند میں تھیں۔۔۔اس نے ہلکی ہلکی دو تین آوازیں دیں کہ ماں نیند سے جاگ گئی تو ٹھیک ورنہ واپس ہو لے گا۔۔۔اندر یہ خوف بھی تھا کہ کہیں مار نا پڑ جائے کیونکہ امی کو نیند سے جگائے جانا سخت ناگوار گزرتا تھا۔۔۔وہ ماں سے کہنے کا ارادہ ترک کر کے کچن میں چلا آیا۔۔۔اسے معلوم تھا کہ فرسٹ ایڈ باکس یہیں کہیں رکھا ہوتا ہے۔۔۔تھوڑی تلاش بسیار کے بعد وہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔۔۔پھر وہیں ایکطرف رکھی پیڑھی پر بیٹھا اور ٹانگ سامنے پھیلا کر گھٹنے کو دیکھنے لگا۔۔۔یکدم اس نے دوسری پیڑھی اٹھائی اور اپنے سامنے رکھ کر اس پر اپنی ٹانگ رکھ دی اور اپنی آواز کو قدرے بھاری بنا کے کہنے لگا۔۔۔

"جی بیٹا۔۔۔کیا ہوا ہے آپ کو۔۔۔اوہو۔۔۔یہ تو بڑی سخت چوٹ لگ گئی آپ کو۔۔۔!" ایک ڈاکٹر کی طرح اس نے سامنے رکھی پیڑھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔پھر اپنی اصل آواز میں جواب دیا۔۔۔

"ڈاکٹر انکل۔۔۔چوٹ لگ گئی بہت سخت۔۔۔بہت بہت درد ہو رہا ہے۔۔۔ہائے ہائے۔۔۔!" وہ درد سے لوٹ پوٹ ہونے کی ایکٹنگ کرتا ہوا نقلی ڈاکٹر کو بتا رہا تھا۔۔۔

"اچھا اچھا بیٹا حوصلہ رکھو۔۔۔یہ تو بڑا بہادر بچہ ہے۔۔۔ہے نا۔۔۔کون سی کلاس میں پڑھتا ہے یہ بیٹا۔۔۔؟"

ڈاکٹر بن کے اپنے زخم کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے فرسٹ ایڈ باکس کا ڈبہ کھول کر اندر سے سرخ محلول والی شیشی نکالی اور ساتھ میں مریض بچے یعنی خود سے ہی سوال کیا۔۔۔جواباً ہی درد میں ڈوبی آواز نکلی۔۔۔

"کلاس سکس۔۔۔ہائے ہائے۔۔۔!"

"واہ جی واہ یہ تو بہت لائق بچہ ہے۔۔۔چلو سکس کا ٹیبل تو سناؤ ذرا۔۔۔!" ڈاکٹر صاحب اب روئی پر وہ سرخ دوا لگاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔۔۔

"مم۔۔۔مم۔۔۔مجھے آتا ہے۔۔۔ایک منٹ۔۔۔سکس ونز آر سکس۔۔۔سکس ٹوز آر۔۔۔"

مریض کے ٹیبل سنانے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے روئی کا پھایا اس کے زخم پر رکھ دیا۔۔۔مریض درد سے چلایا۔۔۔

"آ۔۔۔آ۔۔۔او۔۔۔ہائے۔۔۔!"

"اچھے اور بہادر بچے تو کبھی نہیں روتے۔۔۔آپ تو اتنے بہادر ہو کہ اپنی امی کے بغیر آ گئے۔۔۔ان کو تو پتا بھی نہیں کہ آپ کو اتنی سخت چوٹ لگی ہے۔۔۔یہ ہوتے ہیں بریو بچے۔۔۔ہے نا۔۔۔!"

خیالی ڈاکٹر نے اصلی مریض کا دکھ زبان سے بیان کیا اور پھر خیالی نرس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نرس بینڈیج دیں پلیز۔۔۔ابھی ہم پٹی کر دیں گے تو رات تک درد بھی ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ٹھیک ہے نا بیٹا۔۔۔!"

نرس سے پٹی پکڑ کر ڈاکٹر صاحب نے مریض کے گھٹنے کی پٹی کی اور پھر دو تھپکیاں دے کر مریض کو کھڑا کیا۔۔۔مریض دو قدم چلا تو کراہ اٹھا۔۔۔آنکھوں میں آنسو آ گئے۔۔۔

"آرام سے آرام سے۔۔۔زیادہ زور نہیں ڈالنا۔۔۔تھوڑی درد ہو گی پھر ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔اب آپ گھر جاؤ اور امی سے کہنا دودھ کے ساتھ دوائی کھلا دیں۔۔۔!"

اتنا کہہ کر ڈاکٹر کی آواز پھر بھر آئی اور وہ مریض بن کر اپنا گھٹنا تھامے سسک سسک کر رونے لگا۔۔۔اس دن جب وہ ڈاکٹر بنا اپنا ہی علاج کر رہا تھا تب اس نے ارادہ کیا تھا کہ وہ بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے گا اور بہت محبت سے سب کا علاج کیا کرے گا۔۔۔اس نے کبھی بھی اس خواب کو خود سے دور نہیں کیا تھا اس لیے اب جب وہ منزل کے بے حد قریب آ چلا تھا، قسمت ایک بار پھر اسے آزمانے کے لیے پر تول رہی تھی۔۔۔!

دو سال خوب محنت کرنے کے بعد وہ اچھے مارکس سکور کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔۔۔اسے تو تھا ہی، اکبر صاحب کو بھی یقین تھا کہ اس کا داخلہ کسی بھی میڈیکل کالج میں با آسانی ہو جائے گا۔۔۔اس کی محنت اور لگن رنگ لے آئی تھی لیکن رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لیے خضر آستینیں کسے سامنے موجود تھا۔۔۔بدقسمتی سے وہ اچھے نمبر تو دور بمشکل ایف ایس سی کلیئر کر سکا تھا اور یہ اس کے خود سے زیادہ زین کے حق میں برا ثابت ہوا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

اکبر صاحب زین کی کامیابی پر بے حد خوش تھے اور وہ چاہتے تھے کہ زین کو لاہور کے میڈیکل کالج میں داخلہ مل جائے تو اچھا ہو گا۔۔اس طرح سے وہ ان کے قریب رہ کر باآسانی پڑھ سکتا تھا۔۔۔ہوٹل کی بجائے وہ ان کے ساتھ رہتا تو جو توجہ وہ بچپن میں اسے کبھی نہی دے پائے تھے، اس کی کمی پوری کر سکتے تھے۔۔۔!

لیکن جب وہ ویک اینڈ پر گھر آئے تو ایک بہت بڑا معرکہ ان کا منتظر تھا۔۔۔خضر نے گھر میں تماشا کھڑا کر رکھا تھا کہ اگر وہ انجینیئر نگ نہی کر سکا تو زین بھی میڈیکل نہی کرے گا۔۔۔اکبر صاحب سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔۔۔دل تو چاہا کہ خضر کے قد کاٹھ کا لحاظ کیے بنا آج جوتا اتار ہی لیں اور اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیں۔۔۔وہ زین کی اتری شکل دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ گھر میں یہ ہنگامہ تازہ نہیں ہے بلکہ اسے کئی دن گزر چکے ہیں۔۔۔خضر سے بات کرنے اور اسے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہی تھا کیونکہ جو اطوار شروع سے اس کی تربیت کا حصہ بن چکے تھے وہ انہیں کیونکر بدل سکتا تھا۔۔۔؟ وہ منواتا آیا تھا اور ابھی بھی مصر تھا کہ اس کی مانی جائے۔۔۔وہ زین کی کامیابی برداشت کر ہی نہی سکتا تھا کیونکہ اسے اول دن سے سمجھایا گیا تھا کہ وہ برتر و اعلیٰ ہے اور جو اچھا ہے وہ اسی کے لیے ہے جو اسے پسند نا آئے وہ چھوٹے بھائی کو دے دو۔۔۔بچوں میں اونچ نیچ کا پیمانہ بناتے وقت والدین بھول جاتے ہیں کہ اس پیمانے پر ایک بار جسے اونچ پر کھڑا کر دیا جائے وہ کبھی بھی نہیں جھکتا اور نا نیچے والے کو اونچائی پر آنے دیتا ہے۔۔۔نتیجتاً مقابلے بازی کی فضا کے در پردہ خود غرضی اور نفرت جنم لیتی ہے اور خونی رشتوں میں حب ختم ہو جاتی ہے۔۔۔!

اکبر صاحب کو یقین تھا کہ اس معاملے میں سعدیہ یقیناً غیر جانبدار ہوں گی کیونکہ کوئی ماں اپنی اولاد کا مستقبل خراب ہوتے کب دیکھ سکتی ہے، اسی لیے انہوں نے بیوی سے تمام صورتحال پر بات کی پر ان کا جواب ان کی سوچ کے برعکس تھا۔۔۔

"دیکھیں اکبر۔۔۔! میرا نہیں خیال کہ زین کی میڈیکل کی پڑھائی ہم افورڈ کر سکتے ہیں۔۔۔پھر کیا ضرورت ہے بڑے بھائی کو نیچا دکھانے کی۔۔۔خضر ڈسٹرب ہو جائے گا اکبر۔۔۔اگر اس کا انجینیئر نگ یونیورسٹی کا میرٹ بن جاتا تب بھی میں زین کے میڈیکل میں جانے کے حق میں نہی تھی۔۔۔دیکھیں نا ہم

خضر کے اخراجات ہی بمشکل اٹھا پاتے کجا کہ میڈیکل کی اتنی مہنگی پڑھائی۔۔۔اور پھر زین ماشاء اللہ اتنا لائق ہے کہ کسی بھی فیلڈ میں جائے، کامیاب ہو ہی جائے گا لیکن آپ خضر کا سوچیں۔۔۔اس کا ذہن منتشر ہے اور اگر ابھی ہم نے فوری قدم نا اٹھایا تو وہ خدانخواستہ خود کو کوئی نقصان نا پہنچا لے۔۔۔اور اگر اسے کچھ ہوا اکبر تو میں کسی کو معاف نہی کروں گی۔۔۔آخر ایک چھوٹی سی التجا ہی تو کر رہا ہے میرا بچہ کہ زین کو سادی پڑھائی کی لائن پر لگایا جائے اس کی طرح، تو اچھا ہی ہے نا۔۔کیا کرنا ہے ہم نے اسے ڈاکٹر بنا کے۔۔۔بھلا آج کل ڈاکٹری میں رکھا ہی کیا ہے۔۔۔!"

اکبر صاحب دنگ سے بیوی کی شکل دیکھ رہے تھے۔۔۔انہوں نے بھائی کا بھائی کے لیے بہن، بھائی کا ایک دوسرے کے لیے خون سفید ہوتے تو بہت بار دیکھا تھا لیکن ایک ماں کا اپنی ہی اولاد کے لیے ایسا سنگین رویہ پہلی بار دیکھا تھا۔۔۔ان کے دل میں یکدم آتش فشاں ابلا تھا جس کے اثر سے ان کی زبان نے پہلی بار گھر میں انگارے برسائے تھے۔۔۔ان کی چنگھاڑ کی آواز بند کمرے میں خضر کے کانوں نے بھی سنی تھی۔۔۔

"جس کو جو کرنا ہے کرلے سعدیہ بیگم۔۔۔لیکن اس بار جو میرا بیٹا زین چاہے گا وہی ہو گا۔۔۔وہ میڈیکل کرے گا تو بس کرے گا۔۔۔خضر کو آگے پڑھنا ہو تو کالج میں ایڈمیشن لے لے ورنہ بیٹھ رہے گھر لیکن اگر وہ زین کی راہ میں آیا تو میں خود اس کے پرخچے اڑا کے رکھ دوں گا۔۔۔سمجھ جاؤ تم بھی اور تمہارا سگا لاڈلا بھی۔۔۔زین میڈیکل کرے گا اور یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔۔۔!"

اکبر صاحب اپنی بات مکمل کر کے سعدیہ کو حق دق چھوڑ کے گھر سے نکل گئے تھے۔۔۔سعدیہ اکبر صاحب کے رویے کو دیکھ کر اتنی بے یقین تھیں کہ انہیں کچھ دیر کے لیے کچھ بھی سجھائی نہی دیا۔۔۔زویا متاسف اور ناراض سی ماں کو دیکھتی ان کے لیے پانی لینے چلی آئی۔۔۔اپنے کمرے میں زین سٹڈی ٹیبل پر بیٹھا کنپٹیاں دباتے ہوئے سارے مسئلے کو شروع سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔دوسری جانب خضر نے بہت آرام سے اپنے کمرے کا دروازہ بنا آواز کے بند کیا اور ہاتھ میں پکڑی سلیپنگ پلز کی شیشی اپنی ہتھیلی پر انڈیلی۔۔۔نفرت و قہر اس وقت اس کے پورے وجود میں شرارے دوڑا رہا

تھا۔۔۔واش روم کے نل سے گلاس میں پانی بھر کے لایا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کے ساری ہتھیلی پھانک لی۔۔۔تسلی سے پانی پیا اور اٹھ کے کمرے کا دروازہ ان لاک کیا۔۔۔سلیپنگ پلز کی خالی بوتل کو سائیڈ ٹیبل پر نمایاں جگہ پر رکھا۔۔۔سٹڈی ٹیبل کی چیئر کو زوردار آواز کے ساتھ نیچے گرایا۔۔۔ٹیبل سے کتابیں فرش پر پھینکیں اور سکون واطمینان سے بیڈ پر چت لیٹ کے کمبل سینے تک تان لیا۔۔۔!

☆......☆......☆

سعدیہ کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اور وہ دو دن سے ہاسپٹل میں تھیں۔۔۔اکبر صاحب افتاں وخیزاں کبھی جوان بیٹے کی جانب دیکھتے تو کبھی شریک حیات کی طرف جس نے بیٹے کی خودکشی کرنے کا ایسا صدمہ لیا تھا کہ خبر سنتے ہی چاروں شانے چت ہوئیں تھیں۔۔۔خود ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔۔۔وہ سعدیہ سے لڑ کر گھر سے باہر تو چلے گئے تھے لیکن چین نہیں آیا بلکہ الٹا دل کو گھبراہٹ سی ہوئی تو واپس ہو لیے۔۔۔سعدیہ ابھی تک لاؤنج میں ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس تھامے تھیں تو دوسرے سے پیشانی مسل رہی تھیں۔۔۔وہ انہیں نظرانداز کرتے اندر کمرے کی جانب بڑھے جب زویا کی زوردار چیخ کی آواز نے ان کے حواس جھنجھنا کر رکھ دیے۔۔۔زین بھی گھبرا کر اپنے کمرے سے نکل آیا تھا۔۔۔وہ فطری طور پر سیدھا ماں باپ کی جانب بڑھا مبادا ان میں سے تو کسی کو کچھ ہوا تو نہیں۔۔۔!

سعدیہ اور اکبر صاحب نے اس طرف دوڑ لگا دی جہاں سے زویا کے چلانے کی آواز آئی تھی لیکن ان سے پہلے زویا روتی چلاتی وہیں پہنچ گئی۔۔۔اڑی ہوئی رنگت اور کپکپاتے وجود کے ساتھ اس کے ہونٹوں سے بمشکل فقرہ ادا ہوا تھا۔۔۔

"خضر بھائی۔۔۔بھائی نے خودکشی کر لی ہے ابو۔۔۔!"

سب کے پیروں سے گویا زمین نکل گئی تھی۔۔۔اکبر صاحب نے سینہ مسلتے ہوئے خضر کے کمرے کی جانب قدم بڑھائے تھے کہ سعدیہ پورے قد سے فرش پر گریں۔۔۔وہ پلٹ کر بیگم کو دیکھنے لگے۔۔۔زین اور زویا بھی ماں کی جانب لپکے۔۔۔اکبر صاحب کے ہاتھ پیر صحیح معنوں میں پھول گئے تھے۔۔۔وہ زویا کو ماں کا خیال رکھنے کا اور زین کو توقیر چاچو کو کال کرنے کا کہہ کر خضر کے پاس چلے

گئے جہاں وہ پوری تیاری کے ساتھ تسلی سے بستر پر بیہوش پڑا تھا۔۔۔اکبر صاحب کی آنکھوں میں بے بسی سے آنسو بھر گئے۔۔وہ کبھی گمان بھی نہی کر سکتے تھے کہ اولاد کے ہاتھوں ایسے رسوا ہوں گے۔۔۔توقیر چاچو جھٹ پٹ پہنچے تھے اور وہ دونوں سعدیہ اور خضر کو ایک ساتھ ہاسپٹل لے کر روانہ ہوئے تھے۔۔۔۔یہ ایسی افتاد تھی جس نے یکدم جیسے سب کے ذہنوں کو مفلوج کر دیا تھا۔۔۔زین دکھ سے زویا کو تسلی دیتا رہا اور وہاں ہاسپٹل میں اکبر صاحب بیٹے اور بیوی کو لیے خوار ہوتے رہے۔۔۔۔سعدیہ کا سیریس نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور ڈاکٹروں نے انہیں ابھی ان کی جانب سے تسلی بخش جواب نہی دیا تھا۔۔۔خضر البتہ تین گھنٹے ان سب کو سولی پر لٹکائے رکھنے کے بعد خطرے سے باہر تھا۔۔۔اس کا معدہ صاف کر دیا گیا تھا۔۔توقیر چاچو نے پولیس تک معاملہ جانے سے روک لیا تھا لیکن انہیں بھتیجے کی ایسی حرکت کا افسوس سے زیادہ غصہ تھا۔۔۔وہ جانتے تھے کہ شدت پسند ان کا بھتیجا اپنی منوانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا اور ان کی بھابھی تو بیٹے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی مرید ہو گئیں تھیں۔۔۔نا خضر سے پہلے کچھ تو نا اس کے بعد۔۔۔۔بینچ پر بیٹھ کر ساتھ بیٹھے نڈھال اور پریشان حال بڑے بھائی کو دلاسہ دیتے ہوئے ان کی سوچیں مسلسل زین کی گرد منڈلا رہی تھیں۔۔۔ایک بھائی کی خود غرضی اور چالاکی کی بھینٹ اسی کے سگے بھائی کا مستقبل چڑھنے والا تھا۔۔۔اس کا افسوس انہیں ہمیشہ رہنے والا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

اکبر صاحب نے آفس سے مزید ایک ہفتے کی چھٹی لے لی تھی۔۔۔گھر میں ان کی ضرورت تھی اور ویسے بھی واپس جا کر ان کا دل یہیں اٹکا رہتا۔۔۔خضر فاتح بن کر گھر لوٹا تھا۔۔۔نا کوئی شرمندگی نا کوئی ملال۔۔۔ماں کی نڈھالی اور بیماری کو اس نے خراج سمجھ کر وصول کیا تھا۔۔۔اس کی گردن مزید تن گئی تھی جب اسے پتا چلا تھا کہ سعدیہ کا اس کی خودکشی کی خبر سن کر نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔۔۔سعدیہ بھی شوہر سے شاکی تھیں کہ اگر انہوں نے بروقت معاملہ سنبھال لیا ہوتا تو نا خضر ایسا خطرناک قدم اٹھاتا اور نا وہ موت کے منہ کو چھو کر آتیں۔۔۔انہیں ابھی بھی یہ سوچ سوچ کر جھٹکے لگتے تھے کہ اگر ان کے بیٹے کو کچھ ہو جاتا تو وہ کیا کرتیں بھلا۔۔۔!

تو ثابت ہو گیا تھا کہ زور آور کا بس چلے تو وہ دس کے سات نوٹوں کو سو ثابت کر دے۔۔۔اکبر صاحب نے ہار مان لی تھی۔۔۔وہ ایک بار پھر نہیں وہ ہر بار ہی ہار جاتے تھے۔۔۔انہوں نے مان لیا تھا کہ قدرت اب ان سے زین کے تکلیفوں کا ازالہ نہی چاہتی۔۔۔شائد وہ انہیں ستے میں چھوڑنا نہی چاہتی تھی!

وہ شکستہ سے اندھیرا کیے لاؤنج میں اکیلے بیٹھے تھے۔۔۔نا انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا نا رات کا۔۔۔توقیر چاچو کی مہربانی تھی جو وہ اتنے دن سے اپنے گھر سے کھانا بجھوا رہے تھے ورنہ چھوٹی سی زویا ابھی اس قابل نہی تھی کی کھانا پکا سکتی۔۔۔سعدیہ کو ابھی ڈاکٹرز نے زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا تھا اور کسی قسم کا بھی ذہنی دباؤ ان کے لیے خطرناک ثابت ہوتا۔۔۔اسی ڈر کے پیش نظر آج صبح اکبر صاحب نے بہت سبھاؤ سے بیوی سے بات کرنے کی آخری کوشش کی تھی۔۔۔

”خضر نے جو کرنا تھا کر لیا۔۔۔مرنا اتنا آسان نہی ہوتا۔۔۔اسے بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ خودکشی کرنے کے بعد انسان پر کیا بیتتی کیا ہے جب تک جان نا نکل جائے۔۔۔میرا خیال ہے کہ اس کے جذباتی پن میں کافی افاقہ ہوا ہو گا۔۔۔اب تم اسے سمجھاؤ اور اس کی بیکار ضد سے باز رکھنے کی کوشش کرو۔۔۔زین کا ایڈمیشن ہو جائے گا تو اسے میں اپنے پاس لاہور رکھ لوں گا۔۔۔نا وہ خضر کے سامنے ہو گا نا چپقلش پیدا ہو گی۔۔۔!“

وہ نگاہیں جھکائے ناگوار لیکن محتاط لہجے میں خضر کے بارے میں بات کر رہے تھے جبکہ سعدیہ انہیں پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھیں۔۔۔جب وہ بول چکے تو انہوں نے سعدیہ کے تاثرات جاننے کے لیے ان کی آنکھوں میں دیکھا او ٹھٹھک گئے۔۔۔

”کیا ہوا۔۔۔چپ کیوں ہو۔۔۔بولو کچھ۔۔۔؟“

”کیا بولوں۔۔۔بولنے قابل چھوڑا ہے آپ نے۔۔۔“ وہ غرائیں۔۔۔

”اتنا کچھ ہو گیا۔۔۔میں اور میرا بچہ مرتے مرتے بچے ہیں اور آپ کو ابھی بھی زین کی پڑی ہے اکبر۔۔۔آپ اتنے ظالم اور کٹھور کیسے ہو سکتے ہیں۔۔۔آپ پوری پلاننگ کر کے کیسے رٹے رٹائے جملے بالتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔“ ان کا تنفس تیز ہونے لگا تھا۔۔۔“میری بات دھیان سے سن لیں اکبر۔۔۔

نا آج نا کل۔۔۔نا زندگی میں کبھی زین میڈیکل میں جائے گا۔۔۔سن لیا آپ نے۔۔۔بہت ہوا تماشا۔۔۔اب اگر آپ نے مزید میرے ساتھ ضد کی تو اس بار میں گولیاں پھانک لوں گی اور میرا وعدہ ہے کہ میں خود کو بچانے کی مہلت بھی نہی دوں گی کسی کو۔۔۔بس۔۔۔بہت ہوا اب۔۔۔!"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر یہ موضوع ہمیشگی بند کر دیا تھا۔۔۔اکبر صاحب گنگ سے وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اور اب ایک ہی جگہ بیٹھے سوچ سوچ کر انہوں نے رات کر لی تھی۔۔۔وہ زین کے لیے تکلیف اور دکھ محسوس کرتے ہوئے بچوں کی طرح سکتے رہے تھے۔۔۔پہلی بار وہ اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے۔۔۔ایسی گھبراہٹ انہیں تب بھی محسوس نہی ہوئی تھی جب بچپن میں زین اغوا ہو گیا تھا، جیسے ہی انہیں خبر ملی کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ چکا ہے تو وہ جو گھر کے لیے نکلنے والے تھے، دوبارہ رک گئے تھے اور پھر جب ویک اینڈ پر آئے تو زین نے انہیں اس قدر شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا کہ اگر ایسی نگاہ پتھر پر پڑتی تو وہ چیخ جاتا لیکن نا جانے ان دونوں میاں بیوی کے دل کیسی مٹی سے بنے تھے جو ایک اسی کی خاطر پگھلتے نا تھے۔۔۔وہ بیتا وقت انہیں اب بھی یاد آ آ کرتا تھا لیکن اب جب کہ وہ زین کے لیے کچھ اچھا کر کے اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرنا چاہتے تھے تو موقع ان کے ہاتھوں سے نکل جاتا تھا۔۔۔!

وہ متورم اور تھکن سے بوجھل آنکھیں لیے کھڑے ہوئے اور سونے کے ارادے سے کمرے کا رخ کرنے والے تھے کہ عقب سے زین کی پکار پر ان کے قدم وہیں جم گئے۔۔۔وہ پلٹ کے دیکھنے سے گریزاں تھے۔۔۔زین خود ہی چلتا ہوا ان کے سامنے آیا اور ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر عقیدت سے آنکھوں کو لگاتا ہوا بولا۔۔۔

"کب تک یوں بیٹھے رہیں گے ابو۔۔۔جو چیز نصیب میں نہی اس کے پیچھے ہلکان ہونا بے وقوفی ہے اور یہ بات میں نے بہت چھوٹی سی عمر میں سیکھ لی تھی۔۔۔تو پھر آپ کیوں نہی سمجھ پا رہے۔۔۔میں ڈاکٹر بن کر لوگوں کے درد کی دوا بننا چاہتا تھا لیکن شائد ایسا کرنے کا کوئی اور راستہ بھی ہو۔۔۔اور جو راہ میری تقدیر میں ہے اسے وقت خود چن کر میرے سامنے لا رکھے گا۔۔۔مجھے کسی سے کوئی شکایت نہی اور آپ بھی اپنے دل سے ہر قسم کا بوجھ اتار دیں۔۔۔میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں بی ایس سی کروں

گا۔۔۔بلکہ میں نے ارادہ کیا ہے کیونکہ فیصلہ کرنا مجھے راس نہیں آتا۔۔۔کیا خیال ہے آپ کا۔۔۔؟"

وہ ہلکی آواز میں ہنستا انہیں پوچھ رہا تھا اور اکبر صاحب نے کھینچ کر اسے سینے میں بھینچ لیا۔۔۔اپنے ہی گھر میں وہ سربراہی حیثیت میں اتنے لاچار ہو گئے تھے تو ماضی میں زین کا ننھا وجود کس کس طرح تختہ مشق بنتا نہیں ہوگا۔۔۔باپ کے سینے سے لگے زین کی آنکھوں سے چپکے سے دو آنسو نکلے جنہیں اس نے باپ کے شانے کا بوجھ بننے سے پہلے ہی اپنی ہتھیلی میں سمیٹ لیا۔۔۔!

☆......☆......☆

آٹھ سال بعد۔۔۔

یہ شہر کا بہترین کالج تھا۔۔۔طلباء کی کثیر تعداد یہاں زیر تعلیم تھی اور اس کالج کی اچھی ریپوٹیشن کی بنا پر اس کا شمار چند بہترین کالجز میں ہوتا تھا۔۔۔!

"ڈسپلین اینڈ ڈگنٹی" کا بڑا سا لوگو کالج کی داخلی گیٹ پر آویزاں تھا۔۔۔یہاں کے ماحول کی خاص بات اساتذہ کا دوستانہ برتاؤ اور طلباء کا پر اعتماد رویہ تھا اس کے باوجود استاد اور طالبعلم کے درمیان ادب اور احتیاط کا توازن برقرار تھا۔۔۔اندر داخل ہونے کے بعد گیٹ سے لے کر کلاسوں تک لمبے چوڑی کاریڈورز میں گروپس کی شکل میں کھڑے طلباء کسی بھی پروفیسر یا لیکچرار کے گزرنے پر ایک سا مؤدب انداز اختیار کرتے تھے۔۔۔کالج کی عمارت کے وسط میں بہت بڑا گھاس کا میدان تھا اور ساری گراؤنڈ میں ایک ترتیب اور انداز سے ٹریکس بنائے گئے تھے۔۔۔گراؤنڈ کو چاروں طرف سے سرو کے درختوں نے گھیر رکھا تھا جن کے پار کلاسز کے کاریڈورز چھپ جاتے تھے۔۔۔ان درختوں کی وجہ سے گرمیوں میں ان کلاسز اور کاریڈورز میں تسکین آمیز سی ٹھنڈک رہا کرتی۔۔۔اس وقت صبح کے آٹھ بج چکے تھے اور طلبا اپنے اپنے مطلوبہ ڈیپارٹمنٹ کا رخ کر رہے تھے۔۔۔فیکلٹی گیٹ سے ایک خوبصورت بلو کلر کی ٹیوٹا ایکوا اندر داخل ہوئی اور سیدھی پارکنگ ایریا میں جا کر رکی جہاں اور بھی گاڑیاں کھڑی تھیں۔۔۔کافی فاصلے پر کھڑے لڑکیوں کے گروپس میں خفیف سی ہلچل پیدا ہوئی اور لڑکے بھی الرٹ سے اس جانب متوجہ ہو گئے۔۔۔سی گرین فلینل نیک سویٹر کے ساتھ بلیک جینز پہنے، ہلکی نمی لیے خوبصورت

بالوں کو نفاست سے سیٹ کیے۔۔۔آنکھوں پر نظر کا خوبصورت اور نفیس چشمہ لگائے، ہلکی بڑھی ہوئی شیو لیے ایک خوش شکل اور ہینڈسم مرد گاڑی سے اترا اور اسے لاک کرتا چابی کے رنگ کو انگشت شہادت میں پھنسائے دوسرے میں لیپ ٹاپ بیگ پکڑے ناک کی سیدھ میں آگے بڑھ گیا۔۔طلباء کے درمیان سے گزرتے ہوئے اس کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ تھی مگر وقار بھی غضب کا تھا۔۔ایک دوستانہ رعب اس کی پوری شخصیت پر چھایا تھا حالانکہ وہ کرخت مزاج ہرگز نہی تھا لیکن اس سے بات کرتے وقت سب خود بخود محتاط ہو جاتے تھے۔۔۔لڑکیوں کی نگاہیں پلٹ پلٹ کر اس پر پڑتیں اور پھر پلٹ آتیں لیکن سیر نا ہوتیں۔۔۔لڑکے الگ اس کے دیوانے تھے۔۔۔یہ ویل گرومڈ، پُر اعتماد اور نفیس شخص اسٹنٹ پروفیسر زین اکبر ہمدانی تھا۔۔۔جسے اس کالج میں بطور اسٹنٹ پروفیسر جاب کرتے بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا لیکن کالج میں اس کی دھاک خوب بیٹھ گئی تھی۔۔۔وہ سائیکالوجی کا بہترین استاد تھا اور اپنے مضمون پر اس کی گرفت کمال تھی۔۔۔اس کی گریس فل پرسنالٹی نے لڑکیوں کو ایک طرف لڑکوں تک کو سحر میں مبتلا کر رکھا تھا۔۔۔وہ بولتا تھا تو دلائل سے پُر گفتگو مقابل کو لاجواب کر دیتی تھی اور جب خاموش ہوتا تو اس کی ذہانت سے پُر آنکھیں سرگوشیاں کرتیں۔۔۔اساتذہ میں اس کا ایک مقام تھا۔۔۔وہ سینیئرز کے لیے فخر اور جونیئرز کے لیے موٹیویشن تھا۔۔۔چھوٹی سی عمر میں وہ جس پوسٹ پر تھا یہ اسے تھالی میں نہی ملی تھی۔۔۔اس کی دن رات کی محنت اور مضبوط قوت ارادی کا اس میں مکمل دخل تھا۔۔۔!

اسٹاف روم میں موجود اسٹاف سے علیک سلیک کر کے، اپنے لاکر سے ضروری اشیاء ہاتھ میں لیے وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گیا۔۔۔اگلے ڈیڑھ گھنٹے کے لیے وہ مسلسل مصروف تھا کیونکہ اوپر تلے اس کے لیکچرز تھے اور وہ کبھی اکتاتا نہیں تھا۔۔۔پڑھانا اسے دنیا کی سب سے فرحت بخش خدمت لگتی تھی۔۔۔!

☆......☆......☆

کہنے کو آٹھ سال تھے لیکن یہ ایک طویل عرصہ تھا جس میں اس نے دن رات ایک کیے رکھے تھے۔۔۔آٹھ سال پہلے جب وہ اپنی قوت ارادی کے بل پر مردہ تن لیے کھڑا ہوا تھا تو وہ نہی جانتا تھا کہ اس

کا آیندہ لائحہ عمل کیا ہوگا۔۔۔میرٹ ہونے کے باوجود میڈیکل کالج میں داخلہ نا لینے کا فیصلہ اس نے کس دل سے کیا تھا، یہ وہ جانتا تھا یا رب جانتا تھا لیکن جس رات اس نے اپنے والد کو عندیہ دیا تھا کہ میڈیکل نہی کرے گا تو اس کے ذہن میں مستقبل کے حوالے سے کوئی پلانز نہی تھے۔۔۔اس نے سوچ لیا تھا کہ جو وہ کرسکا کرے گا لیکن کچھ ایسا جو خضر کی انا کو ٹھیس نا پہنچائے۔۔۔کچھ اتنا خاص نا ہو کہ خضر دوبارہ اس کی راہ میں روڑے اٹکائے اس لیے اس نے فارم بھرتے ہوئے بنا سوچے سمجھے انگلش لٹریچر اور سائیکالوجی لکھ دیا تھا۔۔۔ان دونوں مضامین میں اس کا رتی برابر انٹرسٹ نہی تھا لیکن امی اور خضر خوش تھے کیونکہ خضر کو یقین تھا کہ وہ کبھی بھی ان چاہے مضامین میں اچھے مارکس سکور نہی کر سکے گا۔۔۔گھر میں اس کی پڑھائی کو لے کر جو تناؤ بھری کیفیت تھی، جیسے شانتی میں بدل گئی۔۔۔خضر نے بی ایس سی آنرز میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔۔۔اس کا میتھس اچھا تھا اور پھر خاندان بھر میں اس کی جتنی عزت خراب ہو چکی تھی، اس نے سوچا کہ ایسے ٹف سبجیکٹ کو رکھ کر وہ کزنز میں دوبارہ دھاک بٹھا سکتا ہے گو کہ اس سے کوئی خاص فرق نہی پڑا تھا۔۔۔وہ جو ایک اثر رسوخ تھا اس کا، اس میں بتدریج کمی آتی گئی تھی اور زین کی اچھی عادات کا تذکرہ زبان زد عام ہونے لگا تھا۔۔۔کئی رشتے دار حسد سے تو کچھ رشک سے اور چند فخر سے اس کا نام لیتے تھے۔۔۔ننھیال میں وہ اب بھی ناپسند کیے جانے والا لڑکا تھا لیکن اب اسے پرواہ نہی تھی۔۔۔وہ بہت عرصہ ہوا رشتے داروں سے ملنا ملانا ترک کر چکا تھا سوائے توقیر چاچو کی فیملی کے۔۔۔!باقی سب سے اس کی واجبی سی ہائے ہیلو تھی۔۔۔کالج لائف کی ایک مخصوص بھاگ دوڑ اور جدوجہد کا دور اس نے ڈوبتی ابھرتی ناؤ کی مانند گزارا جب تک کہ اسے "سر عبدالجبار" کی چھتر چھایا میسر نہی آ گئی۔۔۔اس کے سادہ سے سبجیکٹس نے جہاں خضر کے دل کو چین میسر کیا تھا وہیں اکبر صاحب کو بے حد تکلیف دی تھی لیکن وہ بے بس تھے۔۔۔انہیں اپنا آپ زین کا مجرم لگتا تھا اور زین ان کے رویے سے شرمندہ ہوتا رہتا تھا حالانکہ وہ اپنے کسی انداز سے انہیں محسوس نہی کرواتا تھا کہ وہ دکھی ہے۔۔۔اس کے پاس میڈیکل سے متعلق کتابیں ہوا کرتی تھیں جو اب کارٹن میں بند چھت کے سٹور میں پڑی تھیں۔۔۔ایسی کوئی چیز اب اس کے کمرے میں موجود نہی تھی جسے دیکھ کے اس کے اندر ڈاکٹر نا بن سکنے کا ملال جاگتا۔۔۔محض ایک

درخواست جو اس نے باپ سے کی تھی اور اتھارٹیز (امی اور خضر) نے اسے اپروو بھی کر دیا تھا وہ یہ کہ اس کا اور خضر کا کالج ایک نہی ہو گا۔۔۔اور وہ دوسرے کالج میں چلا گیا تھا۔۔۔یہاں سے اس کی زندگی نے نیا رخ لیا تھا۔۔۔اس کے اندر جمی کثافت جو دھیرے دھیرے بڑھتے بڑھتے اس کی لگن اور شوق کو منجمد کرنے والی تھی، اسے سر عبدالجبار نے اپنی توجہ کا پانی دیا۔۔۔اس کے اندر جد و جہد کی نئی جہتیں کھوجنے کا شوق پیدا کیا۔۔۔وہ جو سوچتا تھا کہ وہ اگر ڈاکٹر نا بن سکا تو کچھ بھی نہی بنے گا، اس کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ وہ ایک ڈاکٹر نا بن کے بہت کچھ بن سکتا ہے۔۔۔تھرڈ ائیر کے آغاز تک وہ بلینک تھا۔۔۔روٹین میں کالج جاتا اور واپس آجاتا۔۔۔ٹھس سا لیکچرز کے دوران بیٹھا رہتا۔۔۔سر عبدالجبار نے اس کی خاموشی سے زیادہ اس کے پتھریلے اور سپاٹ تاثرات کو نوٹس کیا تھا۔۔۔وہ سائیکالوجی کے استاد تھے۔۔۔چہرے پڑھنا ان کا شوق ہی نہی مضمون کی مجبوری بھی تھی۔۔۔وہ کم و بیش ہزاروں طلباء کو پڑھا چکے تھے اور انہیں کئی طلباء اب بھی یاد تھے جن کو انہوں نے نفسیاتی گرداب سے نکالا تھا۔۔۔یہ کام وہ سعادت جانتے تھے۔۔۔وہ کسی بھی طالبعلم کی ذہنی ابتری کو اس کی پوری شخصیت کی خرابی کی بنیاد سمجھتے تھے اور زین اکبر میں انہیں ایسی ہی خرابی ہوتی صاف دکھائی دی تھی۔۔۔چند دن انہوں نے اسے ٹٹولا تھا، نگاہوں سے باتوں سے اور پھر اس کے قدم سے قدم ملا لیے۔۔۔!

وہ سر جھکائے لائبریری جا رہا تھا جب سر عبدالجبار بھی خاموشی سے بنا چاپ اس کے پیچھے چلتے گئے۔۔۔زین ایک کرسی کھینچ کر کہنیاں ٹیبل پر ٹکا کر بیٹھ گیا۔۔۔سر عبدالجبار اس سے کچھ فاصلے پر ٹیبل پر رکھا میگزین پڑھنے کے بہانے بیٹھ گئے تھے۔۔۔میگزین کی آڑ سے انہوں نے زین کو دیکھا تو وہ یک ٹک سامنے سائینس اور میڈیکل سے متعلق کتابوں سے بھرے شیلف کو دیکھ رہا تھا۔۔۔سائنس، میڈیسن، ڈسکوریز اور دیگر اسی فیلڈ کی کتابیں۔۔۔!

سر عبدالجبار کی آنکھوں میں حیرت اتری اور پھر جیسے وہ زین کے ذہن کی تہہ میں اتر گئے۔۔۔وہ جگہ سے اٹھے اور میگزین ہاتھ میں لیے اس کے مقابل چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گئے۔۔۔زین ادباً کھڑا ہو گیا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے واپس بیٹھنے کا کہا۔۔۔زین بے آرامی محسوس کرتا

بیٹھ چکا تھا۔۔۔دکھاوے کو اس نے بیگ میں سے سائکالوجی کی کتاب نکالی اور اس پر نظر دوڑانے لگا۔۔۔سر عبدالجبار اسے زیرک نگاہی سے مسلسل دیکھ رہے تھے اور زین کو ان کی نگاہیں کسمسانے پر مجبور کر رہی تھیں۔۔۔

"کتاب الٹی ہے بیٹا۔۔۔الٹی کتابیں سمجھ نہیں آتیں جیسے میلان سے ہٹ کے کچھ پڑھنا عام طور پر فائدہ نہیں دیتا۔۔۔کیا خیال ہے۔۔۔؟"

سر عبدالجبار نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔۔۔زین نے کھسیاتے ہوئے فوراً کتاب کو سیدھا کیا۔۔۔وہ یہاں سے جانے کے لیے پر تولنے لگا۔۔۔سر نے اندازہ لگاتے ہوئے اسے پہلے ہی ٹوک کے راہ مسدود کر دی۔۔۔

"سکون سے بیٹھے رہو زین۔۔۔استاد اور طالبعلم کے درمیان ادب کی آخری حد قائم رہنی چاہیے بس، اس سے پہلے جو ہے وہ سب مباحثے کے لیے ہے، ڈسکس کرنے کے لیے ہے ٭ علم اور سیکھ دینے کے لیے ہے۔۔۔تم مجھ سے علم حاصل کرتے ہو تو میں بھی تم سے کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔سکھاؤ گے کیا۔۔۔؟"

"م۔۔۔مم۔۔۔میں بھلا کیا سکھاؤں گا سر آپ کو۔۔۔میں تو خود ابھی پڑھ رہا ہوں۔۔۔مجھے تو خود ابھی کچھ نہیں آتا۔۔۔!"

"یہی سکھاؤ نا مجھے۔۔۔کہ ان چاہا کیسے پڑھتے ہیں۔۔۔بنا دلچسپی کے علم کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔۔۔!" سر عبدالجبار نے اس کی درست رگ کو یکدم ہی پکڑ لیا تھا۔۔۔زین ششدر سا ان کا منہ دیکھتا رہ گیا۔۔۔سر مسکرائے اور کمر ٹیک کے تسلی سے بیٹھ گئے۔۔۔

"ڈاکٹر بننا چاہتے تھے زین۔۔۔؟" انہوں نے نرمی اور ملاحت سے پوچھا۔۔۔"بولو۔۔۔بتاؤ نا۔۔۔!"

زین انہیں انکار نہیں کر سکا۔۔۔سر اثبات میں ہلا کے جھکا لیا۔۔۔

"اور بن نہیں سکے۔۔۔ہیں نا۔۔۔اسی لیے جو پڑھ رہے ہو اس میں دلچسپی بھی نہیں اور جو پڑھنا چاہتے تھے وہ یقیناً کسی مجبوری کی بنا پر پڑھ نہیں پائے۔۔۔تو کیا ایسے ہی وقت گزار لو گے۔۔۔؟"

"معلوم نہیں۔۔۔" زین کی مردہ سی آواز کچھ پل بعد حلق سے نکلی۔۔۔

”نہی۔۔۔ایسا نہی ہوتا زین۔۔۔ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔۔۔کرنا بھی ہے کہ نہی کرنا۔۔۔اگر تمہیں پڑھنا ہے تو تم پڑھو گے بھلے سے کیسے بھی حالات ہوں اور اگر نہی پڑھنا تو تم لازمی ناکام ہی رہو گے۔۔۔تو اب بتاؤ کیا کوئی اور آپشن ہے تمہارے پاس۔۔۔؟“

سر عبدالجبار نے جھک کے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔۔زین کو لگا جیسے وہ مسمرائز ہو رہا ہے۔۔۔سر کی باتوں نے اس کا دماغ جکڑ لیا ہے۔۔۔وہ انہیں جواب دینا نہی چاہتا تھا لیکن دینے پر مجبور تھا۔۔۔

” آپشن مجھے کبھی دیا ہی نہی گیا سر۔۔۔چوز کرنا کیا ہوتا ہے۔۔؟ کیسا لگتا ہے۔۔۔؟ من مرضی کیا ہوتی ہے اور مرضی کرنا کیسی خوشی دیتا ہے، مجھے نہی معلوم۔۔۔اس لیے آپشن کا میرے پاس کوئی جواز نہی۔۔۔میں بس پڑھوں گا اور یہی پڑھوں گا جب تک کہ مجھے روک نا لیا گیا۔۔۔!“

” اور روکا کیوں جائے گا بھلا۔۔۔؟“

وہ بول رہا تھا تو وہ چاہتے تھے کہ بولتا چلا جائے۔۔۔

” کیوں کہ یہ سب جب میری چوائس بن جائے گا تو اسے اسٹاپ لگا دیا جائے گا۔۔۔جب تک میں اوپری دل سے پڑھوں گا، اچھے مارکس اسکور نہی کروں گا تب تک ان سب کو میرے ساتھ ہی رہنے دیا جائے گا، اس لیے مجھے کچھ بھی نہی پڑھنا بس وقت گزارنا ہے۔۔۔!“

زین کی آواز بھیگ گئی۔۔۔سر عبدالجبار نے بے حد سکون سے اس کی بات سنی تھی جبکہ وہ اندر سے سن ہو گئے تھے۔۔۔زین کا کیس ان کی توقع سے کچھ ہٹے ہوئے ٹریک پر تھا۔۔۔وہ سمجھ گئے تھے کہ اس کے گھر کا ماحول یا اس سے جڑے افراد اس کی خواہشات کے آڑے آئے ہیں اور آتے ہیں۔۔۔اس کی زبان سے نکلا غبار اس کے دل پر جمی کثافت تھا اور اسی میں ہلچل ہو گئی تھی۔۔۔

”تمہیں پتا ہے زین میں پائلٹ بننا چاہتا تھا۔۔۔زوووووووو ممممم۔۔۔ایسے جہاز اڑانا چاہتا تھا میں۔۔۔“ وہ ہتھیلی کو ہوا میں لہرا کے جہاز کی طرح اڑاتے ہوئے بولے۔۔۔زین نے حیرت زدہ نم آنکھوں سے انہیں دیکھا۔۔۔

”لیکن پھر ایک ایسا حادثہ ہوا جس نے میری زندگی کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔۔۔میں بلکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔۔۔یہاں تک کہ ایک بار میں نے خودکشی کی کوشش بھی کی۔۔۔!“

”کیوں۔۔۔ایسا کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ۔۔۔؟“ زین نے انہیں بغور دیکھا جیسے وہ مذاق کر رہے ہوں۔۔۔سر عبد الجبار مسکرائے اور ارد گرد بنظر غائر دیکھ کر انہوں نے اپنی دائیں ٹانگ پھیلائی اور پینٹ کا پائینچہ اوپر تک کھینچ کے زین کو دیکھنے کا اشارہ کیا۔۔۔زین نے نا سمجھی سے نگاہ ڈالی تو شاکڈ رہ گیا۔۔۔سر کی وہ ٹانگ نقلی تھی۔۔۔۔گھٹنے تک۔۔۔بلکل نقلی۔۔۔اسے شدید دھچکا لگا تھا۔۔۔ایسا منظر وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔۔۔سر عبد الجبار اس کے تاثرات کا مزہ لیتے ہوئے پائنچہ نیچے کر کے سیدھے ہوئے اور بولے۔۔۔

”میں اپنے خوابوں کے ساتھ بہت اونچا اڑ رہا تھا۔۔۔کچھ ہی دن میں میں ائیر فورس جی ڈی پی کے لیے اپلائی کرنے والا تھا۔۔۔ہر دم ایکسائیٹڈ اور پر جوش رہا کرتا تھا۔۔۔میری امی کی دوائی ختم ہو گئ تھی۔۔۔محلے کے میڈیکل اسٹور سے پتا کی لیکن نہی ملی تو بائیک لے کر نکل گیا۔۔۔جہاں سے دوائی لانی تھی وہاں راستے میں پل آتا تھا۔۔۔میں کچھ اوور اسپیڈ تھا یا میری قسمت خراب تھی کہ پل پر گریس آئل گرا ہوا تھا۔۔۔اس پر سے میری بائیک سلپ ہوئی اور میں پوری طاقت سے گرنے کے بعد ٹائر کی طرح اچھل کر پل سے نیچے جا گرا۔۔۔نیچے کس چیز پر گرا یاد نہی سوائے اس کے کہ میری ٹانگ مجھے ایسا لگا کہ چیتھڑوں میں بٹ گئ تھی۔۔۔کہاں کہاں چوٹ آئی ،سب کو ٹانگ میں ہونے والی شدید تکلیف نے بھلا ڈالا۔۔۔جب ہاسپٹل میں ہوش آیا تو میری ٹانگ کٹ چکی تھی۔۔۔پورا ہاسپٹل میری چیخوں سے گونجتا رہا اور میرے گھر والے مجھے سنبھالنے میں ہلکان ہوتے رہے۔۔۔اس کے بعد مجھے لگا جیسے میرے لیے زندگی ختم ہو گئ ہے۔۔۔مجھے زندہ رہ کر اب کرنا ہی کیا ہے۔۔۔میں گھر کی چھت پر چڑھا اور پشت کے بل بنا نیچے دیکھے پیچھے کو الٹ گیا۔۔۔میری ماں کی دعائیں تھیں جنہوں نے مجھے حرام موت مرنے سے بچا لیا اور میں سیدھا والدہ کی ڈھیر کی ہوئی گندم پر جا گرا جس پر گرنے سے مجھے چوٹیں تو ضرور آئیں لیکن کوئی بڑا نقصان نہی ہوا۔۔۔میری والدہ میری اس حرکت سے بہت دلبرداشتہ ہوئیں اور بلک بلک کر روتی رہیں۔۔۔اس دن کے بعد سے وہ میرا سایہ بن گئیں۔۔۔انہوں نے میرے ساتھ خود

کو جوڑ لیا۔۔۔دن رات میری خدمت سیوا اور دلجوئی میں انہوں نے اپنا وقت صرف کرنا شروع کر دیا۔۔۔میں خود کو سنبھالنے کے معاملے میں بے بس تھا لیکن والدہ نے بڑی محبت سے میری برین واشنگ کرنا شروع کی۔۔۔وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں مگر میری رگ رگ سے واقف تھیں۔۔۔انہیں میری کمزوری اور طاقت دونوں پر پکڑ تھی۔۔۔اور پھر انہوں نے میری کمزوری کو طاقت میں ڈھالنا شروع کیا۔۔۔وہ صبح صبح مجھے پارک میں لے جانے لگیں جہاں مجھ سے باتیں کرتیں وہ آتے جاتے لوگوں کو مجھے دکھا کر پوچھا کرتیں۔۔۔"تمہیں کیا لگتا ہے عبدالجبار کہ وہ جو آدمی اتنے اچھے حلیے میں درخت کے نیچے بیٹھا مسلسل سگریٹ پی رہا ہے وہ یقیناً بیوی سے لڑ کر نکلا ہے۔۔۔دیکھو تو کیسے ادھ پی سگریٹ مسل کر پھینک دیتا ہے اور اگلی جلا لیتا ہے۔۔۔یہ بیوی کا غصہ ہے جو سگرٹوں پر نکل رہا ہے۔۔۔کیا کہتے ہو۔۔۔؟"

وہ سمجھ کے مطابق جواز دیتیں اور میں بے اختیار اپنی رائے دیتا۔۔۔

"نہیں امی۔۔۔یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا دفتری مسئلہ ہو۔۔۔کاروباری ٹینشن ہو۔۔۔دیکھیں نا اتنا سوٹڈ بوٹڈ سا پارک میں آ کر بیٹھا ہوا ہے بجائے اس کے کہ آفس میں ہوتا تو شاید کوئی آفس سے متعلق مسئلہ ہو گا۔۔۔!"

امی مجھے معنی خیزی سے دیکھ کر ہنکارا بھرتیں۔۔۔

"اچھا وہ جو دو عورتیں آ رہی ہیں برے برے منہ بنا کر باتیں کرتی۔۔۔وہ تو یقیناً شوہروں کی برائی کر رہی ہیں۔۔۔!"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا بہوؤں سے بیزار ہوں۔۔۔!" میں ہنس کے بولا۔۔۔"دونوں جس عمر کی ہیں یقیناً ساس بن چکی ہوں گی تو اس عمر میں عورتوں کے رونے میاں کی برائیوں سے بہوؤں کے عیبوں تک کا سفر کر لیتے ہیں۔۔۔!"

"ہوں۔۔۔تمہیں کیسے پتا کہ تم صحیح کہہ رہے ہو یا میں۔۔۔!"

"مجھے یہ نہیں پتا۔۔۔بس میرا تجزیہ ہے۔۔۔چہرے کے تاثرات بولتے ہیں امی اور میں نے بس تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بات کہی ہے۔۔۔ہو سکتا ہے، میں نہیں آپ ٹھیک ہوں۔۔۔!"

میں اپنی دھن میں بولتا جا رہا تھا اور امی مجھے بغور دیکھتے ہوئے انہماک سے سن رہی

تھیں۔۔۔جب میں خاموش ہوا تو انہوں نے محبت سے میرا ہاتھ تھاما اور بولیں۔۔

" عبد الجبار۔۔۔تم چہرے پڑھا کرو۔۔۔جب ایسا کرو گے تو تمہیں اپنی زندگی سے پیار ہو جائے گا کیونکہ دوسروں کے چہرے ان کا غم اور دکھ بتائیں گے اور جب تم ان دکھوں کو پڑھو گے تو اپنے دکھ ہلکے لگیں گے۔۔۔تم اوروں کی دلجوئی کا سامان بن سکتے ہو۔۔۔تم دوسروں کو خوش کرنے کی جستجو میں لگ جاؤ گے۔۔۔پھر تمہیں پتا چلے گا کہ زندگی کتنی پیاری ہے۔۔۔یہ محض ایک ٹانگ کٹ جانے سے ختم نہی ہو سکتی۔۔۔بلکہ تمہیں اپنے نامکمل وجود کا استعمال مثبت انداز میں کرنا چاہیے۔۔۔آج تمہاری ماں اگر تمہاری سوچ بدلنے میں کامیاب ہو گئی تو کل کو تم کسی اور عبد الجبار کو زندگی کی جانب لا سکتے ہو۔۔۔امنگوں کو جگا سکتے ہو، حوصلوں کو بڑھا سکتے ہو۔۔۔بس اپنے دکھوں پر رونے سے پہلے دوسروں کے دکھ ٹٹول لو۔۔۔!"

امی کی باتیں ایک نئی سوچ بن کے میرے دل و دماغ میں کلبلانے لگیں۔۔۔میں مایوسی کے عالم میں انہیں دبانے کی کوشش کرتا کیونکہ میں اپنے صدمے کو سینے سے لگائے رکھنا چاہتا تھا۔۔۔میں ابھرنا نہی ڈوب جانا چاہتا تھا لیکن امی میرا سایہ بن گیئں۔۔۔انہوں نے دن رات میرے لیے وقف کر دیے اور اس انداز سے میرا مزاج قابو کیا کہ میں مجبور ہو گیا اپنی زندگی کا نئے سرے سے آغاز کروں۔۔۔اپنا مقصد بدلوں، اپنا نظریہ بدلوں۔۔۔!"

زین بے حد انہماک سے سر عبد الجبار کی داستان سن رہا تھا جیسے اس کے سر پر کبوتر بیٹھا ہو۔۔سر نے اس کے سامنے ٹیبل پر ناک کیا اور بولے۔۔۔

" کچھ سمجھ آیا آپکو جناب اس تمام سرگذشت کا لب لباب۔۔۔؟"

" جی۔۔۔آیا۔۔۔وہ یہ کہ آپ کی ناکامی کو کامیابی میں بدلنے والے پل کا نام" ماں" ہے۔۔۔لیکن بدقسمتی سے سر میرے پاس یہ رشتہ تو ہے لیکن میری ماں کو میری ناکامی یا کامیابی سے کوئی غرض نہی۔۔۔!"

سر عبد الجبار کو اس سے کسی ایسے ہی جواب کی امید تھی۔۔۔اس لیے وہ کھل کر مسکرائے اور بولے۔۔۔

" ماں نا سہی۔۔۔کوئی تو ہو گا نا جسے تمہاری کامیابی خوش کرتی ہو گی اور ناکامی دکھ دیتی ہو گی۔۔۔ایسا کبھی نہی ہوتا کہ ہمیں کوئی پیار کرنے والا نا ہو۔۔۔بات محض اتنی ہوتی ہے کہ ہم گردن اٹھائے

ادھر ادھر نگاہ گھماتے اپنے حصے کی محبت ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں جبکہ وہ سرنہیوڑائے ہماری جھولی میں پڑی ہوتی ہے۔۔۔تمہاری زندگی میں بھی کوئی نا کوئی تو لازمی ہوگا زین جسے تم سے پیار ہوگا۔۔۔!"

اور زین کے تصور میں خود سے گلے لگ کے روتا باپ اور دروازے کے پیچھے چھپ کر اس کی خاطر آنسو بہاتی زویا آ گئی۔۔۔وہ خفیف سا ہو کر سر جھکا گیا لیکن جواب میں بولا کچھ نہی۔۔۔اور پھر اس دن کے بعد سے سر عبدالجبار نے جیسے اس کا پیچھا لے لیا۔۔اسے اپنی کلاس میں انوالو رکھنے کے لیے انہوں نے ہر حربہ آزمایا اور بلآخر وہ کامیاب ہو گئے۔۔۔زین کی توجہ ایک بار پھر پڑھائی کی جانب مبذول ہونے لگی۔۔۔وہ مظلومیت کے خول کو چٹخانے میں کامیاب ہوتا چلا گیا۔۔سر عبدالجبار نے اس کا اپنی ذات پر اعتماد بحال کیا۔۔۔زین جو ایک بار پھر اپنے بچپن کے فیز میں لوٹ چکا تھا جب وہ خضر کے خوف میں مبتلا رہا کرتا تھا، اس سے ابھر کر اب گھر میں کھل کر سانس لینے لگا تھا۔۔۔وقت پلٹ نہی سکتا تھا، وہ ڈاکٹر نہی بن سکتا تھا لیکن جو وہ بن سکتا تھا اس کے لیے کوشش کرنا اس کے ہاتھ میں تھا اور اس نے اپنی جان لڑا دی۔۔۔خضر آڑے آیا یا امی نے ڈپٹا، اس نے آنے والے کئی سالوں تک کانوں میں تیل ڈال لیا۔۔۔اکبر صاحب اس کے اندر آنے والی اس تبدیلی سے بے حد مطمئن تھے اور اس کی مکمل پشت پناہی کرنے لگے۔۔۔!

"کبھی کبھی انسان کو کھڑا ہونے کے لیے کسی دوسرے کے سہارے کی نہی اندرونی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔کھڑے کے ساتھ پھر دو اور کھڑے ہو ہی جاتے ہیں۔۔۔اٹھے قدم کے ساتھ کسی کے قدم مل ہی جاتے ہیں۔۔۔!"

زین نے مڑ کر نہی دیکھا۔۔۔اس نے شاندار نمبروں سے بی ایس سی کیا اور پھر سائیکالوجی میں ایم ایس سی کرنے کے بعد ایم فل میں داخلہ لیا تو خاندان بھر میں اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔۔۔ہر چھوٹا بڑا اس کی مثالیں دیتا تھا اور لڑکیوں کی ماؤں نے اس سے التفات دکھانا شروع کر دیا تھا۔۔۔سعدیہ کے لیے یہ صورتحال عجیب ترتھی۔۔۔نا وہ زین کو ٹوک پاتیں نا روک سکتی تھیں لہذا اس کی کامیابیوں کا سہرا اپنے سر پر سجانا شروع کر دیا۔۔۔ہر ایک کے منہ سے نکلتے تعریفی کلمات کے تمغے اپنے سینے پر

سجانے شروع کر دیے اور زین کو اس سے بھی مسرت ہی حاصل ہوئی تھی۔۔۔وہ اپنی ماں کے لیے فخر کا سبب بنتا اس سے بڑی خوشی اسے بھلا کیا مل سکتی تھی۔۔۔اکبر صاحب کے لیے وہ قابل فخر بیٹا بن گیا تھا۔۔خضر کی حالت دیدنی تھی۔۔۔وہ بے حد گھسٹ گھسٹ کے ایم بی اے کر پایا تھا اور ہنوز نوکری کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔۔۔ملتی تھی تو اس کے ناک پر نا بیٹھتی اور جیسی چاہیے تھی وہ ملتی نا تھی۔۔۔زین کو دیکھتا تو دماغ کی کھولن سوا ہو جاتی۔۔۔وہ جتنا زیادہ زین کو نیچا دھکیل سکتا تھا اس نے دھکیلا تھا۔۔۔یہ کرتے کرتے وہ بچے سے بڑا ہوا تھا اور اس اونچ نیچ کے چکر میں وہ خود اخلاقی پستیوں میں جا گرا تھا۔۔بچپن میں اس نے زین کو کبھی اونچ نیچ کا پہاڑ کھیلنے نہیں دیا تھا۔۔۔زین اونچ پر کبھی نا چڑھ پائے اس میں اس کی نفسیاتی تسکین تھی۔۔۔لیکن وقت ہولے ہولے بازی پلٹ رہا تھا۔۔۔ایک کھیل پر تو وہ کنٹرول رکھ سکتا تھا لیکن وہ کھیل جو قسمتیں کھیلتی ہیں، اس کے اختیار سے باہر تھا۔۔۔وہ چھوٹے چھوٹے میدانوں میں زین کو پچھاڑتا رہا اور زین بڑے محاذ پر سبقت لے گیا۔۔۔اس نے زین کو ڈاکٹر نا بننے دیا کہ اس طرح وہ ہر طرف چھا جائے گا لیکن زین جس لائین میں چلا گیا وہاں ابھی سے اس کی شہرت پھیل رہی تھی۔۔۔اسے کالجز اور بڑے اداروں سے جاب کی آفرز ملنا شروع ہو چکی تھیں۔۔۔ایم فل مکمل کرنے تک اس نے جاب کی بھی، تا کہ اپنا تمام خرچ خود اٹھا سکے۔۔۔اور جس دن شہر کے بہترین کالج میں اس کی بطور اسسٹنٹ پروفیسر تقرری ہوئی اس دن خضر نے اپنے کمرے کی ہر چیز الٹا کے رکھ دی تھی۔۔۔سعدیہ اپنے لاڈلے کی حالت کے پیش نظر سر پر دوپٹہ باندھ کر کروٹ لیے لیٹ گئیں تھیں کہ زین کی خوشی میں خوش ہوتا دیکھ کر خضر سہہ نہیں پائے گا اور مزید دلبرداشتہ ہوگا۔۔۔اکبر صاحب نے نئی نکور گاڑی کی چابی زین کے حوالے کی تو اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔۔۔ماضی اس کی پشت پر بھلے اذیتیں داغ گیا تھا لیکن اس کے حال نے اس کی چھاتی پر سنہری تمغے سجا دیے تھے۔۔۔!

اس رات خضر کمرے میں کرسی پر جھولتا پل پل سلگتا رہا تھا۔۔۔حسد کرنے والے کا حال اس بچھو کی طرح ہے جس کے ارد گرد آگ لگا دو تو وہ خود کو ہی ڈنک مار کے اپنا خاتمہ کر لیتا ہے۔۔۔!

☆......☆......☆

روزانہ کی طرح وہ بہت سویرے جاگ گیا تھا۔۔۔فجر کی نماز کے بعد قرآن پڑھنے کی عادت اسے دادی نے ڈالی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد اس میں وقفہ آگیا اور پھر ایک وقت آیا کہ وہ دوبارہ سے خود کو منظم کرنے میں کامیاب ہوا تو اس نے سب سے پہلے نماز کو لازم کرلیا۔۔۔جب اسے سننے والا کوئی نا ہوتا تو اس وقت اس کے لیے نماز ہی جذباتی اور روحانی سہارے کا کام کرتی تھی۔۔۔!

اس نے قرآن پاک رحل میں رکھا اور اٹھ کر کھڑکی کے قریب چلا آیا۔۔۔باہر ہلکی ہلکی ہوا کے بلکورے تھے اور پل پل تیز ہوتی روشنی۔۔۔یہ منظر دیکھنا اسے اچھا لگتا تھا، یوں محسوس ہوتا جیسے تمام دن خوبصورت گزر جائے گا۔۔۔اس نے کھڑکی کے پٹ مکمل کھول کر تھوڑی سی گردن باہر نکالی تو ایک طرف لان چیئر پر ابو بیٹھے دکھائی دیے۔۔۔وہ مسکرا دیا۔۔۔روز کی طرح وہ اس سے پہلے وہاں موجود تھے۔۔۔وہ بالوں میں انگلیاں چلاتا باہر چلا آیا۔۔۔ابو اسے دیکھ کر مسکرائے اور ہاتھ میں تھاما باسی اخبار ٹیبل پر رکھ کر اسے شفقت سے دیکھنے لگے۔۔۔وہ سلام کرتا دوسری کرسی پر ادب سے بیٹھ گیا۔۔۔

"ابو تھوڑی بہت واک شاک کیا کریں اس وقت۔۔۔یہیں لان میں ہی۔۔۔ڈاکٹر نے تنبیہہ کی تھی آپ کو۔۔۔لاسٹ چیک اپ میں آپ کا کولیسٹرول لیول بہت ہائی تھا۔۔۔خیال رکھیں اپنا۔۔۔!"

وہ گھٹنوں پر دونوں کہنیاں ٹکا کر تھوڑا آگے کو جھک کر اکبر صاحب سے مخاطب ہوا۔۔۔جواب میں وہ دونوں آنکھیں میچ کر مزاقاً گویا ہوئے۔۔۔

"کیا کرنا ہے اب خیال رکھ کے۔۔۔عمر گزر گئی۔۔۔اب تو بونس پہ گزرنی ہے بیٹا۔۔۔!"

"ایسا نہیں کہتے۔۔۔اللہ آپ کو لمبی عمر دے۔۔۔اور بونس کیوں بھلا۔۔۔بڑے بھائی لگتے ہیں میرے۔۔۔ابھی تو ہم دونوں کو مل کر دنیا دیکھنی ہے۔۔۔بس میں اور آپ۔۔۔!" وہ اپنائیت سے باپ کا ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا اور اکبر صاحب کی آنکھیں بیٹے کی محبت پر جھلملا گئیں۔۔۔انہیں یاد نہیں تھی کوئی ایک بھی نیکی لیکن زین ان کی کسی نیکی کا اجر تھا۔۔۔یا پھر ان کی ماں کی دعا۔۔۔!

"کالج کے لیے کب تک نکلنا ہے تم نے۔۔۔؟" انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال کر چشمے کے پیچھے سے اپنی گیلی آنکھوں کو مسلا اور پوچھا۔۔۔زین نے چہرہ اونچا کر کے آسمان پر نگاہ

دوڑائی اور پر سوچ لہجے میں بولا۔۔۔

"ہمم۔۔۔۔آج تو دیر سے جاؤں گا۔۔۔پہلا لیکچر دس بجے کے بعد ہے بس اسی وقت لگ بھگ۔۔۔!"

"تو پھر مجھے بھی چھوڑ دینا راستے میں عارف کی طرف۔۔۔بڑے دن ہو گئے اس سے گپ شپ کیے۔۔۔دوپہر وہیں لگاؤں گا میں۔۔۔شام کو اتار جائے گا مجھے۔۔۔!" انہوں نے اپنے دوست کا نام لیتے ہوئے تفصیل سے کہا تو زین بھنویں اچکاتا بولا۔۔

"امی کو برا لگے گا ابو۔۔۔آپ کو پتا ہے نا انہیں انکل عارف نہیں پسند۔۔۔اور آپ پورا دن گزارنا چاہ رہے ہیں۔۔۔بدمزگی ہو جائے گی ابو۔۔۔!"

"انہیں پسند ہی کون ہے بیٹا۔۔۔سوائے اپنے لاڈلے کے۔۔۔چھوڑو اسے۔۔۔جو کہا ہے وہ کرو نہیں تو چلا جاؤں گا خود ہی میں۔۔۔!" وہ روٹھے لہجے میں بولے تو زین نے جھٹ سے ان کا گھٹنا تھاما۔۔

"جی نہیں۔۔۔میں ہی چھوڑ دوں گا آپ کو۔۔۔ناراض نا ہوں۔۔۔میں نے بس ویسے ہی کہا تھا۔۔۔آئیں ناشتہ واشتہ کرتے ہیں نا مل کر پھر نکل چلیں گے دونوں باپ بیٹا۔۔۔پکا۔۔۔!" وہ ہلکی سی آنکھ دباتا ہوا ان سے کہہ رہا تھا۔۔۔اکبر صاحب کو اس پر بہت پیار آیا۔۔۔جب سے نوکری کرنے لگا تھا اس نے لاشعوری طور پر ماں باپ کو لاڈلی اولاد کی طرح ٹریٹ کرنا شروع کر دیا تھا۔۔۔ناز اٹھانا۔۔۔بات رد نا کرنا۔۔۔من پسند چیزیں لانا۔۔۔اور دونوں سے اظہار میں کوئی "فرق" نا کرنا۔۔۔بنا کسی صلے کے وہ اسی روٹین پر چل رہا تھا۔۔۔اکبر صاحب کو صحیح معنوں میں اس پر فخر تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

صبح کے ساڑھے آٹھ کا وقت تھا اور سعدیہ کسی گہری سوچ میں گم ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔۔۔ملازمہ ایک ایک کر کے ناشتے کے لوازمات میز پر سجا رہی تھی۔۔۔یہ کل وقتی ملازمہ زین نے خاص ماں کے لیے رکھوائی تھی اور انہیں اس کی وجہ سے بہت آرام تھا۔۔۔زدیا کالج جا چکی تھی اور اکبر صاحب خاموشی سے تازہ اخبار ایک ہاتھ میں تھامے دوسرے سے سلائیس میں آملیٹ رکھے کھا رہے

تھے۔۔۔سعدیہ ہر کچھ دیر میں انہیں گھورتیں اور پھر کچھ کہتے کہتے چپ کی چپ رہ جاتیں۔۔۔اکبر صاحب جانتے تھے کہ ان کے اندر کیا چل رہا ہے لیکن وہ انہیں جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے تھے۔۔۔اسی اثناء میں زین نک سک سے تیار وہاں چلا آیا۔۔۔آف وائٹ فارمل شرٹ کے ساتھ بلیک ڈریس پینٹ پہنے وہ مکمل رعب داب کے ساتھ یونیورسٹی جانے کے لیے تیار تھا۔۔۔سعدیہ نے فطری محبت سے بیٹے کو دیکھا۔۔۔وہ ان کا فرمانبردار بیٹا تھا۔۔۔ان کی ہر ہر بات مانتا تھا۔۔۔اپنی پوری تنخواہ لا کر ان کی ہتھیلی پر رکھتا اور پھر اپنی ضرورت کے لیے پیسے ان سے مانگتا۔۔۔انہیں بے حد عزت و احترام دیتا تھا۔۔۔وہ اس سے محبت کرتی تھیں کیونکہ ان کی اولاد تھا لیکن۔۔۔۔یہ لیکن تبھی آتا جب سامنے خضر آجاتا۔۔۔اس وقت بھی ان کی سوچوں میں جو کچھ چل رہا تھا اس میں بھی آمنے سامنے خضر اور زین ہی آچکے تھے۔۔۔اور لازمی امر تھا کہ وہ خضر کے لیے زین سے بہتر ہی سوچ رہی تھیں۔۔۔

زین ماں کو تفکر میں ڈوبا دیکھ کر پوچھے بنا نہیں رہ سکا۔۔۔

"امی۔۔۔کیا بات ہے۔۔۔اتنی چپ کیوں ہیں۔۔۔خیر تو ہے۔۔۔؟"

سلائس پر آملیٹ کا ٹکڑا رکھ کے اس نے اسے ایک فولڈ دیتے ہوئے پوچھا۔۔۔اکبر صاحب نے زور سے اخبار کو جھٹکا۔۔۔یہ اشارہ تھا کہ وہ زین کے سامنے خاموش رہیں، بعد میں بات ہو گی۔۔۔سعدیہ سمجھتے ہوئے زبردستی مسکرائیں اور جواب دیا۔۔۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔۔۔بس خضر کی جاب کو لے کر پریشان ہوں۔۔۔ایسی ہائی فائی ڈگری ہوتے ہوئے بھی میرا بچہ خجل خوار ہو رہا ہے۔۔۔نوکریاں تو جیسے اس سے دشمنی کیے بیٹھی ہیں۔۔۔کوئی مل کر نہیں دیتی۔۔۔!"

زین نے ماں کو سنجیدگی سے دیکھا اور مدبرانہ تسلی دی۔۔۔

"مل جائے گی امی۔۔۔میں نے کی ہے ایک دو اور لوگوں سے بات۔۔۔جلدی بتائیں گے کچھ۔۔۔فکر نا کریں۔۔۔!"

"کیسے نا کروں۔۔۔وہ تمہیں دیکھ دیکھ کر کڑھتا رہتا ہے بیٹا۔۔۔اسے اپنی اعلیٰ ڈگری کا دکھ ستاتا رہتا ہے کہ آخر تمہارے سے زیادہ ویلیو ہے اس کے پڑھے ہوئے کی لیکن بجائے اس کے کہ بڑا بھائی

سیٹ ہو جاتا، ماشاءاللہ سے تم ہو گئے۔۔۔اب خود سے چھوٹے کو دیکھ کر بھی تو ہو گا ناوہ۔۔۔!"

زین نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن اکبر صاحب بیچ میں کود پڑے۔۔

"کیوں دکھی ہو رہا ہے وہ۔۔۔وہ اور اس کے دکھ ہونہہ۔۔۔!۔۔۔دماغ میں خناس بھر رکھا ہے تم نے اس کے۔۔۔زین نے دو نوکریاں لگوائی ہیں لیکن تمہارے لاڈلے کو وارا ہی نہی کھاتا کچھ۔۔۔کبھی تنخواہ تو کبھی سیٹ۔۔۔کبھی باس تو کبھی اسٹاف۔۔۔وہ درحقیقت چپڑاسی کی نوکری کے لائق ہے۔۔۔چار دن کرے نا تو اوقات اور عقل جگہ پر پہنچ جائیں اور یہ کس نے کہہ دیا تم سے کہ اس نے زین سے اچھی ڈگری لی ہے۔۔۔مر مر کے ایم بی اے کیا ہے اس نے اور زین ایم فل کر چکا ہے بیگم صاحبہ۔۔۔اسٹنٹ پروفیسر ہے وہ اور فارن انسٹیٹیوٹس سے آفرز اسے ہیں، خضر کو نہیں۔۔۔اب دوبارہ میرے سامنے خضر کے رونے مت رونا۔۔۔سمجھیں۔۔۔"!

سعدیہ اور زین نے دم سادھ رکھے تھے۔۔۔اکبر صاحب اب اکثر ایسے ہی غصے میں آجایا کرتے تھے اور یہ غصہ زیادہ تر خضر اور بیوی کے لیے ہی ہوا کرتا۔۔۔زین کو ماں کا ستا چہرہ دیکھ کر شرمندگی نے گھیر لیا۔۔۔اس نے جلدی سے ناشتہ ختم کیا اور چائے کا کپ ہاتھ میں تھام کر اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

"یہ میں کمرے میں پی لیتا ہوں۔۔چیزیں کلیکٹ کرلوں۔۔۔"

اس نے مگ کی جانب ابروؤں سے اشارہ کیا اور اکبر صاحب سے مخاطب ہوا۔۔۔

"ابو آپ تیار ہو جائیں۔۔۔نکلتے ہیں تھوڑی دیر میں اور اتنا ہائپر ہونا آپ کی صحت کے لیے اچھا نہی ہے۔۔۔"

پھر وہ ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔"اور امی آپ پریشان نا ہوں۔۔۔ہو جائے گا بندوبست۔۔۔ابو بھی خضر کی جاب کو لے کر ٹینس ہیں۔۔۔بس آپ اسے بھی سمجھائیں تھوڑا کہ جگہ بنانے میں وقت لگتا ہے۔۔۔پروموٹ ہونے کے لیے کارکردگی دکھانی پڑتی ہے۔۔۔کوئی بھی جاتے ساتھ ہی چیف نہی بنا دیتا۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔پریشان نا ہوں۔۔۔چلتا ہوں دیر ہو رہی ہے۔۔۔اور زویا کو میں واپسی پر کالج سے پک کرلوں گا۔۔۔اوکے۔۔۔اللہ حافظ۔۔۔!"

اس کے نکلتے ہی اکبر صاحب نے شاکی نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔۔۔

"اشارہ کیا تھا نا چپ رہنا۔۔۔کیوں اسی کا دل ملا ہوا ہے تم دونوں ماں بیٹے کو دکھانے کے لیے۔۔۔؟"

"تو اصل مسئلہ کہاں بولا میں نے۔۔۔وہ بات تو کوئی اور ہے۔۔۔!" سعدیہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے سکون سے کہا تو اکبر صاحب سلگ گئے۔۔۔

"واہ یعنی کہ ابھی چھری پھیرنی باقی تھی۔۔۔پھیرو پھر۔۔۔!"

سعدیہ نے کپ میز پر واپس رکھتے ہوئے ان کی جانب جھکتے ہوئے شروعات کی۔۔۔

"وہ آپ کو پتا ہے ناز نیرہ آ رہی ہے اٹلی سے۔۔۔!"

زنیرہ ان کی نند تھیں اور شادی کے بعد سے اٹلی میں مقیم تھیں۔۔۔

اکبر صاحب ان کی بات کے جواب میں استفہامیہ انہیں دیکھتے ہوئے بولے

"مجھ سے ہی پتا چلا ہے تمہیں اس کے آنے کا۔۔۔اب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔۔۔؟"

"اکبر۔۔۔دیکھیں مجھے غلط مت سمجھیے گا۔۔۔" سعدیہ نے ان کے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ جمایا۔۔" آپ اس سے خضر کے لیے بات کریں نا۔۔۔دیکھیں نا وہ بڑا ہے اور پھر پہلا نمبر اسی کا ہونا چاہیے۔۔۔وہ پہلے ہی کافی زود رنج رہتا ہے اور ایسے میں اگر زین کے بارے میں جب اسے معلوم ہوگا تو اس کا دل زخمی ہو جائے گا۔۔۔میرے لیے میری اولاد برابر ہے لیکن میں انصاف کی قائل ہوں اکبر۔۔۔میں نہیں چاہتی کہ کل کو ہماری اولاد میں ان باتوں کو لے کر اختلاف ہو۔۔۔اس لیے آپ خضر کی بات کریں۔۔۔میں ناانصافی نہیں کر سکتی اکبر۔۔۔!"

اکبر صاحب طیش سے کرسی پرے دھکیلتے اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔

"یہ بولو کہ تم بس خضر کے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکتی۔۔۔کسی اور کے لیے تمہیں ترازو دکھائی ہی کہاں دیتا ہے۔۔۔ایک بات کہوں سعدیہ بیگم۔۔۔" وہ دونوں ہتھیلیوں کے بل پر میز پر جھکے۔۔"تمہیں خضر کو برباد کر دینے کا جنون ہے۔۔۔تمہاری جنونی محبت اسے کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔۔۔لکھ لو میری

بات۔۔۔اور دوسری بات اگر زنیرہ نے زین کی لیے کہا ہے تو زین ہی کی بات ہوگی۔۔۔اور اس بار بھلے سے خضر کچھ بھی کھالے۔۔۔بہت ہوا یہ تماشا۔۔۔!"

وہ کہہ کر غصے میں وہاں سے نکلتے چلے گئے۔۔۔

"میں بھی دیکھتی ہوں میرے خضر کی خوشی کون چھینتا ہے۔۔۔میری لاش پر سے گزرنا ہوگا سب کو۔۔۔!"

سعدیہ نے تلخی سے بڑبڑا کے میز پر پڑا چائے کا کپ اٹھا کر پرچ میں زور سے پٹخا۔۔۔کپ ترخ گیا۔۔۔قطرہ قطرہ چائے کپ کی دراڑ سے رستی ہوئی پرچ میں جمع ہونے لگی۔۔۔!

☆......☆......☆

دن کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔۔۔کمرے میں تیز میوزک اور دھواں مدغم ہو رہا تھا۔۔۔کوئی شے جگہ ٹھکانے پر نہیں تھی۔۔۔یوں لگتا تھا جیسے ابھی یہاں کشتی ہوئی ہو لیکن ایسا کچھ نہیں تھا بلکہ یہ اس کمرے کی عمومی حالت تھی۔۔۔دیواروں پر مرد ریسلرز کے پوسٹرز اور عورتوں کے نیم برہنہ پوسٹرز کمرے کے مالک کے ذوق کا پتا دیتے تھے۔۔۔فرش پر جا بجا سگریٹ کے ٹوٹے پڑے تھے۔۔۔اپنے بیڈ پر الٹی حالت میں لیٹا خضر اکبر ہمدانی کالے رنگ کی بنیان کے ساتھ گرے ڈھیلا سا ٹراؤزر پہنے ہوئے تھا۔۔۔تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور سعدیہ اندر داخل ہوئیں۔۔۔اندر داخل ہوتے ہی وہ فوراً ناک پر ہاتھ رکھ کر کھانسی تھیں۔۔۔ایک نظر خضر کو دیکھ کر وہ کمرے کی کھڑکیوں کی جانب بڑھیں اور پردے ہٹا کر کھڑکیاں کھول دیں۔۔۔ہوا کے تازہ جھونکے اندر داخل ہوئے اور اندر کی گھٹن اور بدبو کو باہر کا روزن ملا۔۔۔سعدیہ نے پلٹ کر ملامت آمیز نگاہ سے سارے کمرے میں کو دیکھا پھر بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔۔۔

"خضر چاند۔۔۔کب تک یوں پڑے رہنا چاہتے ہو۔۔۔دیکھو ذرا کمرے کی حالت۔۔۔!"

مگر تیز میوزک کی آواز میں ان کی آواز چاند کے کانوں میں کیسے پہنچتی۔۔۔وہ آگے بڑھیں اور سسٹم آف کر دیا۔۔۔خضر نے ناگواری سے کہنیوں کے بل اٹھ کر دیکھا۔۔۔ماں کو دیکھ کر بھی اس کی پیشانی کے بل تو نا گئے لیکن تیور مدھم ضرور ہو گئے۔۔۔

"یہ کیا حشر کر رکھا ہے خضر۔۔۔ کمرے میں پیر رکھنے کو جی نہی کرتا۔۔۔!"

"تو نا رکھیں نا۔۔۔ کس نے بلایا ہے۔۔۔!" وہی خود سر اور پتھر پھاڑ لہجہ۔۔۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔۔۔ سعدیہ نیچے کارپٹ سے اس کی کل رات کی اتاری قمیض اٹھاتے ہوئے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔۔۔

"کیوں نا رکھوں۔۔۔ میرے چاند کا کمرا ہے۔۔۔ لیکن کچھ تو سمیٹ کر رکھا کرو۔۔۔ اب دیکھو نا دیواروں پہ کیسے فضول سے پوسٹر لگا رکھے ہیں۔۔۔ روزانہ ایک نئ تصویر کا اضافہ ہوا ہوتا ہے یہاں۔۔۔ گھر میں جوان بہن ہے بیٹا۔۔۔ زویا اسی لیے تمہارے کمرے میں نہی آتی کہ ایک تو وہ کہتی ہے گندا بہت ہوتا ہے دوسرا یہ واہیات سے پوسٹرز۔۔۔ اچھا تو نہی لگتا نا میری جان۔۔۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کے اس کی پیشانی سے بال ہٹائے جسے اس نے نخوت سے جھٹک دیا لیکن سعدیہ کو فرق نہی پڑا۔۔۔

"زویا کو تو بہانہ چاہیے امی۔۔۔ زین کی چمچی۔۔۔ میرے میں تو عیب ہی دکھتے ہیں سب کو۔۔۔ ہر کسی کو زین سے محبت ہے۔۔۔ وہ بھی اسی کے گن گاتی ہے۔۔۔ لعنت ہے ایسی زندگی پہ۔۔۔ میں اسی لیے تو یہاں سے دور چلا جانا چاہتا ہوں۔۔۔!"

"میں کرتی ہوں نا تم سے محبت۔۔۔ ساری دنیا سے زیادہ۔۔۔ اور ماں سے ہی دور ہونے کی بات کرتے ہو۔۔۔ ماں سے کیوں ناراض ہو۔۔۔ اب لڑ تو رہی ہوں تمہاری نوکری کے لیے سب سے۔۔۔ ابھی پھر ناشتے پر بدمزگی ہو گئی تھی۔۔۔ بیٹا زین کی نوکری پسند ہوتی نا تمہیں تو وہی اس سے لے کر دلا دیتی لیکن تمہارا دماغ ہی بہت اونچا ہے۔۔۔ اپنی منوانے کے لیے پہلے تھوڑی سی ماننی پڑتی ہے چندا۔۔۔!"

"کیوں۔۔۔ کیوں مانوں میں کسی کی۔۔۔ اس لیے پیدا نہی ہوا میں کہ غلامیاں کرتا پھروں۔۔۔ اور امی نوکری کی پرواہ کس کو ہے بھلا۔۔۔ آپ کو کہا تھا کہ آپ بات کریں ابو سے، زنیرہ پھپھو کو میرے لیے منانے کی۔۔۔ وہ آپ کر نہی رہیں۔۔۔!"

اس کی آواز بلند ہو رہی تھی اور سعدیہ کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔۔۔ ایسے میں انہیں ہمیشہ گھبراہٹ جیسے خضر کو کچھ ہو نا جائے۔۔۔

"کی ہے۔۔۔کی ہے۔۔۔حوصلہ رکھو۔۔۔وہ ابھی نہی مانے خضر۔۔۔زنیرہ نے بات ہی زین کے لیے کی ہے تو وہ کیسے اپنی بہن کو تمہارے لیے قائل کر لیں۔۔۔صبر لو۔۔۔بار بار کروں گی تو شائد بات بن جائے۔۔۔!"

"میں نہی کر رہا صبر۔۔۔سمجھیں آپ۔۔۔" وہ تن فن کرتا بیڈ سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔۔۔" آپ کو دو دن دے رہا ہوں کچھ کر لیں ورنہ پھر میں کچھ کر لوں گا۔۔۔زنیرہ پھپھو کا داماد بنوں گا تو میں۔۔۔کسی اور کو میں بننے نہی دوں گا خاص طور پر اس زین چھچھوندر کو۔۔۔!"

اس نے غصے سے واشروم کا رخ کیا تو پیچھے سے ماں نے آواز لگائی۔۔۔

"تو الگ سے کوشش کرو نا۔۔۔نینا سے رابطہ کرو۔۔۔اس سے دوستی کرو۔۔۔اسے قائل کر لو کسی طرح تو پھر تمہارے علاوہ پھپھو کا داماد کوئی اور بن ہی نہی سکے گا چندا۔۔۔!"

سعدیہ کی بات سن کر وہ تھما۔۔۔پلٹ کر ماں کو معنی خیزی سے دیکھا اور پھر متاثر ہوتے ہوئے اپنے دماغ کو شہادت کی انگلی سے بجا کر وہی انگلی ماں کی جانب لہرائی اور گنگناتا ہوا واشروم میں گھس گیا۔۔۔سعدیہ فخریہ بیٹے کو دیکھ کے مسکرائیں۔۔۔ہمیشہ کی طرح وہ اولاد میں اونچ نیچ کا کھیل رچانے کے لیے کمر کسنے جا رہی تھیں۔۔۔!

☆......☆......☆

زین اسٹاف روم میں داخل ہوا تو وہاں ایک نیا چہرہ دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔۔۔اس کی آمد کے ساتھ ہی سب نے اسے معمول کے مطابق پر جوش سلام کیا کیوں کہ وہ سبھی سے اچھی دوستی رکھتا تھا۔۔۔اپنے ہاتھ میں تھامی چیزیں اس نے ایک جانب پڑے میز پر رکھیں اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔۔۔مسز وقار سینئر لیکچرار تھیں جن کی بغل میں وہ بیٹھی تھی۔۔۔انہوں نے تعارف کروانے میں پہل کی۔۔۔

"سر زین۔۔۔ان سے ملیے۔۔۔یہ ہیں اسوہ خواجہ۔۔۔نئی لیکچرار اپوائنٹ ہوئی ہیں۔۔۔بہت ٹیلنٹڈ ہیں۔۔۔آپ کی طرح چھوٹی سی عمر میں بڑے بڑے جھنڈے گاڑتے ہوئے یہاں تک کا سفر طے کیا ہے۔۔۔!"

زین متانت سے مسکرایا اور مقابل بیٹھی اس سادہ سی لڑکی کو سر کے اشارے سے سلام کیا۔۔۔جس کے جواب میں اس نے بھی سر ہی ہلا دیا۔۔۔زین کی نگاہ چند پل اس کی نگاہ سے متصادم رہی پھر اس نے واپس ہاتھ میں تھامی کتاب پر نظریں گاڑ دیں۔۔۔سادہ اجلا گندمی چہرہ۔۔۔گالوں پہ سرخی اور اس سرخی پر دکھائی دیتے مدھم سے پمپلز۔۔۔درمیان سے مانگ نکالے آدھے سر کو دوپٹے سے ڈھانپے وہ بہت سوبر اور پرکشش تھی۔۔۔زین نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں سبزی مائل سنہرا پن جھلکتا تھا۔۔۔اور اب سے پہلے اس نے کبھی کسی کے چہرے پہ پمپلز اتنے سجتے نہیں دیکھے تھے۔۔۔زین ایک گہری نظر اس پر ڈالنے کے بعد ساتھ بیٹھے معاشیات کے پروفیسر ظہور احمد کی جانب متوجہ ہو گیا۔۔۔اسے اندازہ نہیں تھا کہ دو گہری سبزی مائل سنہری آنکھوں نے اس کی بے دھیانی کے دوران پورے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

رات دیر تک وہ لیپ ٹاپ پر بیٹھے رہنے کے بعد کمرے کی کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔۔۔باہر بہت پیاری ہوا چل رہی تھی۔۔۔بھرپور انگڑائی لینے کے بعد وہ پنجوں کے بل دوبارا چک کر فریش ہوا اور لان کا رخ کیا۔۔۔ہلکی ہلکی خنک ہوا اور سبزے کی مخصوص خوشبو، اس کی تھکن اتار گئی۔۔۔دن بھر کی سخت روٹین میں اسے خود کے لیے وقت ذرا مشکل سے ملتا تھا۔۔۔وہ پی ایچ ڈی کی تیاری شروع کرنے والا تھا اور اس سلسلے میں ایک بار پھر شدید مصروف ہو گیا تھا۔۔۔وہ لان میں رکھی چیئرز میں سے ایک پر آبیٹھا اور سر جھکا کر اپنے چپل میں مقید صاف ستھرے اور نفیس پیروں کو دیکھتے دن بھر کی روٹین ذہن میں دہرانے لگا۔۔۔ایسے میں سب سے پہلا جو چہرہ تصور میں ابھرا وہ اسوہ خواجہ کا تھا۔۔۔ایسی سادہ لیکن بلا کی پرکشش لڑکی ایک عرصے بعد نوٹس کی تھی۔۔۔ایسا نہیں تھا کہ وہ صنف مخالف کی جانب متوجہ نہیں ہوتا تھا۔۔۔اسے اچھے چہرے، اچھے لگتے تھے۔۔۔ایک خاص حد میں رہتے ہوئے وہ مناسب بات چیت بھی کرتا تھا لیکن اس نے کبھی کسی لڑکی سی دوستی نہیں کی تھی۔۔۔شائد وہ گزشتہ کئی سالوں سے اس قدر مصروف ہو چکا تھا کہ اس جانب دھیان ہی نا گیا تھا۔۔۔کچھ کر دکھانے کا عزم اور جنون اسے دوسری

باتوں کی جانب متوجہ ہونے ہی نہیں دیتا تھا۔۔۔لیکن آج اسوہ خواجہ کا چہرہ اس کی توجہ مبذول کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔۔۔اب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا بس وہ اسے اچھی لگی تھی کہ دل چاہا اس سے بات کرے۔۔۔اس کی آواز سنے۔۔۔بس اور کچھ بھی نہیں۔۔۔شائد!

وہ سوچوں میں گم مسکرا رہا تھا جب اس کے ساتھ والی کرسی پر زویا چائے کے دو بھرے ہوئے مگ لیے آ کر بیٹھی۔۔۔وہ چونکا اور محبت سے بہن کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔۔۔

"تم جاگ رہی ہو لڑکی۔۔۔صبح کالج نہیں جانا کیا۔۔۔؟"

"آپ بھی تو جاگ رہے ہیں۔۔۔آپ نے یونی نہیں جانا کیا۔۔۔؟" زویا نے دوبدو سوال کیا تو وہ کھل کر ہنس دیا۔۔۔زویا نے چائے کا مگ بھائی کی جانب بڑھاتے ہوئے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔۔۔

"مجھے تو خوشی سے نیند نہیں آ رہی۔۔۔آپ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے بھائی۔۔۔!"

زین گھونٹ بھرتے ہوئے چونکا اور حیرانی سے پوچھا۔۔۔

"کیوں جی کیسی خوشی۔۔۔خیریت ہے نا۔۔۔خضر کو جاب مل گئی ہے کیا۔۔۔!" وہ تو سب سے زیادہ اسی خبر سے خوش ہوتا لیکن زویا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔۔۔

"مجھے نہیں پرواہ ان کی جاب شاب کی۔۔۔دن بدن سڑیل ہوتے جا رہے خضر بھائی۔۔۔جس طرح کے ان کے کام کرنے کے طریقے ہیں نا مل ہی نا جائے کہیں۔۔۔!"

"ایسے نہیں کہتے۔۔۔بھائی ہے ہمارا۔۔۔بہن بھائی ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔۔۔!" اس نے ٹوکا تو وہ سر جھٹکتے ہوئے اصل مدعے پر آئی۔۔۔

"فی الحال تو ابو کی بہن اپنے بھائی کی خیر خواہی کرنا چاہتی ہیں۔۔۔!"

"کیا مطلب۔۔۔؟ کون زنیرہ پھپھو۔۔۔؟ وہ کہاں سے آ گئیں بیچ میں۔۔۔!"

"آ نہیں گئیں، آنے والی ہیں اٹلی سے۔۔۔نینا کے ساتھ۔۔۔اس کی اور آپ کی بات پکی کرنے۔۔۔ابو سے رشتہ مانگا ہے انہوں نے آپ کا۔۔۔آپ کی لائقی کی دھوم ملکوں ملکوں پہنچ گئی ہے جناب۔۔۔ابھی بات بڑوں کے بیچ میں ہے۔۔۔دیکھیں بچوں کے بیچ کب طے پاتی ہے۔۔۔!" زویا

آنکھیں پٹپٹاتی ہوئی مزے سے کہہ رہی تھی اور زین سن کا سن بیٹھا رہ گیا تھا۔۔۔چائے کا مگ اس کے ہاتھ میں جھٹکا کھا گیا لیکن وہ سنبھل گیا۔۔۔زویا جوش میں تمام راز افشا کیے جا رہی تھی۔۔۔اور وہ بے نام سی اداسی کے زیر اثر غیر مرئی نقطے کو گھورے جا رہا تھا۔۔۔اگر امی اور ابو رشتہ طے کر چکے تھے تو اس کی رائے عبث تھی خاص طور پر امی کے فیصلے کے آگے۔۔۔!اس نے بے کلی سے سوچا کہ جس تصور کو کچھ دیر پہلے سوچتے وہ اچھا محسوس کر رہا تھا اس کی معیاد اتنی سی تھی۔۔۔!

☆......☆......☆

وہ امی اور زویا کو لے کر شاپنگ مال آیا تھا۔۔۔انہیں موسمی کپڑوں کی خریداری کرنی تھی جس میں سر فہرست خضر کے کپڑے ہوتے تھے۔۔۔اسے کبھی اعتراض نہی ہوا تھا کیونکہ جب وہ اپنی تنخواہ امی کے حوالے کرتا تھا تو بھول جاتا تھا کہ اس پر اس کا اپنا بھی کوئی حق ہے۔۔۔سعدیہ اسے جہاں جیسے چاہے استعمال کرتی تھیں۔۔۔اس نے کبھی پرواہ نہی کی تھی لیکن ابو نے اس چیز کا جلد ہی نوٹس لے لیا تھا۔۔۔ہر ماہ وہ سعدیہ کو زین کی تنخواہ اللے تللوں میں اڑاتا دیکھتے تھے اور پھر خضر بھی دھڑلے سے ماں سے من چاہی رقم جب چاہے اینٹھ لیتا تھا۔۔۔وہ زین کی تنخواہ یوں خضر کی عیاشیوں پر برباد ہوتا دیکھ نہی پا رہے تھے۔۔۔انہوں نے کچھ ماہ تو خاموشی اختیار کی لیکن پھر اگلے مہینے جب زین نے سعدیہ کو پیسے پکڑائے تو ان کے پکڑنے سے پہلے اکبر صاحب نے اچک لیے۔۔۔

"کیا برخوردار۔۔۔کیا صرف ماں کا ہی حق جانتے ہو۔۔۔باپ کا کوئی حق نہی۔۔۔کیا میں نے تمہیں پالا نہی۔۔۔پڑھایا لکھایا نہی۔۔۔؟" اکبر صاحب کے ان جذباتی جملوں پر زین بوکھلا گیا۔۔۔اس کے تو وہم و گمان میں نہی تھا کہ وہ کوئی گلا کر سکتے ہیں۔۔۔وہ شرمندہ ہوتا ہوا بولا۔۔۔

"آپ کا تو حق میں کبھی ادا کر ہی نہی سکتا ابو۔۔۔آپ جتنے چاہے پیسے رکھیں۔۔۔میں بھی آپ کا ہوں اور میری کمائی بھی۔۔۔!"

اکبر صاحب چھاتی چوڑی کیے مسکرا کے بیگم کو دیکھنے لگے جبکہ سعدیہ دانت بھینچے غصہ ضبط کر رہی تھیں۔۔۔اکبر صاحب نے پیسوں میں سے پانچ پانچ ہزار کے چند نوٹ نکال کر اپنی جیب میں ڈالے

اور بقایا سعدیہ کو پکڑاتے ہوئے بولے۔۔۔

"تمہیں میں بھی گھر کے لیے خاصی بڑی رقم دیتا ہوں اس کے علاوہ اتنے بہت ہیں۔۔۔!"

سعدیہ نے ناراضی سے منہ پھیر لیا تو وہ پیسے زین کی جانب بڑھاتے ہوئے حکما بولے۔۔۔

"یہ کل میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا آؤ اگر اتنے ہی فالتو ہیں تو۔۔۔!"

لیکن سعدیہ نے فوراً سے پیشتر ہاتھ بڑھا کر پیسے جھپٹے اور اندر چلی گئیں۔۔زین نے ماں کی پشت دیکھتے ہوئے تاسف سے باپ کو دیکھا تو وہ مزہ لینے والے انداز میں مسکرا رہے تھے۔۔۔انہوں نے جیب میں رکھے نوٹ نکالے اور زین کو دیتے ہوئے بولے۔۔۔

"یہ رکھو۔۔۔انہیں گن لو۔۔۔اب سے اتنے پیسے تم پہلے سے ہی نکال کر باقی رقم ماں کو دو گے۔۔۔اور اسے میرا حکم سمجھنا۔۔۔کیا تمہیں چار لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا نہی ہوتا۔۔۔مہینے کے آخر تک تمہارے پاس پھوٹی کوڑی نہی ہوتی اور ماں سے مانگتے ہو تو وہ بھی ہری جھنڈی دکھا دیتی ہے کیونکہ سارا مہینہ پیسوں کی جھنڈی اپنے لاڈلے کو جو دکھاتی رہتی ہے۔۔۔اس لیے میری بات پر عمل کرنا۔۔!"

زین باپ کی محبت پر دل ہی دل میں نہال ہو گیا۔۔۔اس کے بعد سے ان کے کہنے کے عین مطابق وہ مخصوص رقم اپنی ضرورت کے لیے نکالنے لگا تھا۔۔۔گو کہ اس میں سے بھی زیادہ تر وہ گھر کی چیزوں پر لگا دیا کرتا تھا لیکن اب اسے ذاتی ضرورت کے لیے کمی نہی ہوتی تھی۔۔۔!

مال میں گھومتے انہیں کافی وقت ہو گیا تھا۔۔۔امی نے خریداری تو کر لی تھی لیکن وہ ونڈو شاپنگ کی شوقین بھی تھیں۔۔۔زین بنا ماتھے پر بل ڈالے ماں اور بہن کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔۔۔تبھی اس نے ایک شاپ سے اسوہ خواجہ کو نکلتے دیکھا۔۔۔اس نے بھی زین کو دیکھ لیا تھا۔۔۔دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر سر ہلایا۔۔۔زین کو اچھا نہی لگا کہ وہ بنا سلام دعا کے ٹین ایجرز کی طرح شرماتا گھبراتا آگے نکل جائے جیسے دل میں کوئی چور ہو۔۔۔اس لیے وہ چند لمحوں کے لیے وہیں رک گیا اور سلام دعا کرنے لگا۔۔۔کچھ قدموں کی دوری پر آگے آگے جاتی امی اور زویا بھی ٹھہر گئیں اور پلٹ کر ان کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔۔۔

"مس اسوہ۔۔۔یہ میری امی ہیں اور یہ میری چھوٹی بہن۔۔۔اور امی۔۔یہ اسوہ ہیں۔۔۔میری کولیگ۔۔۔!"

زین نے دونوں جانب سے تعارف کروایا۔۔۔اسوہ نے خوشدلی سے سلام کیا۔۔۔زویا تو طبعاً دوستانہ تھی اس لیے کھڑے کھڑے تفصیلی تعارف میں جانے لگی۔۔۔امی البتہ لیے دیے سی تھیں۔۔۔وہ اسوہ کو عجیب نگاہ سے گھورتی رہیں جس کے باعث اسوہ نے بے چین سی ہوتی اجازت چاہی۔۔

"اچھا آنٹی۔۔۔میں چلتی ہوں۔۔۔ذرا جلدی میں ہوں۔۔۔آپ کبھی میرے گھر آئیے گا اور اس چہکتی مینا کو بھی لائیے گا۔۔۔بہت خوش مزاج ہے۔۔۔!" اس کا اشارہ زویا کی جانب تھا۔۔۔سعدیہ نے کوئی خاص جواب نہیں دیا بس روکھا سا مسکرا کر سر ہلا دیا۔۔۔اسوہ، زین کو اللہ حافظ کہتی جانے لگی تھی کہ زویا نے آواز دے کر روک لیا۔۔

"ہمارے آنے سے پہلے شاید آپ کو ہمارے گھر آنا پڑے۔۔۔زین بھائی کی منگنی شگنی کرنے والے ہیں ہم۔۔۔!"

زویا چھوٹی اور چلبلی تھی۔۔۔موقع محل نہیں دیکھتی تھی، اس لیے سب کے سروں پر دھماکہ کر کے مسکراتی سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔۔۔اسوہ کی رنگت پل بھر کو متغیر ہوئی لیکن پھر سنبھلتے ہوئے زین کو مبارکباد دی اور بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئی۔۔۔امی زویا کو جھڑکتیں وہاں سے لیے آگے چل دیں جبکہ زین بجھے دل اور ڈوبتی دھڑکنوں کے ساتھ وہیں کھڑا اسوہ کو جاتا دیکھتا رہا۔۔۔!

☆......☆......☆

اگلی صبح وہ یونی آیا تو اسوہ کہیں دکھائی نہیں دی۔۔۔وہ بے چین ہو گیا تھا۔۔۔سارا دن دل کہیں نہیں لگا۔۔۔ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے بھلا اسوہ کو یونی جوائن کیے لیکن یوں لگتا تھا جیسے کتنے عرصے سے وہ یہیں تھی۔۔۔وہ ایک سنجیدہ طبیعت کی لڑکی تھی۔۔۔کسی سے بھی اب تک زیادہ گھلی ملی نہیں تھی پھر بھی وہ اسے بری طرح مس کرتا رہا تھا۔۔۔فارغ وقت میں وہ لائبریری کے سب سے آخری کیبن میں جو اساتذہ کے لیے مختص تھا، کافی کا بڑا سا مگ لیے بیٹھا بلاوجہ میگزین پھرول رہا تھا۔۔۔اسے رہ رہ کر کل کی ملاقات پر

افسوس تھا۔۔۔ناوہ ملے ہوتے ناز دیا، اسوہ کو اس کی منگنی کے بارے میں اول فول کہتی اور ناوہ پریشان ہوتا۔۔۔اپنے اندر کی سوچوں سے پریشان ہو کر اس نے اسے کال کرنے کا فیصلہ کیا۔۔۔اس کا نمبر اس کے پاس تھا جیسے دیگر کولیگز کے تھے۔۔۔اس نے کال ملا دی اور دھڑکتے دل سے اٹھائے جانے کا انتظار کرتا رہا۔۔۔ایک۔۔۔دو۔۔۔تین۔۔۔چار۔۔۔چار بیلوں کے بعد یکدم اس نے کال کاٹ دی۔۔۔

"کیا کہوں گا میں اسے۔۔۔؟ حال چال پوچھوں۔۔؟ وہ کیوں بھلا۔۔۔میں ہی کیوں۔۔۔کیا کسی اور نے پوچھا ہو گا۔۔۔؟ وہ جو اگر کہہ دے کہ مجھے ایسی کیا آفت پڑی تھی کال کرنے کی۔۔۔کس رشتے سے کال کی ہے۔۔۔تو کیا جواب دوں گا میں۔۔۔کیا میں کسی تعلق کو بڑھانا چاہتا ہوں۔۔۔لیکن جواز کیا ہے۔۔۔منگنی کا شوشہ اٹھا ہوا ہے اور اسوہ کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا حق تو نہیں رکھتا نا میں۔۔۔نہیں زین اکبر ہمدانی۔۔۔نہیں۔۔۔تمہیں یا تو گھر میں اسٹیپ لینا پڑے گا یا پھر اسوہ کو بھول جانا ہو گا۔۔۔کسی ایک محاذ کا سامنا تو کرنا پڑے گا۔۔۔اب یہ تم پر ہے کہ کون سا چنتے ہو۔۔۔!"

خود کو ملامتی انداز میں خوب اچھی طرح سمجھانے کے بعد اس نے ابو سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔!

☆......☆......☆

زنیرہ پھپھو پاکستان پہنچ گئی تھیں اور پورے خاندان میں جیسے دعوتوں کا مقابلہ شروع ہو گیا تھا۔۔۔دو بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں تھیں۔۔۔جو نا بلا تا وہی گھاٹے میں رہتا۔۔۔زنیرہ پھپھو نے تو قیر چاچو کی طرف قیام کیا تھا۔۔۔اور وہیں سے وہ سب کے گھروں میں جا کر ملنے ملانے کا سلسلہ شروع کیے ہوئے تھیں۔۔۔!

وہ گھر پہنچا تو ڈرائینگ روم کے باہر سے گزرتے اسے بلند قہقہے اور خوش کن آوازیں کانوں میں پڑیں۔۔۔وہ سمجھ گیا کہ زنیرہ پھپھو آئی ہوئی ہیں۔۔۔اندر سے ان کی بلند اور کھنکھناتی آواز باآسانی باہر تک آ رہی تھی۔۔۔

"نینا بس ڈیڑھ ہفتے تک پہنچے گی۔۔اس کے کچھ لاسٹ اسائنمنٹس تھے جو سب مٹ کروانے تھے۔۔۔کہنے لگی۔۔۔مما آپ پہنچیں مجھے راستہ آتا ہے۔۔!"

امی کے نینا سے متعلق پوچھنے پر وہ بولیں تو ان کی بات پر سبھی کے ہنسنے کی آوازیں ابھریں۔۔۔ زین نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ نینا ابھی تک نہی آئی۔۔۔ وہ کچھ وقت چاہتا تھا اور اس وقت میں وہ ابو کو اچھے سے کنوینس کر سکتا تھا۔۔۔ ایک بات تو اس کے بھی ذہن میں آئی تھی کہ زنیرہ پھپھو نے خضر کی بجائے اس کا نام کیوں لیا۔۔۔ وہ تو نینا کو ٹھیک سے جانتا بھی نہی تھا۔۔۔ نا کبھی بات نا کبھی ملاقات۔۔۔ کزن ہونے کے ناتے ایک دوسرے کی پہچان تھی اور بس۔۔۔ دل میں ایک چبھن یہ بھی تھی کہ کسی نے اس کی رائے تک نہی پوچھی تھی اور سب جیسے طے ہوا پڑا تھا۔۔۔ اندر جانے کا اردادہ ترک کرتا وہ دبے قدموں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔۔۔ دل کھلبلائے جا رہا تھا جس میں اسوہ پراچہ کی گردان تھی اور نینا کی آمد کا خلجان تھا۔۔۔ ایک جنگ سی چھڑی تھی۔۔۔ وہ جوتے اتارے بنا پنڈلیاں بیڈ سے نیچے لٹکائے چت لیٹ گیا۔۔۔ چھت کو بے مقصد گھورتے اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو قریب پڑا تکیہ اٹھا کر آنکھوں پر رکھ کے وہ سو گیا۔۔۔ کم از کم سونے کے دورانیے میں تو وہ سکون حاصل کر سکتا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

دو دن اسی شش و پنج میں گزر گئے تھے کہ پہلے کس سے بات کرے۔۔۔ اسوہ سے یا ابو سے۔۔۔ یونی میں اسوہ سے سامنا ہوتا تھا اور وہ اسے بس دیکھنے اور کچھ کہنے کی درمیانی حالت میں کھڑا رہ جاتا تھا۔۔۔ اس کے ساتھی اس کی غیر حاضر دماغی کو محسوس کر رہے تھے اور باری باری اس سے طبیعت بھی دریافت کرتے لیکن اس کے پاس جواب میں محض مسکراہٹ ہوتی۔۔۔ اسوہ خود اس سے سلام کے علاوہ دوسرا حرف کہنا گوارا نہی کر رہی تھی۔۔۔ وہ اسٹاف روم میں آتا تو اٹھ کر چلی جاتی۔۔۔ لائبریری جاتا تو وہاں سے نکل جاتی۔۔۔ وہ حیران بھی تھا کہ اسوہ کے رویے میں اتنی شدت کیوں کر آگئی۔۔۔؟ ایسے انتہائی ردعمل کی بنیاد کا ہے۔۔۔؟ اس نے تو ابھی کوئی اشارہ نہی دیا تھا۔۔۔ لیکن پھر یکدم اسے ادراک ہوا کہ اشارہ تو وہ پہلے دن سے دے بیٹھا تھا۔۔۔ اس کی نگاہوں نے بارہا ایک ہی دن میں کئی بار اس کے چہرے کا طواف کیا تھا۔۔۔ وہ لاشعوری طور پر یونی میں ہر اس جگہ پہنچ جاتا تھا جہاں اسوہ پراچہ کے پائے جانے کے امکانات ہوتے۔۔۔ سینیٹوریم ہو یا لائبریری۔۔۔ کیفے یا اسٹاف روم۔۔۔ وہ لپک لپک

وہاں چلا جاتا۔۔۔اس کا مزاج پہلے اچھا تھا اب بہترین تھا۔۔۔وہ خوش لباس شروع سے تھا اب مزید نکھر کے یونی آتا۔۔۔اسوہ کے سنہری دہکتے گالوں نے اسے باندھ لیا تھا۔۔۔اور اس بات کو کئی لوگوں نے محسوس کیا تھا تو کیا اسوہ نا کرتی۔۔۔اور اگر زین کے جھکاؤ کو دیکھ کر اس کے دل میں بھی نرم گوشہ پیدا ہو ہی چکا تھا تو جب زویا نے منگنی کا بم پھوڑا تھا تو وہ رد عمل بھی نا دیتی۔۔۔!

اپنی ہر الجھن کا جواب سلجھ کر اس کے سامنے آگیا تھا۔۔۔اسی لیے اس نے فی الحال پہلے ابو سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور اس بار اسے ابو کو منانا تھا۔۔چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔۔!

☆......☆......☆

صبح صادق کی ٹھنڈک میں لان کی خاموش اور خنکی بھرے ماحول میں اکبر صاحب اور زین کرسیوں پر بیٹھے تھے۔۔۔درمیان میں رکھی ٹیبل پر دو بھاپ اڑاتی چائے کے مگ رکھے تھے۔۔۔اکبر صاحب سکتے کے عالم میں یک ٹک زین کو دیکھ رہے تھے۔۔۔زین کبھی ان کو دیکھ لیتا تھا اور کبھی خجل سا ہوتا مگ کے کنارے پر انگلی پھیرنے لگتا۔۔۔

"دماغ کدھر گرا آئے ہو زین۔۔۔کیا سوچ کر یہ سب بول رہے ہو یار۔۔۔؟"

اکبر صاحب کا سکتہ ٹوٹا تو انہوں نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔۔۔زین ادھر ادھر دیکھتا لمبی سانس بھر کر لفظ جوڑنے لگا۔۔۔

"اور اگر ایسا کچھ ارادہ تھا بھی تو زنیرہ کے آنے سے پہلے بتا دیتے نا۔۔۔!" اکبر صاحب نے دوبارہ لقمہ دیا۔۔۔

"کسی نے مجھ سے پوچھا کب تھا ابو۔۔۔نا رائے لی نا پسند پوچھی۔۔۔مجھے تو پتا بھی زویا سے چلا کہ آپ لوگوں کا ارادہ کیا ہے۔۔۔کم از کم آپ تو مجھے اعتماد میں لیتے۔۔۔!" وہ بے ساختہ شکوہ کر گیا۔۔۔اکبر صاحب کو واقعی غلطی کا احساس ہوا تو سر کھجانے لگے۔۔۔دونوں پھر چپ ہو گئے۔۔۔کچھ دیر مزید ایسے ہی کوئی حل سوچتے گزر گئی تو بلآخر تھک کے اکبر صاحب نے کندھے اچکا دیے۔۔۔

"دیکھ بیٹا۔۔حل تو ہے۔۔۔لیکن ذرا عقلمندی سے عمل کرنا پڑے گا۔۔اندر کی بات بتا رہا

ہوں۔۔۔تمہاری ماں، تمہاری بجائے خضر کا رشتہ کرنا چاہتی ہے نینا سے۔۔۔اب اگر تم نے خود انکار کیا نا تو مجھ سے لکھوا لو کہ نا خضر مانے گا اس رشتے پر نا تمہاری ماں۔۔۔خضر کی دلچسپی تمہاری وجہ سے جڑی ہے اس رشتے میں۔۔۔اس لیے منگنی بھی نا ہو اور انکار بھی نا کرنا پڑے۔۔۔تو اس کا سیدھا سادا حل یہ ہے بیٹا کہ اپنے بڑے بھائی کے سامنے اپنی مرضی اور خوشی ثابت کرنے کے لیے جی جان لڑا دو۔۔۔ایسے پوز کرو جیسے تمہاری اگر نینا سے شادی نا ہو سکی تو لٹیا ہی ڈوب جائے گی۔۔۔بس پھر دیکھنا کیسے یہ ماں بیٹا تمہاری نیا پار لگاتے۔۔۔سمجھے کہ اگلی بھی گئی۔۔۔"؟

انہوں نے کسی قریبی دوست کی طرح حل اس کے سامنے رکھ دیا تھا اور وہ ابو کی پلاننگ پر عش عش کر اٹھا۔۔۔باپ بیٹا آگے کو جھکے گھٹنوں پر کہنیاں جمائے، دونوں ہاتھ جوڑ کر ٹھوڑی کے نیچے رکھے ایک دوسرے کو دیکھتے سر دھننے لگے۔۔۔اور پھر ایک شاندار قہقہہ باپ بیٹے کے حلق سے آزاد ہوا اور صبح کی پھیلتی روشنی میں مدغم ہو گیا۔۔۔!

☆......☆......☆

زنیرہ پھپھو زین سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں۔۔۔وہ ان کی سوچوں سے بڑھ کر اسمارٹ اور سمجھدار تھا۔۔۔زنیرہ پھپھو توقیر چاچو کو سراہ رہی تھیں کہ انہوں نے اپنی بھانجی کے لیے کیسا ہیرا لڑکا بتایا تھا۔۔۔یہ رشتہ کرانے میں پیش پیش توقیر چاچو ہی تھے۔۔۔زنیرہ پھپھو نے نینا کے رشتے کی بات توقیر چاچو سے کی تھی تو انہوں نے لمحے سے بھی پیشتر زین کا نام لیا تھا کیونکہ ان کی نگاہ میں زین سے بڑھ کر خالص اور بہترین لڑکا کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔۔۔زنیرہ پھپھو کو اٹلی میں زین کی تصاویر اور دیگر تفصیلات توقیر چاچو نے ہی فراہم کی تھیں۔۔۔زین سوشل میڈیا پر ایکٹو نہیں تھا اور جو اکاؤنٹ وہ استعمال کرتا تھا وہ آفیشل تھا، دوسرے وہاں اس کی فیلڈ سے متعلقہ افراد ہی ایڈ تھے۔۔۔عرصہ دراز سے وہ رشتے داروں سے ایک مخصوص فاصلہ قائم کر چکا تھا۔۔۔سب اس سے متعلق اتنا ہی جانتے تھے جتنا مشہور تھا۔۔۔اس کی تعلیمی قابلیت زبان زد عام تھی جس کی وجہ سے وہ رشتے داروں کی توجہ کا مرکز بننا شروع ہوا تھا۔۔۔اس لیے وہ نینا کو یا نینا اسے سوشل میڈیا کے تھرو بھی نہیں جانتے تھے۔۔۔ایسے میں یہ رشتہ زنیرہ پھپھو کے لیے

ہاٹ کیک تھا جبکہ اسے بتانے والا بھی ان کا بہترین خیر خواہ بھائی تھا۔۔۔نینا کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہی تھا کیونکہ وہ بھلے سے ایڈوانس ماحول کی پروردہ تھی لیکن کچھ حدود وقیود کی قائل ضرور تھی۔۔۔اور اپنی شادی سے متعلق فیصلے کا اختیار اس نے ماں کو دے رکھا تھا۔۔۔اب جب کہ زنیرہ پھپھو کو زین پسند آیا تھا تو نینا کا آنا مزید ملتوی ہو گیا تھا۔۔۔زین بے حد خوش تھا اور خضر کو اس کی خوشی سانپ بن کے ڈس رہی تھی۔۔۔زنیرہ پھپھو کی موجودگی میں اس کے بات بے بات قہقہے اور چٹکلے چھوڑنا اسے انگاروں پر لوٹنے پر مجبور کر رہا تھا۔۔۔وہ زین کو جتائے بنا جس مشن پر لگا ہوا تھا اس کے مکمل ہونے کے انتظار میں تھا۔۔۔سعدیہ نہی جانتی تھیں کہ وہ آج کل کس کام میں مصروف ہے۔۔۔انہیں لگا تھا کہ وہ وقتی طور پر نینا کے لیے ضد کر رہا تھا جس سے دستبردار ہو گیا ہے۔۔۔اب آ کر خضر ماں کو بھی ایک خاص حد تک اپنے ارادوں کی خبر دیتا تھا۔۔۔سعدیہ کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ پرسکون ہے۔۔۔لیکن انہیں بھی اندازہ نہی تھا کہ وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی کر یہہ کھیل، کھیل رہا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

زین کا آج سارا دن بے حد مصروفیت بھرا تھا۔۔۔یونی میں سالانہ فیسٹیولز کا آغاز ہونے والا تھا اور وہ منتظمین میں شامل تھا۔۔۔اسوہ بھی اسی کی ٹیم کا حصہ تھی۔۔۔آف ٹائم کے بعد بھی طلباء اور اساتذہ یونی میں رکتے تھے اور تیاریوں میں مشغول رہتے۔۔۔اسوہ گو کہ ابھی بھی اس سے براہ راست بات چیت سے گریز کر رہی تھی لیکن ایک ہی جگہ کام کرتے بات کرنا پڑتی تھی۔۔۔ایسے میں وہ بنا اس کی نظر سے نظر ملائے بات کرتی۔۔۔زین کو ہنسی بھی آتی اور جھنجھلاہٹ بھی محسوس ہوتی لیکن سب کے بیچ وہ اسے ٹوک نہی سکتا تھا اور کچھ وہ مزاجاً بھی محتاط تھا۔۔۔!

فارغ ہوتے شام کے چار پانچ بج گئے تھے۔۔۔وہ جلدی جلدی آفس کیبن میں اپنا ضروری سامان رکھ کر پارکنگ تک آیا اور گاڑی نکالتے ہوئے بھی اس کی نگاہیں اسوہ کی متلاشی تھیں۔۔۔اندر وہ ہر جگہ اسے دیکھتا ہوا آیا تھا لیکن وہ کہیں نہی ملی تھی۔۔۔اسے معلوم تھا کہ اسوہ پبلک ٹرانسپورٹ پر آتی جاتی ہے لیکن اس وقت جتنی دیر ہو چکی تھی اس کی بس یقیناً نکل چکی ہوتی۔۔۔وہ اندر ہی اندر فکرمند سا گاڑی

ڈرائیو کرتا یونی سے باہر نکل آیا۔۔۔فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ ڈرائیو کرتے وہ اسوہ کو تلاش رہا تھا جب اچانک وہ اسے دکھائی دے گئی۔۔۔زین کی جان میں جان آئی۔۔۔ایک جانب شیڈ کے نیچے کھڑی وہ بس کے انتظار میں تھی۔۔۔اس نے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی اور اس کے بلکل سامنے جا کر روک دی۔۔۔اسوہ بدک کے دو قدم پیچھے ہوئی اور گاڑی کو غصے سے گھورا، پر اندر اسے بیٹھا دیکھ کر اس کے تنے تاثرات بحال ہو گئے۔۔۔زین مسکرایا اور فرنٹ ڈور پورا کھول کر اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا کہا۔۔۔اسوہ نے بھی جواباً ہاتھ کے اشارے سے اسے تشریف لے جانے کا اشارہ کیا۔۔۔زین نے تیوریاں چڑھا کر دوبارہ گردن سے بائیں جانب خالی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔۔۔اسوہ نے جواب میں خالی نشست کو گھورا اور ابرو اچکا کر اسے" میں کیا کروں پھر" کا اشارہ دیا۔۔۔زین نے ایک طویل سانس خارج کی اور ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔۔۔اسوہ گھبرا گئی لیکن ظاہر نہیں کیا۔۔۔زین مسلسل ہارن دے رہا تھا۔۔۔لوگ متوجہ ہونے لگے۔۔۔اسوہ مخالف سمت میں چلنے لگی۔۔۔زین نے ہارن کو ردھم میں دینا شروع کیا۔۔۔اسوہ غصے سے پلٹی اور چلتی ہوئی آ کر نشست پر بیٹھ گئی۔۔۔اس نے" ٹھاہ" کی زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تو زین نے دل پر ہاتھ رکھا۔۔۔اپنی گاڑی کے معاملے میں وہ بڑا ٹچی سا تھا۔۔۔پر سامنے اسوہ تھی کیا کہتا۔۔۔اس نے چپ چاپ گاڑی سڑک پر ڈال دی۔۔۔کچھ دیر مکمل خاموشی رہی۔۔۔اسوہ کا غصہ بھی ڈھل گیا۔۔۔اسے اندر ہی اندر زین کے ساتھ ایک عجیب سے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔۔۔وہ بھی جانتی تھی کہ اس وقت اسے بس کے لیے بہت دیر انتظار کرنا پڑتا۔۔۔زین نے گلا کھنکھارا۔۔۔

" مجھے تم بہت پسند ہو اسوہ۔۔۔تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ابو راضی ہیں۔۔۔امی بھی ہو جائیں گی۔۔۔تمہاری میرے بارے میں کیا رائے ہے۔۔۔؟"

بنا تمہید باندھے، بنا کوئی لگی لپٹی رکھے اس نے بم پھوڑ ڈالا تھا۔۔۔اسوہ کے ہاتھ پیر سنسنا اٹھے۔۔۔یہ تو بلکل غیر متوقع تھا۔۔۔وہ جانتی تھی کہ زین اس کے لیے کچھ الگ سوچتا ہے مگر اتنے واضح انداز میں کہہ بھی ڈالے گا، اس کی امید نہیں تھی اسے۔۔۔اسوہ نے گھبراہٹ دور کرنے کے لیے بلاوجہ دوپٹہ سر پر درست کیا پھر پہلو بدلا اور قمیض کا دامن گھٹنوں پر مزید کھینچ کر سامنے ونڈ سکرین کے پار دیکھنے

لگی۔۔۔زین اس کی ہر ہر حرکت بغور دیکھ رہا تھا۔۔۔جب وہ کچھ پل باہر دیکھ چکی تو دوبارہ بولا۔۔۔

"کچھ اور رہتا ہے تو سیٹ کر لو۔۔۔ایسی کوئی جلدی نہی مجھے۔۔۔تسلی رکھو۔۔۔"!

اسوہ نے اس کی جانب دیکھا تو وہ بے حد سنجیدہ دکھائی دیا۔۔۔لیکن ہونٹوں کے کنارے پر کہیں مسکراہٹ چھپی تھی۔۔۔اس نے ہمت جمع کر کے جواب دینے کی سعی کی۔۔۔

"اور امی کیسے راضی ہوں گی۔۔۔؟"

کہنا کچھ تھا کہہ کچھ ڈالا۔۔۔یہ تو سیدھا سیدھا ہاں کہنے کے بعد کرنے والی بات تھی۔۔۔اسوہ نے زبان دانتوں میں دی اور اپنی عقل پر ماتم کیا۔۔۔زین پہلی بار دل کھول کر ہنسا۔۔۔یعنی اسے کوئی اعتراض نہی تھا۔۔۔وہ بشاش لہجے میں گویا ہوا۔۔۔

"تم راضی ہو گئی نا۔۔۔امی بھی ہو جائیں گی۔۔۔!"

اسوہ نے کچھ کہنے کے لیے فوری منہ کھولا لیکن زین نے پہلے ہی کہہ دیا۔۔۔

"اب یہ نا کہنا کہ تم راضی نہی۔۔۔تم راضی ہو اسوہ۔۔۔جی جان سے راضی ہو۔۔۔جیسے میں راضی ہوں۔۔۔جی جان سے راضی ہوں۔۔۔تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔۔۔تمہارے ساتھ ایک خوشگوار سفر شرع کرنا چاہتا ہوں۔۔۔!"

اسوہ نے مزید بیکار گفتگو کو طول دینا مناسب نہی جانا۔۔۔کھل کر مسکرائی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔۔۔زین بے حد خوش تھا۔۔۔اسوہ نے اس کے چمکتے چہرے کی جانب دیکھا اور پھر گود میں رکھے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھتی ہوئی بولی۔۔۔

"زین۔۔۔مجھے اس تعلق کو بندھن میں باندھنے سے پہلے اپنے حوالے سے۔بہت سی باتیں کلئیر کرنی ہیں۔۔۔اس کے بعد جو تم مناسب سمجھو وہ کرنا۔۔۔لیکن یہ ضروری ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے فیملی بیک گراؤنڈ کا پتا ہو۔۔۔!"

زین نے اچنبھے سے موڑ کاٹا اور استفہامیہ نظروں سے اسوہ کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ اسوہ کے منہ سے نکلا۔۔۔

"میں اپنے اسٹیپ فادر کے گھر رہتی تھی لیکن اب میں اپنی ماموں کے ساتھ رہتی ہوں۔۔۔اور میری امی کو منانا، تمہاری امی کو منانے سے زیادہ مشکل ثابت ہو سکتا ہے۔۔۔!"

اسوہ نے سہولت سے کہا لیکن زین ششدر رہ گیا۔۔۔یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی لیکن اچانک ضرور تھی۔۔۔زین نے گمان نہیں کیا تھا کہ اسوہ بروکن فیملی سے ہے کیونکہ وہ بے حد کمپوزڈ شخصیت کی مالک تھی۔۔۔زین نے ہونٹ سکوڑے اور کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔۔

"یہ بھی معرکہ سہی۔۔۔ایک میرے گھر کا ایک تمہارے گھر کا۔۔۔ہو جائے گا کچھ نا کچھ۔۔۔!"

اس کے ایسے کہنے سے اسوہ یکدم ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔۔۔زین نے جواباً میٹھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔۔۔باہر موسم کی خنکی دلوں میں نئے اور اچھوتے جذبات کو گرما رہی تھی۔۔۔ایک نیا ساتھ ایک نئی ابتداء۔۔۔!

☆......☆......☆

نینا پاکستان پہنچ چکی تھی۔۔۔گھر میں منگنی کی تیاریاں زور و شور سے شروع تھیں۔۔۔سعدیہ بھی مکمل خوشی اور رضامندی سے ساری خریداری کرنے میں مصروف تھیں۔۔۔راوی بظاہر چین ہی چین لکھ رہا تھا پر درحقیقت ایک امتحان زین کا منتظر تھا۔۔۔اکبر صاحب اور زین کی سوچوں کے عین مطابق خضر بلکل خاموشی دھار چکا تھا جو بہت بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ تھی۔۔۔زین برملا نینا کے لیے توصیفی کلمات کہتا تو خضر ایک کمینی سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھتا اور نگاہ پھیر لیتا۔۔۔اکبر صاحب اور زین کو یقین تھا کہ منگنی کے دن سے پہلے ہی خضر اس رشتے کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہو جائے گا۔۔۔اور جب سعدیہ کو معلوم ہو گا کہ ان کا لاڈلا نینا کے بنا جل بن مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہے تو وہ اکبر صاحب کے آگے پہلے تو ترلے منتیں ڈالیں گی بصورت دیگر زین کو ایموشنل بلیک میل کیا جائے گا کہ کیا وہ بھائی کے لیے اتنی سی قربانی نہی دے سکتا۔۔۔یہی موقع ہو گا جب زین اپنی گردن چھڑا سکے گا۔۔۔زنیرہ کو نینا اور خضر کے رشتے کے لیے قائل کرنا زیادہ مشکل نا ہوتا اور اگر خدانخواستہ زنیرہ ناراض ہو کر خضر کے لیے انکار کر بھی دیتیں تو کم از کم زین اس معاملے سے نکل چکا ہو گا۔۔۔زین اور اکبر صاحب دونوں کا یہی خیال تھا کہ بس آج کل میں کسی

بھی وقت خضر ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔۔۔لیکن ہر چیز انسان کی پلاننگ کے حساب سے ہوتی تو وقت کس شے کا نام ہوتا۔۔۔!

تیسرا دن تھا اور زنیرہ پھپھو نے آنا تو دور کال تک نہی کی تھی۔۔۔سعدیہ کا خیال تھا کہ خریداری وغیرہ کی مصروفیت کے باعث آنہی پا رہی ہوں گی لیکن تیسرے دن کی شام کو زنیرہ پھپھو، توقیر چاچو کے ساتھ بے حد غصے میں گھر آئیں اور رشتے سے صاف صاف انکار کر دیا۔۔۔

"میری نینا کو زین جیسا جیون ساتھی نہی چاہیے بھائی جو کردار کا اس قدر ہلکا ہو۔۔۔مجھے تو توقیر سے بھی گلہ ہے کہ اس نے زین کی اتنی تعریف کی تھی کہ میں نے چھان بین بھی نا کی۔۔۔اس قدر گری ہوئی اخلاقیات کا مالک ہے وہ۔۔۔افسوس ہے مجھے۔۔۔!"

اکبر صاحب اور سعدیہ ششدر رہ گئے۔۔۔توقیر چاچو الگ شرمندہ سے نگاہیں چرا رہے تھے۔۔۔وہ تو زین پر اندھا یقین کرتے تھے لیکن زنیرہ پھپھو کو قائل کرنا اب ناممکن تھا کیونکہ ان کے پاس تمام ثبوت تھے۔۔۔

"زنیرہ۔۔۔میرے بیٹے پر ایسے بے بنیاد الزامات لگانے کی وجہ جان سکتا ہوں۔۔۔!" اکبر صاحب کا لہجہ سرد تھا۔۔۔وہ معاملے کی سنگینی کو کچھ سے کافی زیادہ سمجھ گئے تھے۔۔۔

"میرے پاس زین کی کرتوتوں کے ثبوت ہیں بھائی۔۔۔وہ تو اللہ بھلا کرے خضر کا۔۔۔اس نے بروقت نینا کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔۔۔میرا بھتیجا ہے زین، میں اس کی دشمن نہی۔۔۔میں نے بہت چاؤ سے اپنی بیٹی دینی چاہی تھی لیکن آپ نے جانے مجھ سے کس وقت کا بدلہ لیا ہے۔۔۔؟"

اکبر صاحب نے شاکی نگاہوں سے بہن اور چھوٹے بھائی کو دیکھا۔۔۔توقیر چاچو کے چہرے پر شرمندگی اور دکھ کے آثار تھے۔۔۔بڑے بھائی کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر ٹھہرے لہجے میں بولے۔۔۔

"میں تو سمجھا سمجھا کر ہار گیا بھائی جان۔۔۔آپا کے پاس کچھ ایسی تصاویر ہیں جس میں زین نا جانے کن کن لڑکیوں کے ساتھ نازیبا حالت میں موجود ہے۔۔۔میں تو قسم کھانے کو تیار ہوں کہ وہ تصویریں اصلی نہی ہیں۔۔۔کیسی کیسی ٹیکنالوجیز آ گئی ہیں۔۔۔کچھ کا کچھ بنا کے دنیا کو پاگل بنایا جا رہا ہے اور یہ چند

تصویروں کے لیے اتنے ہیرا لڑکے کو ٹھکرا رہی ہیں۔۔۔یہ سب خضر کا کیا دھرا ہے۔۔۔"!

"خبردار توقیر۔۔۔" اس سارے تماشے میں پہلی بار سعدیہ کی آواز بلند ہوئی۔۔۔اکبر صاحب نے استہزائیہ بیوی کو دیکھ کر سر مارا۔۔۔

"جس کو دیکھو میرے خضر کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔۔۔ہر غلط کام اسی کے ماتھے کیوں منڈھ دیا جاتا ہے۔۔۔زین بھی میری اولاد ہے اور میں جانتی ہوں کہ دودھ کا دھلا نہیں۔۔۔میرے خضر نے اپنی پھپھی سے بھلائی ہی کی ہے نا۔۔۔کل کو جو نینا کو معلوم ہوتا کچھ اور وہ گھر خراب کر لیتی تب کیا کر لیتے ہم سب۔۔۔زین سے تو میں بعد میں پوچھوں گی کہ آخر وہ جاب کے نام پر کیا گل چھرے اڑاتا ہے۔۔۔تم فکر نا کرو زنیرہ۔۔۔!" سعدیہ تقریر کرنے کے بعد نند کو دلاسا دینا نہیں بھولیں۔۔۔زنیرہ نے ٹشو سے آنکھیں پونچھی اور بھابھی کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔۔۔

"میرے لیے تو بھابھی جیسا زین ہے ویسا خضر۔۔۔میری بچی کو خضر بہت بھایا ہے۔۔۔وہ تو کہتی ہے ماما کتنا اچھا ہو گیا جو خضر مجھے وقت پر مل گیا۔۔۔وہ اتنا نائس اور ویل ایجوکیٹڈ ہے کہ مجھے اس پر پراوڈ فیل ہوتا ہے۔۔۔سب سے بڑی بات کہ کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی، کبھی کسی الٹی سیدھی عادت میں نہیں پڑا۔۔۔میں آپ دونوں سے گزارش کرتی ہوں کہ میری بیٹی کے لیے مجھے خضر دے دیجیے۔۔۔!!"

اس بات پر توقیر چاچو کا طنزیہ ہنکارا ابھرا تو سعدیہ بھی پہلو بدل کر رہ گئیں۔۔۔خضر کے کتنے افیئرز تھے اور وہ کیسی عادات میں مبتلا تھا ان سے بہتر کون جان سکتا تھا۔۔۔

"کتنے وقت سے خضر رابطے میں ہے نینا کے ساتھ آپا۔۔۔؟" توقیر چاچو نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔۔۔

"مجھے صحیح سے نہیں پتا لیکن مجھے لگتا ہے کہ نینا کی اور خضر کی دوستی میرے پاکستان آنے کے بعد ہوئی ہے ورنہ مجھے معلوم ہوتا۔۔۔نینا مجھ سے کچھ نہیں چھپاتی۔۔۔!"

"تو آپا آپ کو سمجھ نہیں آرہا کہ یہ سب خضر کی چالاکی ہے۔۔۔وہ کبھی بھی زین کی خوشی برداشت نہیں کر پایا۔۔۔اس بار وہ فوری شور نہیں مچا سکا کیونکہ آپ نے رشتہ ہی زین کا مانگا تھا اور نینا چیز نہیں تھی جس کو وہ لڑ

جھگڑ کر حاصل کر لیتا۔۔۔اس لیے اس نے یہ چال چلی کہ وہ خاموشی سے نینا کے ساتھ رابطے میں آ گیا اور اسے زین کی الٹی سیدھی تصویریں دکھا کر قائل کر لیا۔۔۔تا کہ زین آپ کی نظروں میں گر بھی جائے اور آپ اپنے منہ سے خود خضر کا رشتہ بھی مانگ لیں۔۔۔ورنہ زین کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اس کی خوبیوں کا اندازہ آپ کر ہی نہیں سکتیں۔۔۔!"

توقیر چاچو نے دو منٹ میں سارا تجزیہ نکال کر سامنے رکھ ڈالا تھا۔۔۔وہ تو خضر کی رگ رگ سے تب کے واقف تھے جب اکبر صاحب خود اسی کے گن گاتے تھے۔۔۔اور زین انہیں بچپن سے ہی بے حد پسند تھا۔۔۔اس رشتے کی خوشی انہیں ذاتی طور پر بے حد تھی۔۔۔

زنیرہ کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر سعدیہ دوبارہ میدان میں اتر آئیں۔۔۔وہ سمجھ گئیں تھیں کہ خضر ایک بار پھر اپنی منوانے کے لیے مچل چکا تھا اور اب انہیں اس کی خاطر اسٹینڈ لینا ہی لینا تھا۔۔۔

"میرے خضر میں کون سے کیڑے دیکھ لیے تم نے توقیر۔۔۔لاکھوں میں ایک ہے۔۔۔اور اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔۔۔بچے ہیں اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔۔۔بات یہ ہے کہ نینا اور خضر ایک دوسرے کو چاہتے ہیں تو کیا اب زبردستی نینا کو زین سے بیاہ دیں۔۔۔؟ کیوں تین زندگیاں خراب کرنا چاہ رہے ہو۔۔۔!"

دیور کو سنانے کے بعد انہوں نے اپنا رخ نند کی جانب کیا۔۔۔

"میرا خضر بہت خوش رکھے گا نینا کو زنیرہ۔۔۔وہ بہت ذمہ دار اور سلجھا ہوا ہے۔۔۔باقی جو تمہاری مرضی ہو ہمیں قبول ہے بس نینا سے مشورہ کر لینا ضرور۔۔۔!" زنیرہ کو للچاتے کے بعد یہ بھی یاد دہانی کروادی کہ بیٹی کی مرضی کو مدنظر رکھے۔۔۔زنیرہ نے چند پل لیے مزید سوچنے میں اور پھر ہاں کہہ دی۔۔۔دونوں نند بھابھی ایک دوسرے کو مبارک دیتی گلے ملیں۔۔۔اکبر صاحب جو اب تک صدماتی سی کیفیت میں بیٹھے تھے، یکدم اٹھے اور وہاں سے نکلتے چلے گئے۔۔۔توقیر چاچو نے تاسف سے بڑے بھائی کی پشت کو دیکھا۔۔۔جب کہ سعدیہ نے تسلی دینے والے انداز میں نند کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر تھپتھپایا۔۔۔ان کی خوشی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔۔۔!

☆......☆......☆

اکبر صاحب بے حد طیش کے عالم میں خضر کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔۔۔وہ کمرے میں نہی تھا۔۔واشروم سے پانی گرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔۔۔وہ غصے سے آگے بڑھے اور ٹیبل پر رکھا اس کا سارا کمپیوٹر سسٹم ایک جھٹکے سے فرش پر دے مارا۔۔۔دھماکے کی آواز سن کر وہ جلدی سے واشروم سے باہر نکل آیا۔۔۔اپنے کمپیوٹر کی یہ حالت دیکھ کر وہ صدمے میں کھڑا رہ گیا۔۔۔اکبر صاحب آگے بڑھے اور اس کی گردن کے گرد لپٹے تولیے سے اسے گھسیٹ کر فرش پر گرا دیا۔۔۔خضر اس حملے کے لیے تیار نہی تھا اس لیے اس کا سر سیدھا فرش سے ٹکرایا۔۔۔خون کی پتلی سی لکیر نمودار ہوئی اور اس کے ابرو سے ہوتی نیچے آنے لگی۔۔۔اکبر صاحب نے اسی پر بس نہی کیا بلکہ اسے سیدھا کیا اور اس کے چہرے پر لگاتار تھپڑوں کی بارش کر دی۔۔۔خضر بے بس سا ہوا حرکت تک کرنے سے قاصر ہوا جا رہا تھا۔۔۔

"کیا۔۔۔کیا دشمنی ہے تمہیں زین سے۔۔۔کیا۔۔۔آج بتا ہی دو مجھے۔۔۔!" اکبر صاحب نے اسے زوردار تھپڑ مارتے ہوئے پوچھا۔۔۔ان کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔۔۔خضر نے ان کے دونوں ہاتھوں کو سختی سے تھام کر پرے کرنا چاہا تو وہ اسے جھٹکا دیتے ہوئے غرائے۔۔۔

"بدلحاظی کرنا چاہ رہے ہو۔۔۔ہاں۔۔۔کرو۔۔۔کرو باپ سے بھی۔۔۔اور تم نے کیا بھی کیا ہے ساری عمر۔۔۔لحاظ تو میں نے کیا تمہارا ہمیشہ۔۔۔لیکن اب تم نے جو بدنامی زین کو لگائی ہے اس کا ازالہ بھی تمہی کرو گے۔۔۔!"

خضر سارا معاملہ سمجھ گیا۔۔۔اس کے ہونٹوں پر بدترین چڑاتی مسکراہٹ ابھری اور اس بار وہ پوری طاقت لگا کر باپ کے چنگل سے نکلتا پرے ہو کر کھڑا ہو گیا۔۔۔اکبر صاحب نے اس کی اس حرکت پر اسے استہزائیہ دیکھا تو وہ کندھے اچکاتا بولا۔۔۔

"کیسا ازالہ۔۔۔میں کیوں کرنے لگا۔۔۔ازالہ تو زین سے کروایا ہے میں نے۔۔۔اس نے جرات بھی کیسے کی میرے حصے کی چیز پر نگاہ رکھنے کی۔۔۔اوقات کیسے بھول گیا اپنی وہ۔۔۔جو مجھے نہی چاہیے ہو بس وہی لے سکتا ہے وہ۔۔۔بس۔۔۔باقی سب کا اول حقدار میں ہوں۔۔۔نینا کو میرے جیسے شخص کی بیوی بننا چاہیے اور وہ میں اسے ویسے بھی بنا کے رہتا لیکن زین کو اس کی اوقات یاد دلانے کے

لیے مجھے یہ سب کرنا پڑا۔۔۔وہ جو آپ اور آپ کے بھائی لوگوں نے زین کو ٹپر بنا کر خاندان میں پیش کر رکھا ہے نا وہی بت توڑا ہے میں نے۔۔۔اور اب ابو آپ سے جو بن پڑتا ہے وہ کریں۔۔۔کیونکہ مجھ سے جو بن پڑا میں نے کر ڈالا۔۔۔!"

اکبر صاحب کو زندگی میں پہلی بار اپنے ہی بیٹے سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔۔۔اب تک انہیں اس پر افسوس ہوتا تھا دکھ ہوتا تھا لیکن آج انہیں اس سے گھن آ رہی تھی۔۔۔ان کے کندھے یکدم ڈھیلے ہو گئے۔۔۔وہ شکستہ لہجے میں گویا ہوئے۔۔۔

"مجھے لگتا تھا کہ تم وقت کے ساتھ سدھر جاؤ گے۔۔۔تمہارے اندر تبدیلی آ جائے گی لیکن تم نا سدھرے اور نا بدلے بلکہ تم اب اپنی اصل فطرت پر اترے ہو۔۔۔مجھے افسوس ہے کہ تم میری اولاد ہو۔۔۔کاش تم میرے بیٹے نا ہوتے۔۔۔کاش میرے پاس صرف ایک ہی بیٹا ہوتا اور وہ زین ہوتا۔۔۔!"

وہ کہتے ساتھ ہی اس کے کمرے سے نکلتے چلے گئے۔۔۔خضر نے گردن میں ڈالا تولیا نکالا اور اس کا گولا بنا کے طیش سے سامنے دیوار پر دے مارا۔۔۔اس کے نتھنے پھولتے پچکتے اس کے غصے کے غماز تھے۔۔۔وہ بند بھنچی مٹھیاں اپنی اسٹڈی ٹیبل پر رکھ کر خود کو ٹھنڈا کرنے لگا۔۔۔اسے نا اپنے کیے پر افسوس تھا نا باپ سے بدتمیزی پر شرمندگی۔۔۔

"مجھے آپ کا بیٹا ہونے پر کون سا فخر ہے۔۔۔ساری عمر کیا ہی کیا ہے آپ لوگو نے میرے لیے۔۔۔بس ایک بار میں نینا کے ساتھ اٹلی چلا جاؤں پھر کہاں کے ماں باپ اور کون بہن بھائی۔۔۔شکل تک دیکھنے کو ترسا دوں گا اپنی۔۔۔ہونہہ۔۔۔!"

جو لوگ جھکنا نہیں سیکھتے ان کو قدرت ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔۔۔وقت کسی کا سگا نہیں ہوتا وہ صرف سر پٹ بھاگتا جاتا ہے اور اپنی لپیٹ میں آئی ہر شے کو رگید دیتا ہے۔۔۔!

☆......☆......☆

زین دلگرفتہ سا لان میں اکیلا بیٹھا تھا۔۔۔سامنے چھوٹی سی ٹیبل پر لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا لیکن وہ غائب دماغی سے سکرین کو دیکھے جا رہا تھا۔۔۔جو بھی ہوا تھا اس سے اسے دکھ اور اذیت پہنچی تھی۔۔۔خضر

پر غصہ اتنا نہی تھا کیونکہ وہ اسی طرز کے طریقہ واردات کا بچپن سے عادی تھا۔۔۔دکھ اس بات کا تھا کہ امی نے یقین ہی نہی کیا تھا کہ خضر نے اس کے کردار پر دھبہ لگانے کے لیے ایسی کریہہ حرکت کی ہے۔۔۔بلکہ انہوں نے کچھ بھی سوچے بنا خضر اور نینا کا رشتہ طے کر دیا تھا۔۔۔اسے کوئی اعتراض نہی تھا، وہ تو چاہتا تھا کہ نینا سے خضر کی شادی ہو لیکن اس طور ہرگز نہی کہ وہ اس کی نیک نامی کو جھٹکا لگا دے۔۔۔ابو نے دو دن سے خود کو کمرے میں تقریباً بند کر رکھا تھا۔۔۔وہ سوائے زویا کے کسی سے بھی بات نہی کر رہے تھے۔۔۔زین کو ابو کے بھولپن پر پیار آتا تھی۔۔۔انہیں لگتا تھا کہ اس طرح سے امی اور خضر کو شرمندہ کر سکتے ہیں لیکن وہ ہر بار ناکام ہی رہتے تھے۔۔۔افسوس تو اسے یہ تھا کہ امی ایک بار بھی زین کو دلاسہ دینے اس کے پاس نہی آئی تھیں۔۔۔بلکہ الٹا ناشتے کی میز پر اسی کے لتے لے لیے تھے کہ نا وہ ایسی حرکتوں میں ملوث ہوتا نا خاندان میں بدنامی ہوتی۔۔۔اور وہ اپنی ماں کا یہ انداز دیکھ کر ایک بار پھر حیران رہ گیا تھا۔۔۔بچپن سے اب تک بارہا ایسا ہوتا آیا تھا لیکن وہ کیوں اب تک عادی نہی ہو سکا تھا، یہ بات اسے سمجھ نہی آتی تھی۔۔۔شائد ماں اور اولاد کا رشتہ واحد ایسا رشتہ ہے جس میں اعتبار اور بھروسہ کوکھ میں بچے کے ساتھ ہی پنپتا ہے۔۔۔وہ اعتبار جو بچے کو اپنی ماں کی محبت پر ہوتا ہے اور وہ بھروسہ جو ماں کو اپنی اولاد کی وفاداری پر ہوتا ہے۔۔۔لیکن زین کو لگتا تھا کہ ان کے بیچ کا اعتبار اور بھروسہ اس کے ساتھ جنم ہی نہی لے سکا۔۔۔وہ ہمیشہ ان سے محروم رہا تھا۔۔۔وہ لاشعوری طور پر امی کا منتظر رہا تھا کہ وہ آئیں گی اور اسے تسلی دیں گی۔۔۔اسے کہیں گی کہ انہیں اس پر اعتبار ہے۔۔۔وہ جھوٹا نہی ہے لیکن ایسا نہی ہوا تھا۔۔۔وہ اتنے جوش سے اس کی منگنی کی تیاری نہیں کر رہی تھیں جتنی خوشی اب ان کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔۔۔!

زین نے ایک جھٹکے سے لیپ ٹاپ بند کیا اور جیب سے سیل فون نکالا۔۔۔اسے ہونٹوں سے ٹکائے وہ کچھ پل سوچتا رہا پھر اس نے اسوہ کو کال ملا دی۔۔۔بیل جا رہی تھی اور وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا، چابیاں جیب میں ٹھونستا گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔۔۔!

☆......☆......☆

"میرا دل چاہ رہا ہے سب کچھ تہس نہس کر دوں۔۔۔میں چیخ چیخ کر سب کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں

ایسا نہی ہوں لیکن میرے اندر سے ہمت جیسے نچڑ کر رہ گئی ہے۔۔۔میں نے بہت محنت اور بے حد ریاضت کے بعد خود کو جوڑنا سیکھا تھا۔۔۔اور آج ایک ضرب نے میرے پورے وجود میں دراڑیں ڈال دیے ہیں۔۔۔شگاف کر دیے ہیں۔۔۔میں تھوڑا تھوڑا پھر سے ٹوٹنے لگا ہوں اسوہ۔۔۔!"

وہ بے اختیار سا اپنا ہر دکھ اسوہ کو بتاتا چلا گیا۔۔۔دریا کنارے چہل پہل ابھی بھی برقرار تھی۔۔۔وہ دونوں قدرے پرسکون گوشے میں بہتے دریا سے کچھ فاصلے پر ٹھنڈی نم مٹی پر بیٹھے تھے۔۔۔ماحول میں خنکی کی شدت تھی لیکن اچھی لگ رہی تھی۔۔۔اسوہ پورے انہماک سے زین کو سن رہی تھی اور ساتھ اپنے بیگ کی فرنٹ پاکٹ میں ہاتھ ڈالتی جاتی اور اس میں سے ایک ایک کر کے کاجو نکال کر کھا رہی تھی۔۔۔ہر دو منٹ بعد وہ جیسے ہی زین بولنے میں وقفہ لیتا، ایک کاجو اس کی طرف بڑھا دیتی جسے وہ تھام کر مٹھی میں دبا لیتا۔۔۔ایسے کرتے کرتے اس کی مٹھی میں آٹھ دس کاجو تو بند ہو ہی چکے تھے۔۔۔زین کو مکمل سننے کے بعد اس نے پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر کاجو نکالنا چاہا تو وہ اب خالی محسوس ہوئی۔۔۔زین اسے اب کوفت سے دیکھ رہا تھا۔۔۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ بیکار میں اتنی دیر سے بک بک کر رہا ہے۔۔۔اسوہ جب ٹٹولنے سے باز نہی آئی تو زین نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنی مٹھی میں بند کاجو اس کی ہتھیلی پر منتقل کر دیے۔۔۔۔

"لو کرو کچر کچر۔۔۔میں نے تو اتنی دیر سے جھک ہی ماری ہے۔۔۔مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں بلاوجہ اپنی پرسنل باتیں کہتا چلا گیا جبکہ تمہارا دھیان تو سارا منہ چلانے پر تھا۔۔۔!" وہ ناراض سا اب اٹھنے کو پر تولنے لگا۔۔۔اسوہ نے اپنے بیگ کے دباؤ سے اسے واپس جگہ پر دھکا سا دیا۔۔۔وہ شاکی نگاہوں سے اسے دیکھ کر منہ پھیر گیا۔۔۔

"ناراض کیوں ہو رہے ہو۔۔۔میں نے تمہیں اپنی زندگی کا وہ واحد اصول سمجھایا ہے۔جس پر کاربند رہ کر میں نے دس سال گزار دیے۔۔۔!"

اسوہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تو زین نے حیرت سے اسے دیکھا۔۔۔

"کیا مطلب۔۔۔کیسا اصول۔۔۔!" اس نے سوال کیا۔۔۔

"جب سب آپ کی راہ میں روڑے اٹکانے پر کمر کس لیں تو آپ بھی اپنا مقصد حاصل کرنے میں اسی شدت سے مصروف ہو جاؤ۔۔۔مت سنو کسی کو کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے، کسی کو کتنا برا لگ رہا ہے، کون چاہتا ہے کہ آپ ٹھہر جاؤ، کون چاہتا ہے کہ آپ کا دھیان بٹ جائے۔۔۔یہ وہ وقت ہوتا ہے جب آپ کو صرف وہ دیکھنا، سوچنا اور کرنا ہے، جو آپ ٹھان چکے ہیں۔۔۔کرتے جاؤ اور بس کرتے جاؤ۔۔۔تنگ آ کر، زچ ہو کر سب آپ کو آپ کا من چاہا کرنے دینے پر مجبور ہو جائیں گے جیسے تم نے مجھے کاجو واپس دے دیے کھانے کے لیے کیونکہ تمہیں لگا کہ میں اس وقت بس یہی کام کرنا چاہتی ہوں چاہے مجھے کتنا ہی روک لو۔۔۔!"

زین آنکھوں میں استعجاب لیے اسے گھورے جا رہا تھا۔۔۔اسے لگ رہا تھا جیسے اسوہ مذاق کر رہی ہے لیکن وہ سنجیدہ تھی۔۔۔وہ بات تو اس سے کر رہی تھی لیکن لہجہ کچھ کھویا کھویا بھی لگ رہا تھا۔۔۔زین نے نرمی سے اس کی کہنی کو چھو کر متوجہ کیا۔۔

"اسوہ۔۔۔تم ٹھیک تو ہو نا۔۔۔کیا ڈسٹرب ہو آج۔۔۔کسی بات پر دکھی ہو گیا۔۔۔؟"

"کس کے اندر دکھ نہیں ہے زین۔۔۔کون ہے ایسا جو ہر دم خوشیوں کے ہنڈولے جھولتا ہے۔۔۔ہر کوئی یہاں اپنے اپنے حصے کے دکھ اٹھائے ہوئے ہو۔۔۔تمہاری تکلیف بجا ہے۔۔۔تمہارے کردار پر داغ آیا ہے، تم صحیح تڑپے ہو لیکن تم نے موقع ہی کیوں دیا کہ کوئی تمہارے ساتھ ایسی چال چلتا۔۔۔تم نے پہلی بار میں ہی پلٹ کے مقابل کے وار کا جواب کیوں نہیں دیا۔۔۔چلو جب ہمت نہیں تھی، نہیں تھی لیکن کیا تم کبھی بھی طاقت اور اختیار کا استعمال کرنے کے قابل نہیں ہو سکے۔۔۔؟"

وہ پوچھ رہی تھی اور زین سُن سا اسے بولتے سن رہا تھا۔۔۔وہ لاجواب ہو گیا۔۔۔اسوہ نے بات جاری رکھی۔۔

"زین زندگی سب کو بارہا چانس دیتی ہے۔۔۔خود کو بدلنے کا۔۔۔اپنے لیے لڑنے کا۔۔۔اپنی حق تلفی روکنے کا لیکن ہم اس چانس کو مس کرتے چلے جاتے ہیں، کبھی کم ہمتی کی وجہ سے تو کبھی مظلومیت کی وجہ سے۔۔۔ہمیں عادت پڑ جاتی ہے زیادتی سہنے کی۔۔۔دکھ اٹھانے کی اور اپنے آپ سے ہمدردی کرنے کی۔۔۔خود سے ہمدردی کرنا وہ بھی اس وقت جب آپ کو میدان میں اترنے کی ضرورت ہو،

محض منتخب ناکامی ہے۔۔۔۔اپنے لیے جو لڑائی ہم خود لڑتے ہیں وہ کوئی دوسرا نہی لڑ سکتا کیونکہ دکھ ہمارا ہے، دل ہمارا ہے، محسوس ہم کرتے ہیں تو زبان بھی ہم استعمال کریں یہ بتانے کے لیے کہ ہمیں برا لگ رہا ہے، ہمارے ساتھ غلط ہو رہا ہے، ہمیں بھی وہی سب ملنا چاہیے جس کے ہم حق دار ہیں لیکن ہمیں خود ترسی کی عادت پڑ چکی ہوتی ہے۔۔۔جب سب اچھا اچھا ہونے لگتا ہے تو ہم حالات واپس اسی مقام پر لے آتے ہیں جہاں وہ ہمارے لیے دکھ اور تکلیف کا باعث ہوتے ہے۔۔۔کیوں۔۔؟ کیوں کہ ہمیں رونا پسند ہوتا ہے۔۔۔خود پر ترس کھانا پسند ہوتا ہے، اپنے آپ کو خود کی ہی عدالت میں مظلوم ثابت کرتے رہنا پسند ہوتا ہے۔۔۔میدان سچا ہو تو پرانے زخم نہی چاٹے جاتے بلکہ نئے کے لیے سینہ تانا جاتا ہے۔۔۔!"

وہ ہاتھ جھاڑ کر تسلی سے گھٹنے کھڑے کر کے اپنی بانہیں ان کے گرد لپیٹ کر بیٹھ گئ اور زین کو سمجھ نہی آ رہی تھی کہ وہ شرمندگی محسوس کر رہا تھا یا افسوس۔۔۔اسوہ کو سب بتانے کے لیے۔۔!

اسوہ نارمل تھی اور اسے کچھ کہنے کا موقع دے رہی تھی پر جب وہ کچھ نہی بولا تو ایک طویل سانس بھر کر وہ مسکرائی اور شرارتی لہجے میں بولی۔۔۔

" مابدولت کو سنا (کڑھنا) بند کریں تو میری بات پر غور کریں گے، مجھے یقین ہے۔۔۔"

زین کچھ نہی بولا بس وہ بھی دونوں گھٹنے کھڑے کر کے ان کے اطراف بازو باندھے اسے یک ٹک دیکھنے لگا۔۔۔اسوہ سنجیدہ ہوئی اور سر جھکائے بیگ کی زپ سے کھیلتی اپنی داستان سنانا شروع ہوئی۔۔۔زین کا دل بیزار تھا لیکن وہ نا چاہتے ہوئے بھی اسے سنتا چلا گیا۔۔۔!

☆......☆......☆

" میں پندرہ سال کی تھی جب بابا کی ڈیتھ ہو گئ۔۔۔مجھے بابا کی زندگی میں احساس بھی نہی تھا کہ دکھ کسے کہتے ہیں، غم کس بلا کا نام ہے۔۔۔انہوں نے کبھی مجھے گرم ہوا لگنے ہی نا دی تھی۔۔۔ہر خواہش بن کہے پوری ہو جاتی تھی اور تربیت کے معاملے میں بابا کے اصول بے حد مستحکم تھے۔۔۔ڈانٹ ڈپٹ تو کبھی کرتے ہی نا تھے پر وہ عملا تربیت کرنے کے قائل تھے۔۔۔وہ جس کام کو سکھانا چاہتے یا سمجھانا چاہتے اسے اپنی عادت بناتے تھے اور میں خود بخود ان کو کاپی کر لیا کرتی۔۔۔وہ مجھے ایک اعلی اخلاق کی حامل

لڑکی بنانا چاہتے تھے جسے ہر کسی کا درد محسوس ہو اور جو کسی کی مدد کرتے ہوئے کبھی نا ہچکچائے۔۔۔اس لیے کیونکہ وہ خود ایسے ہی تھے اور میں بابا کی شیدائی ان جیسا بننے کی کوشش میں ان کی مرضی کے مطابق ڈھلتی چلی گئی۔۔۔بابا نے بہت چھوٹی عمر سے میرا مائنڈ سیٹ کر دیا تھا کہ مجھے کیا بننا ہے۔۔۔انہوں نے مجھ پر کبھی دباؤ نہی ڈالا تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ میں جو بھی بنوں اس سے دوسروں کا بھلا ضرور ہو اور چونکہ بابا کو تربیت کرنا، سکھانا اچھا لگتا تھا اس لیے میں نے بہت کم عمری میں ٹھان لیا تھا کہ مجھے استاد بننا ہے۔۔۔بابا جیسا۔۔۔!

پھر میرے بابا چلے گئے۔۔۔وہ اچھے بھلے تھے۔۔۔اور اچانک ہی ان کا پیارا سا دل دھڑکنا بند ہو گیا۔۔۔مجھے اتنا بڑا جھٹکا زندگی میں دوبارہ کبھی نہی لگا نا لگے گا جو ان کی موت سے لگا۔۔۔بابا کے مرنے کے بعد میں یکدم بے سروسامان ہو گئی۔۔۔مجھے بلکل ایسا محسوس ہوا تھا جیسے ایک شخص اپنی کل جمع پونجی کسی محفوظ جگہ دبا کر جائے اور جب واپس آئے تو وہاں عمارت تعمیر ہو چکی ہو۔۔۔اتنی بلند جو ماپی نا جا سکے، اتنی مضبوط جو ڈھائی نا جا سکے۔۔۔میرا حال بھی ویسا ہی تھا۔۔۔میری ساری جمع پونجی بابا تھے جنہیں میں سکول جاتے ہوئے ہنستا بولتا چھوڑ کر گئی تھی اور جب واپس آئی تو وہ لاش کی صورت گھر کے صحن میں پڑے تھے۔۔۔کتنی باتیں، کتنے مسئلے مجھے باری باری یاد آنے لگے کہ ابھی تو میں نے بابا آپ سے یہ پوچھنا تھا۔۔۔ابھی تو فلاں چیز کے بارے میں آپ نے کچھ بتایا ہی نہی۔۔۔ابھی تو مجھے چلنا آیا ہے، اڑنا آیا ہی نہی۔۔۔اور بابا دفنا دیے گئے۔۔۔امی بے حد گھریلو سی عورت تھیں جن سے بابا کو محبت تھی۔۔۔وہ مجھے لیے نانا کے گھر چلی آئیں۔۔۔ددھیال میں میری صرف پھپھو تھیں جو ملک سے باہر ہوتی تھیں۔۔۔بابا کی وفات پر ان کی کال آئی تھی بس۔۔۔اس کے بعد انہوں نے رابطہ نہی کیا۔۔۔ننھیال میں تین ماموں تھے اور انکے بیوی بچے۔۔۔گھر کم جنجال پورہ زیادہ لگتا تھا۔۔۔میں اکلوتی تھی اس لیے گھبرا گئی۔۔۔لیکن امی کے پاس اور کوئی چارہ نہی تھا۔۔۔گھر ہمارا اپنا تھا جسے کرایے پر اٹھا دیا گیا تا کہ امی اور میں زیادہ بوجھ نا بنیں۔۔۔وہ دن بہت تکلیف بھرے تھے۔۔۔میں سارا دن بولائی بولائی پھرتی۔۔۔بابا نے مجھے طنزیہ لہجوں میں گفتگو کرنا، اونچی آواز میں بولنا کبھی نہی سکھایا تھا اس لیے جب

یہاں سب کو اس ڈھب میں بات کرتا دیکھتی تو مجھے لگتا پاگل خانے میں آ گئی ہوں۔۔۔بابا کی زندگی میں بھی میں ننھیال بہت کم آتی تھی کیونکہ بابا کو پسند نہیں تھا اور امی نے بھی کبھی اعتراض نہیں کیا تھا۔۔۔وہ بابا کی ہر بات مانا کرتی تھیں کیونکہ بابا نے انہیں ہمیشہ عزت، محبت اور مان دیا تھا۔۔۔آتے جاتے کبھی کوئی ممانی مجھ پر طنز کا تیر چلا دیتیں کبھی ان کی کوئی اولاد۔۔۔جب تک ان کی بات کا مطلب مجھے سمجھ آتا تب تک وہ سامنے سے ہٹ بھی چکے ہوتے۔۔۔میں سکول جانے لگی تو کچھ سکون آیا۔۔۔پڑھائی میں میرا دل لگتا تھا اور وہ بھی بابا کی وجہ سے۔۔۔انہوں نے کتابوں اور لوگوں سے میری محبت کو مہمیز کیا تھا۔۔۔کتاب میری بہترین سنگی ساتھی رہی تھی۔۔۔کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ مجھے گھر میں چہ میگوئیاں سنائی دینے لگیں۔۔۔میری ممانی کے بھائی تازہ تازہ بیوی دفنا کے ہٹے تھے۔۔۔انہیں امی دکھائی دیں اور انہوں نے رشتہ دے دیا۔۔۔امی کو بے حد برا لگا لیکن خاموش رہنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔۔۔ممانی کا گھر اور میرے ماموں پر ہولڈ تھا۔۔۔انہوں نے امی پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔۔۔امی نے مجھے لے کر واپس ابو کے گھر آنے کا فیصلہ کیا لیکن ماموں نے بتایا کہ کرایے داروں کے ساتھ دو سال کا ایگریمنٹ ہے اور اگر اس سے پہلے انہیں فارغ کیا گیا تو ایڈوانس دوگنا واپس کرنا پڑے گا۔۔۔امی کے پاس ذرائع نہیں تھے کہ اس بات کی تصدیق کروا سکیں۔۔۔وہ چپ ہو کر بیٹھ رہیں۔۔۔ممانیوں نے امی کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا۔۔۔وہ مجھے لیے سارا سارا دن کمرے میں بند رہتیں لیکن کب تک۔۔۔!

حالات جب بس سے باہر ہونے لگے تو ممانی نے آخری پینترا کھیلا اور میکے چلی گئیں۔۔۔ماموں اور ان کے بچے شاکی نگاہوں سے امی اور مجھے دیکھتے رہتے۔۔۔آتے جاتے ہوکے بھرے جاتے اور طنزیہ ہنکارے سنائی دیتے۔۔۔ممانی کو گئے ایک ماہ سے اوپر ہو چلا تھا کہ ان کا چھوٹا دس سالہ بیٹا سیڑھیوں سے گرا اور بازو تڑوا بیٹھا۔۔۔ممانی نے کلیجہ ایسا پتھر کیا کہ بار بار فون کرنے پر بھی نا آئیں۔۔۔امی شرمندگی سے گڑی جاتی تھیں۔۔۔بھتیجا تکلیف کی شدت سے بے حال ماں کو پکارتا تھا اور امی یہ سب دیکھ نہیں پا رہی تھیں۔۔۔چوبیس گھنٹے بھی نا گزرے تھے کہ امی ہار گئیں۔۔۔انہوں نے فون کر کے ممانی کو ان کے بھائی کے رشتے کے لیے ہاں کر دی اور انہیں واپس بلا لیا۔۔۔گھر بھر میں سکون کی

لہر دوڑ گئی۔۔۔ایک میں تھی جس کے پیروں تلے ایک بار پھر سے زمین کھسک گئی تھی۔۔۔ایسا لگتا تھا جیسے ماں پرائی ہو گئی۔۔۔مجھے چپ لگ گئی۔۔۔یقین نہیں آتا تھا کہ امی نے ہار مان لی۔۔۔وہ بیچاری مجھے بہلانے کے جتن کیے جاتیں اور میں چپ کی بکل اوڑھے کتابوں میں سر دیے رہتی۔۔۔امی نے ممانی کے آگے شرط رکھی تھی کہ وہ اس نکاح کے لیے محض اس شرط پر راضی ہوں گی اگر اسوہ ان کے ساتھ جائے گی اور ممانی کے بھائی کو چنداں اعتراض نہیں ہوا تھا کیونکہ ابو کا مکان میرے نام تھا اور اس کا کرایہ بھی امی کو معقول ملتا تھا۔۔۔اگر میں ننھیال میں ہی رہ جاتی تو میرے اخراجات کے لیے کرائے کی رقم یقیناً ماموں لوگ رکھتے اس لیے ممانی کے بھائی نے فائدہ حاصل کیا اور میری سرپرستی کے لیے راضی ہو گئے۔۔۔امی کا نکاح سادگی سے ہو گیا اور وہ چلی گئیں۔۔۔ایک ہفتے بعد مجھے بھی وہ آ کر لے گئیں۔۔۔وہ ایک ہفتہ جو ماں کے بنا میں نے کاٹا تھا، اس نے مجھے اپنی عمر سے دس سال آگے کا تجربہ دے ڈالا۔۔۔مجھے لوگوں کے رویے ان کے تاثرات سے سمجھ آنے لگے۔۔۔وہ بات بعد میں کرتے اور میں پہلے اندازہ کر لیتی کہ ان کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔۔۔امی کے نئے گھر میں میرا ویلکم کچھ خاص نہیں تھا بلکہ بلکل بھی خاص نہیں تھا۔۔۔وہاں پہلے سے ہی دو لڑکیاں اور ایک بارہ سالہ لڑکا موجود تھے۔۔۔لڑکیاں دونوں کالج گوئینگ اور ان کا بھائی آٹھویں کا طالبعلم۔۔۔ان بہنوں کو مزید کسی بہن کی ضرورت نہیں تھی اور ان کا بھائی بھی سیر تھا۔۔۔یوں ہم سب میں اجنبیت برقرار رہی۔۔۔امی کو اب چونکہ وہیں رہنا تھا اس لیے امی نے ان بچوں کو راضی رکھنے کے لیے دن رات ان کے آگے پیچھے گھومنا شروع کر دیا۔۔۔میں امی کی ترجیحات میں کافی پیچھے چلی گئی اور یہ شاید ان کی مجبوری بھی تھی۔۔۔پہلے دن ہی مجھے امی میرے سامان سمیت اوپر گیلری میں لے گئیں۔۔۔

"اسوہ۔۔۔میری جان۔۔۔یہ تمہارا وقتی بیڈ روم ہے۔۔۔نیچے جتنے بھی کمرے ہیں سبھی مصروف ہیں۔۔۔میں نے تمہارے ابو۔۔۔"

"انکل۔۔۔میرے انکل۔۔۔ابو نہیں۔۔۔" میں جو امی کی بات سکون سے دونوں بازو سینے پر باندھے سن رہی تھی، اس بات پر چیخ کر بولی اور دوبارہ چپ ہو کر ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہی۔۔۔امی

محتاط لہجے میں گویا ہوئیں۔۔

"میں نے تمہارے انکل کو کہا تھا کہ تم ڈرائینگ روم میں سو جاؤ گی لیکن وہ کہنے لگے کہ وہاں ان کے دوستوں کا آنا جانا رہتا ہے اور ویسے بھی اسوہ کو دو تین ماہ کے لیے گیلری میں سونا پڑے گا پھر ایک نیا روم بنوا دوں گا۔۔۔ اس لیے چندا بس کچھ عرصہ گزارا کرلو۔۔۔ پھر کمرے کا بندوبست ہو جائے گا۔۔۔"

امی مجھے پچکارتی ہوئی اور بال سہلاتی نیچے چلی گئیں اور میں اس تمام وقت میں ان سے اتنا بھی نا کہہ سکی کہ نیچے ایک ایکسٹرا کمرا ہے جس کو بچوں کی اسٹڈی بنا رکھا ہے میں وہاں بھی رہ سکتی ہوں۔۔ مجھے یوں اکیلے اوپر نا سلائیں امی۔۔ میں کبھی آپ سے الگ نہیں سوئی۔۔ مجھے ڈر لگے گا۔۔۔ میں تو رات میں واشروم جاتی تھی تو امی کو اٹھا دیتی تھی تا کہ مجھے تسلی رہے کہ وہ جاگ رہی ہیں اور اب وہ مجھے خود ہی سارے گھر سے کاٹ کر الگ تھلگ جگہ چھوڑ کر نیچے جا چکی تھیں۔۔۔ بابا کی یاد بڑی شدت سے مجھ سے گلے آ ملی کہ تکلیف سے آنسو نکل آئے پر میں نے اسے بمشکل پرے دھکیل کر خود گیلری یعنی اپنے بیڈ روم کا جائزہ لینا شروع کیا۔۔۔ ساڑھے پانچ فٹ کی چھت جس کو میں نے آرام سے ہاتھ سے چھو کر ٹٹولا تو سیمنٹ بھر بھرا کے میرے چہرے اور سر پر پڑا تھا۔۔۔ میں نے آنکھیں میچ کر اپنے دوپٹے کے پلو سے منہ صاف کیا اور آنکھیں بھی رگڑ ڈالیں کیونکہ ان میں پانی بھرتا ہی جا رہا تھا۔۔۔ وہاں ایک چار پائی رکھی تھی، اس کے بھی ایک کونے پر چند بستر اور کھیس وغیرہ دھرے ہوئے تھے جن پر مٹی کی تہہ دکھائی دیتی تھی۔۔۔ ایک طرف پیڈسٹل فین رکھا تھا جو زنگ آلودھ تھا اور جالوں سے اٹا تھا۔۔۔ باقی تمام گیلری کاٹھ کباڑ سے اور پیٹیوں سے بھری ہوئی تھی۔۔۔ میں نے ایک تفصیلی جائزہ لے کر اندازہ لگا لیا کہ مجھے یقیناً اسی چار پائی پر سونا تھا جو وہاں بچھی تھی کیونکہ اس کے علاوہ وہاں بیٹھنے تک کے لیے کچھ نہیں تھا۔۔۔ میں حیران نہیں تھی لیکن صدماتی کیفیت میں ضرور تھی کیونکہ امی سے مجھے یہ امید نہیں تھی کہ وہ میرے لیے ایک صاف بستر تک کا بھی انتظام کر کے نہیں دیں گی جبکہ اب رات کا وقت تھا اور وہ مجھے سونے کے لیے ہی اوپر لائی تھیں۔۔۔ سردی کا موسم تھا اور میرے پاس اوڑھنے کے لیے لحاف بھی نہیں تھا۔۔۔ گیلری کا دروازہ جو چھت کو کھلتا تھا، وہ لوہے کا تھا جو مزید ٹھنڈ کا باعث بن رہا تھا۔۔۔ مجھے خیال آیا کہ گرمیوں میں

یہ تپ کر کیا کمال دکھائے گا۔۔۔!

میں نے کلائی میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھا، ابھی رات کے نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔۔۔میں سیڑھیوں کی جانب بڑھی، سوچا کہ جا کر امی سے کہوں کہ مجھے نیچے کسی کونے میں بستر ڈال دیں، میں کیسے اکیلی اس طرح سو سکوں گی۔۔۔ابھی قدم پہلی سیڑھی پر نہی دھرا تھا کہ اونچا اونچا ہنسنے بولنے کی آوازوں نے مجھے روک دیا۔۔۔نیچے کھانا کھایا جا رہا تھا اور امی سب کو محبت سے پیٹ بھر کر کھانے کو کہہ رہی تھیں۔۔۔امی کا اصرار اور ان کی دوسری اولادوں کی نخریلی آوازیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔۔۔حالانکہ مجھے امی ایک گھنٹہ پہلے ہی کچن میں کھانا کھلا چکی تھیں یہ کہہ کر کہ آج کسی کو بھوک نہی اس لیے شائد کوئی اور نا کھائے۔۔۔میرے پیر جہاں تھے وہیں جم گئے۔۔۔حلق رندھ کر چرنے کے قریب ہو گیا۔۔۔ایسا لگتا تھا میں اس گھر کی ملازمہ ہوں جسے گھر والے ساتھ نہی بٹھاتے بلکہ وہ کسی کونے کھدرے میں بیٹھی سب کے کھانا کھا لینے کا انتظار کرتی زمین کریدتی رہتی ہے۔۔۔میں واپس آ کر چارپائی کے کونے پر ٹک گئی اور کب سے رکے آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے۔۔۔بابا کو یاد کر کے جی بھر کے روئی۔۔۔ایک دفعہ دل میں خیال آیا کہ واپس ماموؤں کے پاس چلی جاؤں، کم از کم ڈھنگ کا بستر تو مل ہی جاتا یا پھر اپنے بابا کے گھر۔۔۔!اور میرے چھوٹے سے ذہن نے فیصلہ کر لیا کہ میں خود مختار طور پر اپنے بابا کے مکان پر اکیلی رہوں گی۔۔۔یہ سوچ کر میں قدرے مطمئین ہو گئی اور محض رات گزارنے کے لیے میں نے چارپائی کے کونے سے ایک رضائی نکالی اور اسے جھاڑ کر اوپر لینے کے قابل کیا۔۔۔سر کے نیچے دو کھیس گول مول کر کے دبا لیے۔۔۔نیند آنے تک مجھے اپنی ماں کے کھو جانے کا غم آنسوؤں کی صورت میری آنکھوں میں ہلکورے لیتا رہا۔۔۔!

ایک طویل اور سیاہ رات گزارنے کے بعد میں پر عزم تھی کہ آج میں یہ کر لوں گی، وہ کر لوں گی۔۔۔بابا کا مکان خالی کروا لوں گی اور وہاں اکیلی رہ کر پڑھائی کروں گی۔۔۔صبح اٹھ کر میں نے چھت پر بنے کھرے سے منہ ہاتھ دھویا اور بہت سے خواب اور شکایتیں لیے میں نیچے اتری تو کچن میں امی اور ان کی تینوں نئی اولادیں موجود تھیں۔۔۔امی پراٹھے بنا بنا کے میز پر ان کے آگے رکھ رہی تھیں۔۔۔مجھے

دیکھ کے ان تینوں کے منہ بن گئے اور امی مجھے دیکھ کر بوکھلا گئیں۔۔۔میں بنا پرواہ کیے سیدھا فرج کی جانب گئی اور بریڈ جیم نکال کر کاؤنٹر پر رکھا۔۔۔دو سلائس نکالے اور اس پر چھری سے جیم لگانے لگی۔۔۔وہ تینوں میری جرات پر حیران جبکہ امی پشیمان سی تھیں۔۔۔بات جب بگڑنے کے قریب پہنچنے لگی تو امی نے مجھے کہنی سے تھاما اور کچن سے نکال کر اندر کمرے میں لے آئیں۔۔۔

"کیا بدتمیزی ہے اسوہ۔۔۔کیوں تماشا بنانے اتری ہو۔۔۔؟"

"تماشا نہی ناشتہ بنا رہی تھی امی۔۔۔کیا وہ بھی کرنے کا حق نہی مجھے۔۔۔ویسے بھی فکر نا کریں۔۔۔جا رہی ہوں یہاں سے میں۔۔۔شام تک ساری ضروری چیزیں لے کر نکل جاؤں گی آپ کی زندگی سے۔۔۔!"

امی نے حق دق میری بات سنی اور پریشانی سے پوچھا۔۔۔

"کہاں۔۔کدھر نکل جاؤ گی۔۔۔کیا مطلب ہے اسوہ۔۔۔پاگل ہو گیا۔۔۔؟"

"بابا کے گھر۔۔۔جو کہ میرا ہے۔۔۔میرا اپنا گھر۔۔۔یہاں پرائے گھر نوکروں کی طرح پڑے رہنے سے بہتر ہے،اپنے باپ کے گھر میں عزت سے رہوں۔۔۔ایک رات نے مجھے کافی سبق سکھا دیا ہے امی۔۔۔!"

امی نے ساری بات سمجھتے ہوئے ایک ہوکا بھرا اور بولیں۔۔

"اسوہ۔۔۔میری جان۔۔۔ناراض ہو گئی ہو۔۔مجھے معاف کر دو۔۔۔میری مجبوری کو سمجھو اسوہ۔۔۔بس دو تین دن کی بات ہے،میں اوپر گیلری کو شاندار سا سیٹ کر دوں گی۔۔۔تم فکر نا کرو۔۔تمہاری مرضی اور ضرورت کے مطابق۔۔۔"

کیوں۔۔۔میرا کمرا جو بننا تھا وہ کہاں گیا۔۔۔؟" میں نے ان کی بات کاٹ کر تلخی سے یاد دہانی کروائی تو وہ نگاہیں جھکا گئیں۔۔

"بن جائے گا۔۔۔لیکن کچھ وقت لگے گا اسوہ۔۔۔تم ضد بازی سے میرا گھر خراب نا کرو۔۔۔واپسی کا کوئی راستہ نہی اسوہ۔۔۔!"

"کیوں نہی ہے۔۔۔میرے پاس تو ہے۔۔۔میں بابا کے گھر رہوں گی جو میرا گھر ہے۔۔۔!"

"نہی جا سکتی تم وہاں۔۔۔" امی نے نظریں جھکا لیں۔۔"تمہارے انکل تمہیں اسی شرط پر رکھنے کے لیے راضی ہوئے تھے کہ مکان کا کرایہ ان کو ملے گا اور وہ سال کا کرایہ ایڈوانس لے چکے ہیں۔۔۔ کرایے دار ایسے ہی تو خالی نہی نا کر دیں گے گھر۔۔۔!"

اور میں صدمے کی کیفیت میں امی کو دیکھتی رہ گئی۔۔۔میں انہیں کہنا چاہتی تھی کہ مکان میرا، کرایے پر حق میرا اور لیں گے آپ کے شوہر۔۔۔پھر بھی میرے رہنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمرا نہی۔۔۔لیکن میری زبان میرا ساتھ چھوڑ گئی۔۔۔میں گنگ سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔۔۔امی میرے جواب کے انتظار میں بیزار سی میری شکل دیکھتی رہیں پھر سر مارتی وہاں سے واپس کچن میں چلی گئیں۔۔۔میں بمشکل خود کو گھسیٹتی اوپر گیلری تک واپس آئی تھی۔۔۔وہاں سے ہوتی میں چھت پر نکل آئی۔۔۔روشن سی دھوپ میں ٹہلتے ہوئے میرے کشیدہ اعصاب کو سکون ملا اور میں نے اگلا لائحہ عمل طے کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔۔۔جہاں تک ایک پندرہ سالہ بچی کی عقل کام کر سکتی تھی وہاں تک میں نے سوچنا شروع کیا۔۔۔بابا ہوتے تو وہ مجھے کیا مشورہ دیتے۔۔۔وہ مجھے کبھی بھی کمزور پڑنے نا دیتے۔۔۔اور میں نے سوچ لیا مجھے کیا کرنا ہے۔۔۔مجھے مضبوط رہنا تھا۔۔۔میں بابا جیسی تھی اور بابا کو ہار کر اپنی منزل ترک کر دینے والے لوگ پسند نہی تھے۔۔۔مجھے بھی ہارنا نہی تھا۔۔۔میرا سفر تو ابھی شروع ہوا تھا، یہ اور بات کہ ابتدا میں ہی میری راہ میں روڑے آ گئے تھے۔۔۔سرما کی گرم نرم دھوپ نے میرے اندر کے جمود کو پگھلا دیا اور میں اپنے اندر ایک توانائی سی محسوس کرنے لگی۔۔۔میں واپس گیلری میں گئی اور وہاں بچھی اکلوتی چارپائی پر سے فالتو کاٹھ کباڑ جو رضائیوں اور تلائیوں کے علاوہ تھا وہ اٹھایا اور باہر چھت کے ایک کونے پر ڈھیر کرتی چلی گئی۔۔۔چارپائی کو باہر نکال کر اچھے سے جھاڑ کر اسے دھوپ لگنے کے لیے رکھ چھوڑا اور چھت کے کھرے پر لگے پائپ کو کھینچ کے اندر لے گئی اور ساری گیلری دھو ڈالی۔۔۔نیچے جا کر صحن سے وائپر اور جھاڑو پکڑ لائی اور استعمال کے بعد وہیں رکھ لیا۔۔۔اب مجھے چاہیے تھے اپنے لیے قابل قبول بستر۔۔۔! تو اس کے لیے میں سیدھی نیچے اتر کے امی کے کمرے میں

گئی اور وہاں سے ان کا بیڈ پر سجا ہوا ان کا تکیہ اور رضائی اٹھائی۔۔۔ان کی الماری کھول کے بیڈ شیٹ ڈھونڈی اور دو بیڈ شیٹیں بغل میں دبا کر اوپر لے آئی۔۔۔ایک رضائی جو میں نے رات میں اوڑھی تھی اسے میں نے گدے کے طور پر بچھا لیا۔۔۔امی کا ہیئر برش، ان کے کمرے کی دیوار پر لگا آرائشی شیشہ، ان کے واشروم سے ان کی ٹوتھ پیسٹ اور گلابی رنگ کا صابن، یہ سب اٹھایا اور اوپر لے آئی۔۔۔میں جان گئی تھی کہ نامیرا کوئی کمرا بننے والا تھا نا مجھے نیچے جگہ ملنے والی تھی اس لیے میں نے وہ کیا جو مجھے مناسب لگا تھا۔میں نہی جانتی تھی کہ ضرری سامان کہاں رکھا ہے نا مجھے یہ معلوم تھا کہ امی کی بیٹیوں کے کمرے تک رسائی کیسے حاصل کی جائے۔۔۔میں امی کے کمرے تک جا سکتی تھی لہذا میں نے ہر مطلوبہ چیز ان کے کمرے سے اٹھائی اور لے آئی۔۔۔چھت کے کارنر پر ایک چھوٹا سا واشروم تھا جو استعمال نہی ہوتا تھا، اسے تیزاب سے اچھے سے دھویا اور صاف کر کے وہاں امی کے واشروم سے ان کی نہانے کی بالٹی اور مگ ان کا صابن اور شیمپو بھی اوپر لا کے سجا دیا۔۔۔یہ سب کرنے میں مجھے کم از کم تین گھنٹے لگ گئے۔۔۔اس دوران میں جتنی بار نیچے جاتی رہی، میں نے امی کو کبھی کچن میں تو کبھی باہر صحن میں ملازمہ کے ساتھ مصروف دیکھا۔۔۔ان کی نئی اولاد سکول، کالجوں کا رخ کر چکی تھی اس لیے مجھے سارا سامان اوپر منتقل کرنے میں دشواری نہیں ہوئی۔۔۔دوپہر کا کھانا دینے جب امی اوپر آئیں تو میں نہا دھو کے کپڑے تبدیل کیے اپنی شاہانہ چارپائی پہ بیٹھی پڑھائی کر رہی تھی۔۔۔وہ کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لیے بے یقینی سے گیلری کی حالت دیکھ رہی تھیں۔۔۔ان کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔۔۔وہ چلتی ہوئی میرے قریب آئیں اور چارپائی پہ بچھی بیڈ شیٹ اور تکیے کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔۔۔

"کیا دیکھ رہی ہیں۔۔۔آپ کو کیا لگا، مجھے مر جانا چاہیے کیا۔۔۔؟" میں نے انہیں بے پرواہی سے دیکھا اور نا چاہتے ہوئے بھی میں طنز کر گئی۔۔۔

"اللہ نا کرے اسوہ۔۔۔کیسی باتیں کر رہی ہو۔۔۔ماں ہوں تمہاری۔۔۔لیکن اسوہ یہ سب کیوں کیا بیٹا۔۔۔میں۔۔۔میں آج تمہیں بندوبست کر ہی دیتی۔۔۔!"

"کیسا بندوبست۔۔۔جیسا رات میں تھا میرے پاس۔۔۔یہ گندی مٹی سے اٹی چارپائی اور

گندے لحاف۔۔۔صبح ٹھنڈ میں باہر کھڑے پہ جا کے منہ دھویا میں نے وہ بھی بنا صابن کے امی۔۔۔یہ تھا بندوبست۔۔۔رات کے کھانے میں مجھے آلو شوربے کا سالن کھلایا تھا آپ نے اور آپ اپنی نئی اولاد کو قورمہ، کباب پیش کر رہی تھیں۔۔۔مجھے آپ سے شکایت نہی امی لیکن یہ سب اس طرح سے مجھے دینے سے پہلے بس ایک بار، ایک بار میرا وہ سجا سجایا کمرا اور اٹیچ باتھ یاد کر لیتیں جو بابا نے کتنے چاؤ سے میرے لیے بنوائے تھے۔۔۔وہ رات میں کتنی بار اٹھ کے مجھے دیکھا کرتے تھے کہ کہیں میں جاگ تو نہی رہی اور آپ مجھے ویران گیلری پہ اکیلا سونے کے لیے چھوڑ گئیں۔۔۔"

نا چاہتے ہوئے بھی میرے آنسو نکل پڑے۔۔۔میں نے انہیں بے دردی سے پونچھ دیا۔۔۔

"اب اگر یہ ایسے ہے تو ایسے ہی سہی۔۔۔میں آپ کو سروائیو کر کے دکھاؤں گی۔۔۔بابا نے مجھے ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور طاقت دی تھی۔۔۔بس اتنی ریکوئسٹ ہے آپ سے کہ اپنے ہسبنڈ سے کہیے گا کہ میرے بابا کے مکان کے کرائے سے میرے تعلیمی اخراجات بنا تردد کے ادا ہوتے رہیں ورنہ میں وہ کروں گی جو آپ کے سان وگمان میں بھی نہی ہوگا۔۔۔ابھی تو آپ کے کمرے کا سامان اٹھا کے اوپر لے آئی ہوں اور آپ کو خبر بھی نہی ہوئی دوسری صورت میں، میں سب کا جینا حرام کر دوں گی۔۔۔میرا حق مارا گیا ہے، میں نے سہہ لیا ہے۔۔۔میری ماں مجھ سے دور ہو گئی، میں نے برداشت کر لیا ہے لیکن اس کے بعد میں شائد مزید کچھ قربان نا کر سکوں۔۔۔کل سے میں پراپر سکول جاؤں گی۔۔۔بورڈ کے ایگزامز ہونے والے ہیں اس لیے مزید چھٹی نہی کر سکتی۔۔۔اب یہ مرغ مسلم کی ٹرے یہاں رکھ دیجیے اور آپ جائیں۔۔۔آپ کی نئی اولاد آنے والی ہوگی۔۔۔!"

امی جیسے گنگ سی ہو گئیں۔۔۔وہ مجھے بے تاثر چہرے سے دیکھتی رہیں اور پھر ٹرے میرے قریب رکھ کے بنا کچھ کہے واپس مڑ گئیں۔۔۔ان کے جاتے ہی میں آخری بار جی بھر کے روئی کیونکہ اس دن کے بعد سے ایک نئی اسوہ سامنے آنے والی تھی۔۔۔!

مجھے نہی معلوم امی نے اپنے شوہر سے کس طرح بات کی اور کیسے سمجھایا لیکن میری پڑھائی نا صرف شروع ہو گئی بلکہ مجھے امی ماہانہ جیب خرچ بھی دینے لگیں۔۔۔اس کے باوجود میں نے سکول کے بعد

اپنی فرینڈ کے تین کزنز کو ٹیوشن دینی شروع کر دی۔۔۔وہ جوائینٹ فیملی سسٹم میں رہتی تھی اور اس کے کزنز چھوٹی کلاسز کے تھے۔۔۔میں باآسانی انہی پڑھا سکتی تھی۔۔۔سکول سے واپسی پر میں وہاں ڈیڑھ گھنٹہ دینے لگی یوں اگلے تین ماہ بورڈ کے ایگزامز ہونے تک میں نے اپنے جیب خرچ کا ایک اور وسیلہ ڈھونڈ لیا۔۔۔گھر میں میرے سوتیلے بھائی بہنوں کی دبی دبی سرگوشیاں ابھریں تو امی نے ڈر کے مارے مجھے دبکانے کی کوشش کی لیکن میں نے ٹھان لیا تھا کہ مجھے دبنا نہی، مجھے ڈرنا نہی، مجھے اپنے قدم پیچھے نہی ہٹانے۔۔۔میں اگر ان سب کی مرضی کے ساتھ چلتی تب بھی میں ان کی ناپسندیدہ تھی سو میں نے اس آپشن پر عمل کیا جس سے میری عزت نفس مجروح نا ہوتی۔۔۔میں نے اپنی مرضی کو مقدم کر لیا۔۔۔گھر کا ماحول مزید کشیدہ ہوتا گیا لیکن میں نے پرواہ نہی کی۔۔۔ایک وقت آیا جب میرے ایف ایس سی میں بہترین مارکس آئے اور مجھے میڈیکل میں باآسانی ایڈمیشن مل سکتا تھا تب سب نے مل کے میرے خلاف محاذ بنا لیا۔۔۔امی کی بیٹیوں نے طے کیا کہ اگر وہ میڈیکل کی فیلڈ میں نہی جا سکیں تو اسوہ کو بھی نہی جانے دیں گی۔۔۔انکل نے کہا کہ اگر اسوہ ان کی بیٹیوں عائزہ، جویریہ کے مقابلے پر آئی تو میرے حق میں اچھا نہی ہوگا۔۔۔اس وقت مجھے لگا کہ میں یہاں اپنے پیروں پر جم کے کھڑی نہی ہو سکوں گی تو میں نے خود ہی اعلان کر دیا کہ مجھے ڈاکٹر بننے میں کوئی دلچسپی نہی لہذا میں بی ایس سی کروں گی۔۔۔سب کے میرے ساتھ لڑائی کرنے کے ارمانوں پر اوس گر گئی۔۔۔عائزہ، جویریہ کا خیال تھا کہ میں مقابلے پر اتر آؤں گی اور بدترین منہ ماری ہوگی لیکن میں نے بے حد تحمل سے ان کی مان کر معاملہ اپنے حق میں کر لیا۔۔۔یہ ایسا موقع تھا جب وہ سب میری معاملہ فہمی کے قائل ہو گئے۔۔۔میں ہر بار ہار ماننے والی نہی تھی۔۔۔انہیں لگتا تھا کہ میں نے گھٹنے ٹیک دیے لیکن درحقیقت میں نے وہ کیا تھا جو مجھے بہتر لگا تھا۔۔۔میں جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہونا چاہتی تھی۔۔۔بابا کا مکان واپس حاصل کرنا چاہتی تھی جس کا کرایہ کئی سالوں سے میرا سوتیلا باپ ہتھیا رہا تھا۔۔۔میرے تعلیمی اخراجات اس کرائے کا تیسرا حصہ بھی نہی تھے۔۔۔میرا بچپن سے شوق تھا کہ میں ایک استاد بنوں۔۔۔جیسے میرے بابا ہر ایک کو اچھا سکھانے اور اچھی راہ پر ڈالنے پہ گامزن رہے ویسا ہی مجھے بننا تھا لیکن میں نے کبھی اظہار نہی کیا

تھا۔۔۔عائزہ، جویریہ کو لگتا تھا کہ چونکہ میں ایف ایس سی شوق سے پڑھ رہی ہوں تو یقیناً میں ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں گی، اس لیے اپنے تئیں میرے راستے میں روڑے اٹکا کے وہ دونوں بے حد خوش تھیں اور میں نے سب کو ان کی خوشی میں راضی چھوڑ دیا۔۔۔میں خاموشی سے اپنی راہ پہ چلتی رہی جب تک کہ میں نے لیکچرار کی حیثیت سے کالج میں اپنی پہلی جوائننگ نہیں دے دی۔۔۔وہ دن میری زندگی کا رخ مکمل طور پر بدل گیا۔۔۔اس دن میں واپسی پر سب سے پہلے بابا کی قبر پر گئی اور جی بھر کر روئی۔۔۔انہیں اپنی کامیابی کی مبارکباد دی اور وہاں سے سیدھا اپنے بابا کے گھر چلی گئی۔۔۔کتنی دیر میں گھر کی دہلیز کے ساتھ بنی چھوٹی سی بنی پر بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔۔۔یہاں میں بابا سے ناراض ہو کر بیٹھ جایا کرتی تھی اور وہ مجھے منانے کے لیے میرے ارد گرد چھپے، پاپڑ اور نمکولا رکھتے۔۔۔میرا بس چلتا تو وہیں بیٹھی رات کر دیتی لیکن ابھی بہت سے کام باقی تھے۔۔۔میں نے کرائے داروں کو مکان خالی کرنے کا نوٹس دیا اور اگلے مہینے چابیاں حوالے کرنے کا کہہ کر آ گئی۔۔۔انجام جو بھی ہوتا مجھے پرواہ نہیں تھی۔۔۔میں نے رفتہ رفتہ اپنا ہر بندوبست کر رکھا تھا۔۔۔"میرا ٹائم آ گیا تھا"۔۔۔میں نے ایک طویل عرصہ ناپسندیدہ لوگوں میں ناپسندیدگی کے ساتھ گزارا تھا اور جب میں نے دیکھا کہ مجھے کوئی پسند نہیں کرتا تو میں نے خود کو خود ہی پسند کر لیا۔۔۔میں خود کو اچھی لگتی تھی مجھے کسی کی رائے کی پرواہ نہیں تھی۔۔۔میں جو کرنا چاہتی تھی اسے طے کرنے کے بعد اپنی راہیں متعین کرتی تھی اور پھر چل پڑنے کے بعد پلٹ کے نہیں دیکھتی تھی۔۔۔!

گھر آ کے امی کو میں نے اپنی جاب کے بارے میں بتایا تو عرصے بعد انہوں نے میرا ماتھا چوما، مجھے گلے سے لگایا تو میری آنکھیں بے اختیار بھیگ گئیں۔۔۔مجھے لگا کہ میری ماں لوٹ آئی۔۔۔میں ان سے مل کر اوپر گیلری میں جانے لگی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھام کے مجھے روک لیا اور پاس بٹھا کے کہنے لگیں۔۔۔

"بس اب۔۔۔بہت ہوا۔۔۔اب اور نہیں۔۔۔آج سے تم یہیں نیچے رہو گی۔۔۔میں عائزہ کا کمرا صاف کرواتی ہوں۔۔۔ویسے بھی شادی کے بعد وہ کون سا دبئی سے آنے والی ہے۔۔۔اس کا کمرا فالتو ہی تو پڑا ہے۔۔۔چھ ماہ بعد جویریہ بھی چلی جائے گی تو میں اور میری بیٹی مزے کیا کریں گے۔۔۔!"

عائزہ کی شادی ہو چکی تھی اور جویریہ کی ہونے والی تھی۔۔۔میری ماں نے بلکل بیٹیوں کی طرح

ان کے شادی کی تیاریاں کی تھیں۔۔۔میں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔۔۔امی نے میرا ماتھا چوما اور میرا ہاتھ تھام کر چہرہ قریب لاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولیں۔۔۔

"اسوہ۔۔۔میری چندا۔۔۔میری جان۔۔۔اب تو تمہاری تنخواہ ماشاءاللہ ہزاروں میں ہوا کرے گی۔۔۔دیکھنا میں نے آج ہی تمہارے انکل سے لڑائی لے لینی ہے کہ میری اسوہ اب سے پیچھے رہے گی۔۔۔لیکن بس تم اتنا کرنا کہ اپنے انکل کو راضی رکھنے کے لیے ان سے کہنا کہ تم اپنی آدھی تنخواہ ان کے ہاتھ پر رکھا کرو گی۔۔۔کیونکہ دیکھو نا میری چندا۔۔۔جویریہ کی شادی ہے نا تو اس کی تیاریوں میں ان کا تو مانو حشر ہو گیا ہے۔۔۔تم ساتھ دو گی تو خوش اسلوبی سے ہو جائے گا سب۔۔۔آخر آٹھ سال سے یہاں رہ رہی ہو۔۔۔انہی کے خرچ پر تم نے پڑھا لکھا ہے۔۔۔اب تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم ان کا بازو بنو۔۔۔ہیں میری جان۔۔۔؟"

وہ میری جان نکال کر مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔۔"ہیں میری جان......!"

میں اس پل محض ان کی شکل دیکھتی رہ گئی۔۔۔وہ میری خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے ایک بار پھر میری پیشانی چومنا چاہتی تھیں لیکن میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر ان سے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔۔۔وہ مجھے حیرانی سے دیکھنے لگیں۔۔میں نے خود کو مضبوط رکھنے کی خاطر دونوں بازو سینے پر باندھے اور کہا۔۔

"کون سا خرچ۔۔۔؟ وہ جو میرے ہی باپ کے مکان کے کرائے سے مجھ پر لگتا رہا۔۔۔وہ پیسہ جو میرا ہوتے ہوئے بھی مجھ پر احسان جتا کر دیا گیا۔۔۔جس کا استعمال آپ کے شوہر خاصی بے دردی سے خود پر اور اپنی اولاد پر کرتے آئے ہیں۔۔۔کیسی ماں ہیں آپ امی۔۔۔؟ آپ بھول ہی گئیں کہ آپ کی اپنی بھی کوئی اولاد تھی۔۔۔ایک اچھی بیوی بننے کی خاطر آپ میری حق تلفی کرتی چلی گئیں۔۔۔میں نے خود کو خود ہی سنبھالا امی تا کہ آپ پریشان نا ہوں۔۔۔میں نے چھوٹی عمر سے ٹیوشنز کر کے اپنی ضروریات پوری کرنا شروع کر دیں لیکن میرے اس عمل کے نتیجے میں میرے ہی مکان کے ملنے والے کرائے سے مجھے دیے جانے والا خرچ مزید گھٹا دیا گیا۔۔۔واہ امی۔۔۔آپ نے تو آج ثابت کر دیا کہ آپ واقعی ماضی مکمل طور پر بھول چکی ہیں۔۔۔"

میں بول رہی تھی اور امی مجھے خاموشی سے سن رہی تھیں۔۔۔ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہی تھا

شائد وہ مجھے وقت دے رہی تھیں۔۔۔

”آج مجھے احساس ہو گیا امی کہ میں اکیلی ہو گئی تھی جس دن بابا کی موت ہوئی تھی۔۔۔آپ نے خود کو ذہنی طور پر مجھ سے دور کر لیا تھا کیونکہ آپ اپنی بقیہ زندگی بھائیوں کے گھران کی نوکری کرتے نہی گزارنا چاہتی تھیں۔۔۔ٹھیک کیا آپ نے۔۔۔ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔۔۔لیکن میری کہیں تو ذرا سی جگہ رکھی ہوتی امی۔۔۔میں نے پچھلے آٹھ سال جس کرب میں گزارے ہیں،اس کا آپ کو اندازہ ہی نہی کیونکہ آپ نے بھی مجھے گیلری میں پڑے باقی کاٹھ کباڑ کی طرح سمجھ لیا تھا۔۔۔سب مجھے تڑپانے کی حسرت میں خود تڑپتے رہے۔۔۔میں اندر ہی اندر سلگ سلگ کے پتھر ہوتی گئی اور آپ سب کو لگا کہ میری چمڑی ہی ڈھیٹ ہے۔۔۔میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ڈٹی رہی،مجھے کوئی ہلا نا سکا امی لیکن آج آپ نے مجھے ہلا دیا ہے۔۔۔خیر جانے دیں اب یہ رونے،رونے کا فائدہ ہی کیا ہے۔۔۔میری جاب ہو گئی ہے۔۔میرا خیال تھا کہ میں آپ کو سرپرائز دوں گی لیکن آپ نے مجھے اس قابل چھوڑا ہی نہی۔۔۔میں نے کرائے داروں کو مکان خالی کرنے کا کہہ دیا ہے۔۔۔تب تک میں ماموں کے ہاں رہوں گی،ان سے میری بات ہو گئی ہے۔۔۔اگر کرائے دار فی الحال مکان خالی کرنے کی پوزیشن میں نہی ہیں تب بھی کرایہ تو اب میں ہی وصول کروں گی۔۔۔اور اگر کوئی آڑے آیا تو قانونی چارہ جوئی کا حق میں محفوظ رکھتی ہوں۔۔۔کل میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔۔۔مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا امی۔۔۔میں بھی آپ کے لیے دعا کروں گی کہ آپ کے شوہر میرے اس فیصلے کی وجہ سے آپ کو تکلیف نا دیں ورگرنہ آپ میری ماں ہیں۔۔۔مجھ پر آپ کا حق ہے،میرے پاس آجائیے گا۔۔۔!“

یہ کہہ کر میں رکی نہی اور پلٹ کر گیلری کا رخ کیا۔۔۔منہ موڑتے ہی میرے آنسو ایک قطار کی مانند آنکھوں سے بہتے چلے گئے۔۔۔امی کے چہرے پر مایوسی تھی اور وہ ہاتھ مسل رہی تھیں۔۔۔ان کے قدم اس گھر میں مضبوط تھے کیونکہ ان کے تینوں سوتیلے بچے ان سے اٹیچ تھے۔۔۔پر اسوہ الپرا چہ ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔۔۔شاید ہمیشہ کے لیے۔۔۔!

اس دن کے بعد سے میں نے پلٹ کے نہی دیکھا۔۔۔میں ماموں کے پاس شفٹ ہو

گئی۔۔۔انہوں نے میرا بہت ساتھ دیا۔۔۔انہوں نے کرائے داروں سے ہر ماہ کرایہ ایمانداری سے وصول کر کے مجھے سونپنا شروع کیا۔۔۔میری تنخواہ اور کرایے کی وجہ سے میری مالی حالت بہت بہتر ہو گئی۔۔۔میں نے ایک مخصوص رقم خود اپنے ہاتھوں سے ممانی کے منع کرنے کے باوجود ان کے ہاتھ میں رکھنی شروع کی۔۔۔مجھے جو آزادی اور ذہنی سکون یہاں ملا وہ پچھلے آٹھ سالوں میں ایک دن بھی نہی پایا تھا۔۔۔میں نے بارہا امی سے رابطہ کیا کیونکہ مجھے ان کی یاد ستاتی تھی لیکن انہوں نے مجھ سے یہ کہہ کر بات کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ مجھ سے تبھی راضی ہوں گی جب میں ان کی شرائط مان لوں وگرنہ سمجھ لوں کہ باپ کی طرح ماں بھی نہی رہی۔۔۔میں نے دل کو سمجھا لیا کہ امی کبھی نا کبھی مجھ سے راضی ہو ہی جائیں گی لیکن اب مجھے اپنے سوتیلے رشتوں کے ہاتھوں خود کا استحصال ہونے نہی دینا۔۔۔میں نے اپنے کام میں خود کو مگن کر لیا۔۔۔قدرت میری راہیں ہموار کرتی چلی گئی اور دو سال میں ہی مجھے بہتر سے بہتر آپشن ملنے لگے۔۔۔فائینلی میں نے شہر کی بہترین یونیورسٹی میں اپلائی کیا اور مجھے کال آ گئی۔۔۔وہ دن میری زندگی کا بہت حسین دن تھا۔۔۔بہت کچھ بدل گیا، بہت کچھ تبدیل ہونا باقی تھا۔۔۔زندگی میں کچھ بننے کے لیے کبھی کبھار کسی، بہت اپنے سے چوٹ کھانی پڑتی ہے۔۔۔تھال میں رکھی ذلت ضرور مل جاتی ہے پر عزت کمانی پڑتی ہے، جگہ بنانی پڑتی ہے۔۔۔تدبیر کرنی پڑتی ہے تب کہیں جا کے قسمت چمکتی ہے۔۔۔تقدیر بدلتی ہے۔۔۔!

☆......☆......☆

وہ آج بہت کافی بعد فجر کی نماز پڑھ کے لان میں نکلا تھا۔۔۔اکبر صاحب وہاں پہلے سے ہی موجود تھے اور اسے فریش سا آتا دیکھ کے ان کے اندر سکون سا اتر گیا۔۔۔ورنہ وہ گھر میں سبھی سے متنفر ہوئے بیٹھے تھے۔۔۔وہ قریب آیا اور پہلے باپ کو سلام کر کے پشت سے کندھے دبا کے چھوڑے اور سامنے رکھی کرسی ہر آ بیٹھا تھا۔۔۔

"میرا بیٹا بہت فریش ہے۔۔۔دیکھ کے خوشی ہوئی۔۔۔!"

وہ نگاہوں سے اس کی بلائیں لیتے ہوئے بولے۔۔۔مونگیا رنگ کے ہائی نیک سوئٹر اور براؤن

پینٹ میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔۔۔آنکھوں پہ نظر کی عینک لگا رکھی تھی جو اس کی گریس میں ہمیشہ اضافہ کرتی تھی۔۔۔

"بس ابو۔۔۔ایک فیز تھا جو گزر گیا۔۔۔اللہ کا شکر ہے کہ میں نکل آیا ہوں اس سے۔۔۔اب بہت کمفرٹیبل ہوں۔۔۔!"

"میں بہت پریشان تھا زین۔۔۔افسوس صرف اس بات کا ہے کہ تم اس رشتے سے پہلے ہی راضی نہی تھے لیکن یہ بات میں زنیرہ کو بتانے کی ہمت نہی کر سکا کہ اس کا دل نا دکھے اور وہ کس دلیری سے مجھے میرے لائق بیٹے کے عیب گنوا کے دوسرے سے رشتہ بھی طے کر گئی......اس سے اچھا میں خود صاف صاف نا کر دیتا تو خضر یہ سب نا کر پاتا۔۔۔!"

"لیکن آپ بھول رہے ہیں کہ وہ میری رد کی ہوئی چیز پہ ہاتھ نہی رکھتا۔۔۔اس صورت میں وہ کبھی بھی راضی نا ہوتا۔۔۔آپ کی اکلوتی بہن آپ سے چھوٹ جاتیں!"

وہ مسکرا کر جتاتی نگاہوں سے بولا تو اکبر صاحب نے تائیدی سر ہلایا

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جو اس دن کے اتنے ڈس ہارٹ تھے یکدم کچھ زیادہ ہی پازیٹوری ایکٹ کر رہے ہو۔۔۔وجہ کیا ہے بیٹا جی۔۔۔میری ہونے والی بہو نے تو نہی کھنچائی کی۔۔؟"

"اس نے میری کھنچائی نہی کی ابو۔۔۔بلکہ اس نے مجھے گڑھے سے کھڑا کر دیا ہے۔۔۔اس نے مجھے تصویر کا الگ رخ دکھا دیا ہے۔۔۔میرے اندر گڑھے، مظلومیت کا چوغا اوڑھے احساس کو بھک سے اڑا دیا ہے۔۔۔میں یہ نہی کہتا کہ میں یکسر سب بھول گیا ہوں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کی باتوں سے میری سوچ کا زاویہ ضرور بدل گیا ہے۔۔۔کم از کم اس معاملے کو لے کر۔۔۔!ابو۔۔۔وہ کہتی ہے کہ حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت اور ہمت ہمارے اندر ہمیشہ سے ہوتی ہے بس ہم اس کا استعمال نہی کر پاتے اور کبھی کبھار کرنا چاہتے ہی نہی۔۔۔ابو وہ خود اتنے بڑے بڑے کرائسس سے گزر چکی ہے اور ان سب کا مقابلہ اس نے تن تنہا کیا ہے اور میں مرد ہو کر عمر کے اس حصے میں جب میرے پیچھے آپ جیسے باپ کی سپورٹ موجود ہے، ہمت ہار رہا تھا۔۔۔خضر نے جو کیا وہ بے حد غلط ہے، مجھے افسوس رہے گا اس کا۔۔۔لیکن اگر میں ایک بار پھر

پرانے خول میں بند ہو گیا تو یہ اس کی اصل جیت ہو گی ابو۔۔۔وہ میرا بھائی ہے اور میرا فرض ہے کہ میں اس کے ساتھ خیر خواہی کروں اس لیے اس کے لیے میری نیک تمنائیں ہیں۔۔۔اس کی خوشی کا موقع ہے تو اسے میں خراب نہیں کرنا چاہتا۔۔۔امی بھی خوش ہیں تو ان کی بھی خوشی مجھے عزیز ہے۔۔۔!"

اکبر صاحب اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور اس کے قریب آ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔۔۔

"میری کسی نیکی کا صلہ نہیں ہو تم، بلکہ میری ماں کی دعا ہو۔۔۔نا جانے کس پل انہوں نے خوش ہو کے مجھے دعا دی تھی جو تم جیسا میرا بیٹا ہے زین۔۔۔اللہ تمہیں بے حد کامیاب کرے گا۔۔دیکھ لینا۔۔۔!"

زین نے بمشکل اپنی آنکھوں کو نم ہونے سے روکا۔۔۔ماں باپ کی دعا ہمیشہ دل کو پانی کر دیتی ہے۔۔۔

اکبر صاحب اندر چلے گئے تو وہ ریلیکس سا دونوں ہاتھ باہم پھنسائے سر کی پشت پر رکھ کر اسوہ پراچہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔۔۔موٹی موٹی آنکھوں پر گھنی پلکوں اور سرخ و گندمی چہرے والی اسوہ،، جس کے گالوں پر مدھم مدھم سے پمپلز بے حد بھلے لگتے تھے۔۔۔وہ بظاہر عام سی دکھنے والی لڑکی اندر سے کتنی مضبوط تھی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔وہ اسے اول دن سے سراہتا آیا تھا لیکن اب اسے لگنے لگا تھا جیسے وہ اسوہ پراچہ کا اسیر ہو چکا ہے۔۔۔!

☆......☆......☆

شادی کی تقریبات شروع ہو چکی تھیں۔۔۔زنیرہ پھپھو اب منگنی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی تھیں اس لیے نینا کے آنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ شادی ہی کر دینا چاہ رہی تھیں۔۔۔امی کو بھلا کیا اعتراض ہوتا۔۔۔وہ تو خضر کی شادی کے لیے خود خضر سے زیادہ پر جوش تھیں۔۔۔دونوں گھروں میں تیاریاں جاری تھیں۔۔۔زین امی کے ساتھ مل کر ہر کام میں مدد کرا رہا تھا۔۔۔زویا پہلے بجھی بجھی سی تھی لیکن زین کے سمجھانے اور اسے اسوہ کے بارے میں ڈھکے چھپے الفاظ میں بتانے پر وہ راضی ہو گئی تھی۔۔۔اس نے زین سے وعدہ لیا تھا کہ وہ شادی ختم ہوتے ہی اسے اسوہ سے ملائے گا۔۔۔ویسے بھی زویا کو نینا کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔۔۔اسے وہ خاصی خود پسند لگی تھی۔۔۔زین خود بھی نینا سے مل کر بالکل متاثر نہیں ہوا

تھا۔۔۔اسے پاکستان پہنچے ایک ہفتے سے اوپر ہو گیا تھا اور اس دوران وہ صرف ایک بار اپنی سسرال آئی تھی۔۔۔باقی تمام وقت خضر ہی توقیر چاچو کے ہاں پایا جاتا تھا کیونکہ زنیرہ پھپھو کا قیام وہیں تھا۔۔۔!

زین یونی سے واپس آیا تو لاؤنج میں پھپھو وغیرہ کی آوازیں سن کر اس کا دل کیا واپس پلٹ جائے لیکن تھک اتنا گیا تھا کہ فوری آرام کی طلب تھی اور اپنے کمرے میں جانے کے لیے اسے لاؤنج سے گزرنا ہی تھا۔۔۔وہ سامنے آیا تو سبھی خاموش ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔۔۔سب سے سلام دعا کے بعد جب اس کی نگاہ نینا پر پڑی تو وہ اسے گھور رہی تھی۔۔۔اس کے سلام کا جواب بھی نینا نے نہیں دیا تھا بلکہ عجیب نگاہوں سے دیکھتی رہی۔۔۔امی کے اشارہ کرنے پر وہ مروتاً کچھ دیر وہیں ایک صوفے پہ بیٹھ گیا۔۔۔خضر اس کے آنے پر مزید چہکنے لگا اور جب وہ چہکتا تھا تو بھو آپے سے باہر ہوتا تھا۔۔۔امی اور پھپھو باتیں کرنے لگے اور ابو، توقیر چاچو سے مشاورت میں مصروف ہو گئے۔۔۔وہ اٹھنے لگا تھا جب نینا نے اسے اچانک مخاطب کیا۔۔۔

"ویسے تمہاری پرسنالٹی چارمنگ ہے زین۔۔۔اب مجھے سمجھ آئی کہ تم اتنے فلرٹ کیوں ہو۔۔۔اچھی شکل کا بینیفٹ لیتے ہو۔۔۔ہاں۔۔؟"

وہ انگریزی لب و لہجے میں اردو بولتی اس سے پوچھ رہی تھی۔۔۔زین کو اس سے اتنی بدلحاظی کی توقع نہیں تھی۔

دوسری طرف خضر کا منہ بھی بن گیا تھا، نینا کے زین کی پرسنالٹی کو چارمنگ کہنے پر۔۔۔زین نے سادہ انداز میں جواب دیا۔۔

"میں کبھی اپنی خوبیوں کا استعمال غلط کام کے لیے نہیں کرتا مس نینا۔۔۔اگر ایسا ہوتا تو خضر کی جگہ بیٹھا ہوتا اور اللہ کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہو پایا۔۔۔!"

یہ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔۔ایکسکیوز کرتا چلا گیا تھا۔۔۔یہ دیکھے بنا کہ اس کی بات سے نینا سوچ میں پڑ گئی تھی اور خضر کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔۔۔جبکہ بظاہر توقیر چاچو سے بات کرتے اکبر صاحب زیرلب مسکرا دیے۔۔۔انہیں زین کی بات سن کر مزہ آ گیا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

وہ اسوہ کے گھر گیا تھا خضر کی شادی کا انویٹیشن کارڈ دینے۔۔اور زویا بطور خاص اس کے ساتھ گئی تھی۔۔۔درحقیقت وہ اسوہ کو شادی پر بلانا نہی چاہتا تھا کہ بلا وجہ نشانہ نا بنے لیکن زویا کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے دعوت نامہ دینے چلا گیا تھا۔۔۔اسوہ کی ممانی اور ماموں اسے بہت اچھے طریقے سے ملے۔۔۔اسوہ نے انہیں اس کے آنے کے متعلق بتا رکھا تھا تبھی ویلکم ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ داماد ہو۔۔اس کا ارادہ تھا کہ کھڑے کھڑے بس کارڈ پکڑائے گا اور واپس ہو لے گا لیکن اسوہ کے ماموں ممانی اور ان کی آل اولاد اس کے اور زویا کے گرد ایسے اکھٹے ہوئے تھے جیسے ان سے شہد ٹپک رہا ہو۔۔۔وہ تھوڑا کنفیوز تھا کیونکہ اسے یہ اندازہ ہرگز نہی تھا کہ اسوہ اس کے متعلق اس قدر تفصیل سے بتا چکی ہے۔۔۔زویا کی مسکراہٹ ہونٹوں سے جدا ہونے کا نام نہی لے رہی تھی۔۔۔اسوہ اسے پسند آئی تھی۔۔۔زین کچھ دیر ان کے ہاں بیٹھا تھا اور اس دوران سب نے اس کا جامع انٹرویو کر ڈالا تھا۔۔۔یہاں آنے سے پہلے اس کے دل میں جو ایک وہم تھا کہ اسوہ کی والدہ چونکہ اس کے ساتھ نہی ہیں تو نا جانے اس کے ماموں ممانی کا کیسا ردعمل ہو، وہ نکل گیا تھا۔۔۔اسوہ پراچہ سچ میں جو ٹھانتی تھی اسے پورا کر کے رہتی تھی۔۔۔!

کچھ دیر بیٹھ کے وہ اور زویا واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔وہ سبھی انہیں باہر گیٹ تک چھوڑنے آئے تھے۔۔۔ان کا بس نہی چل رہا تھا کہ شادی کی بات چیت بھی زین سے طے کر لیتے۔۔۔زویا گاڑی میں بیٹھ گئی تو اسوہ چند قدم آگے ہو کر اس سے مخاطب ہوئی۔۔۔

"تمہیں گھر بلانے کا مقصد یہی تھا کہ تمہیں دکھا سکوں کہ میں سچ چھپا کے نہی رکھتی۔۔۔میں سچائی کو الزام بننے سے پہلے سب کے سامنے لانا پسند کرتی ہوں۔۔۔اب تمہاری باری ہے زین۔۔۔گیند تمہاری کورٹ میں ڈال دی میں نے۔۔۔!" وہ مسکراتے ہوئے جتا رہی تھی۔۔۔زین جی کھول کے مسکرایا اور کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔۔۔

"تمہارے جیسا ہمت والا نا سہی لیکن تمہارے لیے تو میں روز اول سے اسٹینڈ لے چکا ہوں اسوہ۔۔۔خضر کی شادی کے بعد امی اور ابو دونوں کو لے کر آؤں گا۔۔۔!"

اسے یقین کی ڈور تھما کے وہ ہاتھ لہراتا گاڑی میں جا بیٹھا۔۔۔گاڑی ریورس کر کے سڑک پر لانے تک وہ اسوہ کو گیٹ پہ کھڑے ہاتھ ہلاتے دیکھتا رہا۔۔۔اس کا گندمی اور سرخ چہرہ ڈوبتے سورج کی روشنی میں تمتمار رہا تھا۔۔۔دادی اور سر عبد الجبار کے بعد یہی وہ لڑکی تھی جس نے اس کی سوچ کا دائرہ وسیع کیا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

گھر میں مہندی کے فنکشن کا خوب ہنگامہ برپا تھا۔۔۔تمام کزنز لڑکے لڑکیاں اکھٹے ہو چکے تھے۔۔۔بزرگ اور درمیانی عمر کی خواتین بھی اپنے حصے کی رونق لگائے ہوئے تھیں۔۔۔سعدیہ کی پہلی اولاد اور سب سے لاڈلے بیٹے کی شادی تھی، وہ جتنے ارمان نکالتیں سو کم تھے۔۔۔پورا گھر اندر باہر سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔۔۔کوئی کونہ رہ نہیں گیا تھا جہاں لائٹنگ نا کی گئی ہو۔۔۔اکبر صاحب نے بیزار ہو کر کہہ ڈالا تھا۔

"ایک دو لڑیاں ہم سب بھی ٹانگ لیتے ہیں تاکہ شوق رہ نا جائے باقی۔۔۔!"

لاؤنج میں نوجوانوں کے لیے گاؤ تکیوں کے ساتھ فرشی نشستیں کی گئی تھیں۔۔۔خضر راجا اندر بنا سب کے بیچ میں بیٹھا شیخیاں بگھار رہا تھا۔۔۔شام کو رسم تھی اور ابھی سے شور و غوغا عروج پر تھا۔۔۔چائے کے دور مسلسل جاری تھے۔۔۔نینا اور زنیرہ پھپھو بھی یہیں تھیں۔۔۔چونکہ مہمان مشترکہ تھے لہذا طے پایا تھا کہ وہ بھی یہیں آ جائیں۔۔۔انہیں ایک خالی کمرا دے دیا گیا تھا جہاں بزرگ خواتین کے کہنے پر نینا کو شام تک بند رہنا تھا تاکہ رسم سے پہلے دلہا کی نگاہ نا پڑے۔۔۔وہ مغربی ماحول کی پروردہ بے حد مجبوری کے عالم میں زنیرہ پھپھو کے سمجھانے پر کمرے میں بیٹھ گئی تھی۔۔۔زین رف حلیے میں بہت سی نگاہوں کا مرکز بنا مسلسل اندر باہر کے کام نبٹا رہا تھا۔۔۔زویا اور دیگر کزن لڑکیاں مہندی لگانے کے لیے آئی عورت سے بھر بھر کے مہندی لگوا رہی تھیں۔۔۔اچھا خوبصورت ماحول تھا۔۔۔سعدیہ ملازمہ کو ساتھ لگائے چائے کے ساتھ مٹھائی اور خشک میوہ جات سرو کر رہی تھیں۔۔۔بیٹے کی شادی کی خوشی میں انہوں نے خزانے کا منہ کھول دیا تھا یہ اور بات کہ اس خزانے کا بڑا حصہ زین کی کمائی بھی تھی۔۔۔گو اتنا کچھ کر لینے کے باوجود بھی خضر، زین سے کلام نہیں کرتا تھا نا ہی نینا اور پھپھو سیدھے منہ اس سے بات کرتی تھیں لیکن

زین کو اس کی پرواہ نہی تھی۔۔۔وہ اپنے بھائی کی خوشی میں خوش تھا۔۔۔!

وہ زویا کے منگوائے پھولوں کے گجرے لیے لاؤنج میں داخل ہوا۔۔۔خضر کے گرد لڑکوں کی ٹولی تھی اور وہاں ان ہی کے مزاج سے موافق بے ہودہ مذاق چل رہے تھے۔۔۔سعدیہ کے بھتیجے کی دو سال پہلے شادی ہوئی تھی لیکن ابھی تک اولاد نہی تھی۔۔۔خضر اس پہ باقیوں کے ساتھ مل کر پھبتیاں کس رہا تھا۔۔۔

"اوئے دو سال ہو گئے یار اور ایک بچہ نہی ہو سکا تیرا۔۔۔لو بھلا وہ بھی کوئی مرد ہے جو ایک بچہ پیدا نا کر سکے۔۔۔!"

کزن شرمندگی سے سرخ ہوا اور باقی بے شرمی سے ہنستے ہوئے ہو ہا کرنے لگے۔۔۔زین کی طبیعت مکدر ہو گئی۔۔۔خضر ہمیشہ کا بد لحاظ تھا لیکن کسی کو ایسی بات پر شرمندہ کرنا جو اس کے اختیار میں نہی تھی، کس قدر گری ہوئی حرکت تھی۔۔۔اور پھر کچھ فاصلے پر خواتین اور لڑکیاں بیٹھی تھیں جن میں ایک اس کی اپنی بہن تھی پر اسے نا کسی کی حیا تھا نا لحاظ۔۔۔!خضر ہمیشہ سے بے باکانہ بڑے بول بولتا آیا تھا ۔۔۔زین نفرت سی محسوس کرتا بنا ان کی جانب دیکھے زویا کے قریب آیا اور اسے پھول پکڑاتے ہوئے واپس پلٹنے لگا تھا کہ زویا نے پکار لیا۔۔۔

"زین بھائی۔۔۔امی نے مزیدار سی چائے بنوائی ہے۔۔۔آپ بھی کچھ دیر بیٹھ جائیں کب سے لگے ہوئے ہیں۔۔۔ایک کپ پی کر چلے جائیے گا۔۔۔!"

زین کو بہن کے خیال پر پیار آ گیا۔۔۔توقیر چاچو کی بیگم قریب ہی بیٹھی تھیں انہوں نے فوراً زین کے لیے جگہ بنائی۔۔۔

"زین یہاں آؤ میرے پاس۔۔۔یہاں بیٹھو۔۔۔چاچی سے بھی دو باتیں کر لو۔۔۔!" توقیر چاچو کی بیوی بھی انہی کی طرح صاف دل تھیں اور زین سے لگاؤ رکھتی تھیں۔۔۔وہ مسکراتا ہوا ان کے قریب ہی ٹک گیا۔۔۔سعدیہ نے زین کو چائے کا کپ پکڑایا اور اس کے بال سہلاتے ہوئے بولیں۔۔۔

"ذرا جلدی کرنا بیٹا۔۔۔ابھی بہت کام ہیں۔۔۔ایک چکر ٹیلر کا بھی باقی ہے۔۔۔پھر حلوائی کی طرف بھی جانا ہے۔۔۔بس جلدی سے پی جاؤ۔۔۔ہاں۔۔۔!"

"سانس تو لینے دیں بھابھی۔۔۔ابھی تو بیٹھا ہے بیچارہ۔۔۔جب کی آئی ہوں زین کو ہی بھاگا دوڑی کرتے دیکھ رہی ہوں۔۔۔ذرا دلہنے راجا کو بھی بولیں ہاتھ پیر ہلا لیں نا۔۔۔وہ تو دلہا کم دلہن زیادہ لگ رہا ہے۔۔۔!" چچی کی بات پر سارے میں قہقہہ گونجا۔۔۔سعدیہ نے بمشکل دیورانی کے مذاق کو ہضم کیا تھا۔۔۔لیکن خضر کو کوئی مجبوری نہی تھی۔۔۔وہ تپ گیا، فوراً جواب دے مارا۔۔۔

"میرے" دلہا" ہونے میں کوئی شک ہوتا تو میری جگہ آج زین بیٹھا ہوتا چچی۔۔۔نینا کو اصیل مرد کی بروقت پہچان ہوگئی جبھی اس نے ہیجڑے سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔!"

گرم سیال تھا جس نے زین کے کانوں کو جلا ڈالا تھا۔۔۔اس نے ساکت حالت میں بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں تھیں کہ آیا جو اس نے سنا ہے وہ صحیح سنا ہے۔۔۔چائے کا کپ اس کی لرزتی انگلیوں کی وجہ سے مرتعش تھا۔۔۔سبھی کو کچھ دیر کے لیے سانپ سونگھ گیا تھا۔۔۔سبھی جہاں کے تہاں تھے خجل سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے اور نگاہیں چرائے جا رہے تھے۔۔۔اور خضر تھا جو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوتا سرخ ہو رہا تھا۔۔۔یہ صورتحال ایسی تھی کہ اس کے ارد گرد بیٹھے اسی کے ہم مزاج کزنز نے بھی چپ سادھ لی تھی۔۔۔ایسی گھمبیر ماحل میں پہلی آواز سعدیہ کی ابھری جو ہاتھ میں پکڑی ٹرے ملازمہ کو پکڑاتے ہوئے اسے اندر کچن میں جانے کا اشارہ کرتی ہوئی بولیں۔۔۔

"توبہ ہے خضر۔۔۔بلکل پگلو ہے میرا بچہ۔۔۔بلکل پگلو۔۔۔" کھسیانی سی ہنسی ہنستے وہ خضر کا دفاع کرنے لگیں اور "پگلو" تھا جو ابھی بھی پیٹ پہ ہاتھ دھرے ہنستا ہوا بہت اوپرا الگ رہا تھا۔۔۔کسی نے بھی سعدیہ کی بات پر ردعمل نہی دیا تھا بلکہ سبھی اس سرزنش کے انتظار میں تھے جو سعدیہ کو خضر کی کرنی چاہیے تھی اور وہ دفاع جو زین کا حق تھا۔۔۔

"چلو لڑکیو ہلا گلا شروع کرو۔۔۔" سعدیہ لڑکیوں کی توجہ اس جانب سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔۔۔زویا کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ زین کو بے بسی سے دیکھ رہی تھی جو ہاتھ میں کپ تھامے بت بنا بیٹھا تھا۔۔۔

"بھابھی بہت ہی گھٹیا بات کی ہے خضر نے۔۔۔اپنی حد سے باہر نہی نکلنا چاہیے کسی کو۔۔۔ہر کسی کی

عزت نفس ہوتی ہے اور خضر کھلونے کی طرح کھیلتا ہے اس سے۔۔۔آپ بجائے اسے ڈانٹنے کے الٹا اسے کا کامنا بنا رہی ہو نہہ!" چچی نے بگڑے تیوروں کے ساتھ سعدیہ کو کھری سنا ڈالیں تو وہ برا مان گئیں۔۔۔

"ارے ایسا بھی کیا کہہ دیا خضر نے ثانیہ۔۔۔بچے ہیں، مذاق کرتے رہتے ہیں۔۔۔اور خضر اور زین کا تو یہ چلتا ہی رہتا ہے۔۔۔اور تم کیا چاہتی ہو کہ میں اپنے دلہا بنے بیٹے کو اس کی خوشی کے اس اہم موقع پر لتاڑ کر بدشگونی کر دوں۔۔ساس اس کی یہاں ہے، منگیتر یہیں ہے۔۔کیا خضر کی عزت نفس مجروح نا ہوگی۔۔۔تم بھی نا ثانیہ، موقع کی مناسبت سے کبھی چلنا نا آیا تمہیں۔۔۔!"

سعدیہ کو چھیڑا جاتا اور وہ ادھار رکھ لیتیں، ایسا تو کبھی ہوا ہی نا تھا۔۔۔ابھی بھی انہوں نے کسی کی بھی پرواہ کیے بنا اپنے لاڈلے کے لیے اسٹینڈ لے لیا تھا۔۔۔خضر اب ہنس ہنس کے تھک گیا تھا۔۔اس لیے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر دونوں ہاتھوں کو سر کی پشت پہ باندھے ایک گھٹنہ کھڑا کیے اور دوسری ٹانگ کو اس کے اوپر ٹکائے وہ کمینی مسکراہٹ اور زہریلی نگاہوں سے زین کے جھکے سر کو دیکھ رہا تھا۔۔۔!

زین انسان تھا۔۔اس میں بھی بشری کمزوریاں تھیں۔۔۔وہ لاکھ مضبوط بننے کی کوشش کرتا تھا لیکن وہ بھی ٹوٹتا تھا۔۔۔وہ اپنے مضمون میں مہارت رکھتا تھا لیکن اس کے اندر بھی نفسیاتی گرہیں تھیں۔۔۔وہ ایک طویل عرصہ اکیلے جنگ لڑتا آیا تھا۔۔۔اس نے بہت سے مواقع پر اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔۔۔اس کی نفسیات بھی الجھتی سلجھتی تھی۔۔۔خضر کے ہر وار کا مقابلہ وہ کر لیتا تھا لیکن ایک جگہ وہ آج بھی ہارتا تھا اور وہ تھی اپنی ماں کی غیر مشروط محبت کی چاہ۔۔۔!

اس کا لاشعور اور شعور دونوں آج بھی منتظر رہا کرتے تھے کہ اس کی ماں اس کی ڈھال بنے۔۔۔اس کے لیے لڑے۔۔۔اس کی کمزوریوں کو ڈھانپ لے۔۔۔لیکن آج بھی وہ خالی ہاتھ رہ گیا تھا۔۔خضر کی ہنسی کے بعد دوسری ہنسی اس کی ماں کی تھی جو اس کے جھلستے کانوں میں اتری تھی۔۔۔اس کے دل میں کرچیاں سی کھب گئی تھیں۔۔۔وہ بہت سا رونا چاہتا تھا۔۔۔وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔اسے اپنے اردگرد موجود ہر شے سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔۔۔خضر نے اس کا مذاق نہیں اڑایا تھا بلکہ اس کی دھجیاں اڑائی تھیں۔۔۔وہ چاہتا تو ابھی اٹھ کر خضر کو دو مکے مار کر دھول چٹا

دیتا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے اور خضر کے درمیان اس کی ماں کھڑی ہو گی۔۔۔اس کی ماں کی ملامت کرتی نگاہیں خضر کی نہی اس کی جانب ہوں گی۔۔۔اور یہاں وہ ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔۔۔اس مختصر لیکن بوجھل ترین دورانیے میں اس نے سر جھکائے ساری جمع تفریق کی تھی۔۔۔سب خمیازے اس کے کھاتے میں آجاتے۔۔۔اس نے اپنے مقام کا خود تعیین کیا تھا۔۔۔اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اب بس۔۔۔!اب اور نہی۔۔۔!وہ ماں کے مقابل نہی آسکتا۔۔۔وہ انہیں خضر کی طرح اپنی طرف ملتفت نہی کر سکتا لیکن وہ یہ سب چھوڑ کے جا سکتا تھا۔۔۔اور وہ چلا گیا۔۔۔وہ اسی وقت گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔۔۔اس کی عزت نفس بلبلا کر اسے ہنکاتی وہاں سے لے گئی تھی۔۔۔!

عزت نفس پہ پڑی چوٹ کاری ہو تو زندگی کا لائحہ عمل طے کر دیتی ہے۔۔۔زین اکبر ہمدانی نے بھی اس رات طے کر لیا تھا کہ اسے اب اس گھر میں واپس نہی آنا۔۔۔بھرم کھو جائے تو وقار بھی کھو جاتا ہے۔۔۔زندگی میں پہلی بار وہ اپنا بھرم بچانے کے لیے وقار کے ساتھ وہاں سے نکل آیا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

پانچ سال بعد

"اونچ نیچ کا پہاڑ
اونچ نیچ کا پہاڑ
کتا بھونک رہا ہے
مالک دیکھ رہا ہے
دیکھتے ہیں سب سے
پہلے کون پکتا ہے!"

شام ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔۔۔موسم میں گرمی کی شدت کم ہو چکی تھی اور خنکی کی جانب مائل تھا۔۔۔فضا بے حد ہلکی پھلکی اور خوشگوار تھی۔۔۔!

یہ ایک اپر مڈل کلاس کالونی کا چھوٹا سا پارک تھا۔۔۔سہ پہر کے بعد یہاں کالونی کے بچے

اکھٹے ہوجاتے تھے۔۔۔واک کرتی خواتین اور جاگنگ کرتے مردوں کا بھی رش رہتا تھا۔۔۔!

آج بھی وہ اپنی معمول کی جگہ پر بیٹھا بچوں کو کھیلتا دیکھ رہا تھا۔۔۔۔کھیل تب تک ہی خوبصورت رہتا ہے جب تک کھیل میں کھیل شامل نا ہو جائے۔۔۔کسی کو زچ کرنے کا کھیل، نیچا دکھانے کا کھیل، ہرانے کا کھیل، تکلیف دینے کا کھیل!

"اونچ نیچ کا پہاڑ" بچپن میں اس کا بھی پسندیدہ کھیل تھا۔۔۔وہ بڑے شوق اور محبت سے دیکھا کرتا تھا کیونکہ اسے کھلایا بہت کم جاتا تھا اور اگر کھلایا جاتا تو کبھی اونچ پر چڑھنے نہیں دیا جاتا تھا۔۔۔اس کا پورا بچپن اس حسرت میں گزرا تھا کہ کبھی وہ بھی اونچ پر کھڑا ہو یا کھیل میں یا پھر گھر میں ملی حیثیت میں!

اسے حیرت ہوئی کہ کھیل بھی کیسا شاندار ورثہ ہوتے ہیں جو نسل در نسل کتنی احتیاط کے ساتھ منتقل ہوتے ہیں۔۔۔نا الفاظ بدلتے ہیں نا ردھم بدلتا ہے نا انداز بدلتے ہیں۔۔۔بچے کسی بھی طبقے کے ہوں، کسی بھی جگہ رہتے ہوں وہ دیسی کھیل لازمی کھیلتے ہیں۔۔۔کبھی یہ کھیل گھر کے بڑوں سے انہیں ورثے کے طور ملتے ہیں تو کبھی سکول اور محلے کے بچوں سے سیکھتے ہیں۔۔۔!

وہ روزانہ اس پارک میں آتا تھا اور کسی "زین" کو ڈھونڈا کرتا تھا۔۔کوئی سہما الجھا سا زین جو بچوں کی ٹولی میں مسکین صورت بنائے اندر گھسنے کی کوشش کرتا ہو لیکن اسے دھکیل کے ٹولی سے باہر نکال دیا جاتا ہو۔۔کوئی نیم خوشامدی صورت بنائے زین جو بچوں سے میٹھے لہجے میں بات کرتا ہو یہ سوچ کر کہ اس طرح اسے بھی کھلا لیا جائے گا۔۔جب اسے کوئی "زین" دکھائی دیتا تو وہ فوراً اس کی مدد کو لپک لیتا تھا۔۔۔وہ محبت اور سبھاؤ سے بچوں کے بیچ آجاتا اور اس اکیلے پڑتے "زین" کو کھیل میں شامل کرواتا۔۔اسے موقع دلواتا ،اس کی ڈھال بنتا۔۔بچے اسمارٹ سے انکل سے متاثر ہوتے ہوئے ویسا کرتے جاتے جیسا وہ کہتا جاتا۔۔ایسا اکثر ہوتا کہ کوئی "زین" پارک سے واپسی پر گھٹا گھٹا سا روتا ہوا نہیں جاتا تھا۔۔۔!

☆......☆......☆

وہ یونہی اپنے دھیان میں بچوں کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔بچوں کے ملتے لبوں کی بازگشت اسے کسی اور دورانیے میں لے گئی۔۔۔!

گھر سے نکلنے کے بعد وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔۔۔اس نے اپنا سیل فون آف کر دیا

تھا اور ہر ایک سے کٹ گیا تھا۔۔۔وہ جانتا تھا کہ اکبر صاحب پریشان ہو کے اسے ڈھونڈنے نکل جائیں گے اس لیے اس نے ان کو ایک میسج کر کے موبائل آف کر دیا تھا۔۔۔

"میں ٹھیک ہوں ابو۔۔۔پریشان مت ہوئیے گا۔۔۔میری خواہش ہے کہ خضر کی شادی شاندار رہے۔۔۔امی کو پریشان نا ہونے دیجیے گا۔۔۔گھر کا ماحول بلکل ایسا رکھیے گا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔۔۔مجھے معاف کر دیجیے گا لیکن شائد میں اب بھی اگر وہیں ہوتا تو میرے دماغ کی نس پھٹ جاتی۔۔۔پہلی بار خود غرضیسے کام لیتے ہوئے خود کو بچانے کے لیے نکل آیا ہوں۔۔۔آپ میرا ساتھ دیجیے گا۔۔۔مجھے آپ کی سپورٹ کی ہمیشہ ضرورت رہے گی۔۔۔۔"

اس کے ایک ہفتے بعد تک اس نے اپنا سیل آن نہیں کیا تھا۔۔۔وہ جس ذہنی تناؤ اور جذباتی دباؤ کا شکار تھا اسے کسی کی بھی ہمدردی لینا مشکل لگ رہا تھا۔۔۔کبھی کبھار ہم ایسی دور سے گزرتے ہیں جب ہم ہمدردی کرنے والے سے بھی چڑ جاتے ہیں۔۔۔اس وقت ہم خود سے جنگ کرتے ہیں جس کے فاتح بھی ہم اور مفتوح بھی۔۔۔!

وہ بھی اپنی مرمت خود کرنا چاہ رہا تھا۔۔۔وہ جس کرب سے گزرا تھا اس کا مداوا نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ اس گرداب میں پھنسا رہنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔ہر بار طبیب کے پاس جانا لازم نہیں، کبھی کبھار سیلف میڈیکیشن بھی کام کر جاتی ہے۔۔۔جس طرح آپ کو کسی دوسرے کا مارا تھپڑ زیادہ تکلیف دیا ہے بھلے آپ خود کو اس سے زیادہ شدید چوٹ اپنے ہاتھوں سے پہنچا لو بلکل ایسے ہی اپنے درد کا درماں خود بھی کیا جاتا ہے بھلے لاکھ تسلی دینے والے پاس ہوں۔۔۔!

اسے جو تکلیف خضر کی باتوں سے پہنچی تھی اس سے زیادہ امی کی لاتعلقی سے ہوئی تھی۔۔۔اس دن بھی لاشعوری طور پر اس نے انتظار کیا تھا کہ کب اس کی ماں اس کی خاطر بولتی ہے اس کے مسلسل گرتے مورال کو بلند کرتی ہے اس کے چہرے پہ پھیلے شرمندگی کے احساس کو مٹانے کی کوشش کرتی ہے لیکن ایسا کچھ بھی نا ہوا تھا۔۔۔اور اس کا ضبط حقیقتاً جواب دے گیا تھا۔۔۔ایک ہفتے سے وہ اپنے ایک کولیگ دوست اسجد کے گھر پہ تھا۔۔۔وہ مسلسل اس کے گیسٹ روم میں بند تھا۔۔۔جو کھانا اندر جاتا ویسے کا ویسا باہر آ جاتا۔۔۔اسجد نے بھی اسے مکمل وقت دیا تھا، نا کچھ پوچھا تھا نا کسی قسم کی ڈسٹربنس پیدا کی تھی

کیونکہ وہ زین کو اچھے سے جانتا تھا۔۔اس کی کمپوزڈ اور مربوط شخصیت سے وہ بخوبی واقف تھا۔۔اسلیے اگر وہ اس حالت میں تھا تو اسے سنبھلنے کے لیے وقت درکار تھا اور وہ وقت اسجد اسے فراہم کر رہا تھا۔۔!

یہ کہاں لکھا ہے کہ ڈاکٹر بیمار نہی ہوتا، ماہر پائلٹ کا جہاز کریش نہی ہوتا، بہترین تیراک ڈوب نہی سکتا، اور ایک ماہر نفسیات ذہنی انتشار اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار نہی ہو سکتا۔۔۔زین بھی لوگوں کی نفسیات بخوبی سمجھتا تھا۔۔اسے سر عبدالجبار کی طرح چہرے پڑھنے میں مہارت تھی، وہ منٹوں میں اوروں کی کونسلنگ کر کے ان کے مسائل حل کر دیا کرتا تھا لیکن وہ ایک انسان تھا۔۔ایک ایسا انسان جس نے یہ مقام مسلسل جدوجہد اور اندرونی جنگ کے بعد حاصل کیا تھا لیکن آج پھر وہ ایک طویل عرصے بعد اپنے ذہنی انتشار سے نبرد آزما تھا۔۔زندگی میں بارہا وہ ایسا کر چکا تھا لیکن یہ دھچکا اس کے لیے شدید ثابت ہوا تھا۔۔!

ایک ہفتے بعد وہ یونی گیا تو وہاں باپ کو پہلے سے موجود پایا۔۔اکبر صاحب بھرائی آنکھوں لیے اس کے انتظار میں موجود تھے۔۔۔وہ گاڑی پارک کر کے ان کے گلے سے جا لگا۔۔دونوں باپ بیٹا کتنی دیر ایک دوسرے کو محسوس کرتے رہے۔۔وہ انہیں لیے یونی سے باہر ایک قریبی کیفے میں جا بیٹھا۔۔اکبر صاحب کے پاس اسے دلاسہ دینے کے لیے ایک لفظ بھی نہی تھا نا وہ اسے تسلی دینے کے لیے آئے تھے۔۔۔وہ تو بس اسے دیکھنا اور ملنا چاہتے تھے۔۔۔زین ان کی کیفیت سمجھ رہا تھا اس لیے ان سے ہلکی پھلکی بات چیت کرتا رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہی۔۔لیکن وہ باپ تھے اور اسے تکلیف میں نہی دیکھ سکتے تھے۔۔زین ماں سے ملنا چاہتا تھا لیکن اکبر صاحب نے اسے سہولت سے منع کر تو کر دیا پر اندر کی بات چھپا گئے کہ سعدیہ زین سے سخت ناراض تھیں۔۔۔اپنے خضر کی شادی میں ہوئی بدمزگی اور ذمہ دار وہ زین کو گردانتی تھیں اور وہ اس سے اس قدر ناراض تھیں کہ اس کی شکل بھی دیکھنے کی روادار نہی تھیں۔۔۔جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد سے اکبر صاحب کی بھی گھر میں سب سے سرد جنگ چل رہی تھی۔۔۔وہ نا بیوی سے کلام کرتے تھے نا بیٹے سے۔۔۔بیٹے کو پرواہ نہی تھی اور بیوی کو چاہ نہی تھی اس لیے انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ زین کو مزید ذہنی ابتری سے بچانے کے لیے اسے علیحدہ ماحول میں جانے دیں۔۔۔وہاں سے زین کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔۔اس نے اسوہ سے کچھ وقت مانگا تھا۔۔وہ شادی سے پہلے مکمل سیٹ ہونا چاہتا تھا۔۔اسوہ چاہتی تھی کہ وہ اور زین اس کے مکان میں شفٹ ہو جائیں لیکن زین

کو یہ قبول نہی تھا۔۔۔اس نے پہلے سے زیادہ محنت شروع کر دی تھی۔۔۔وہ دن میں یونی جاتا تھا اور شام میں وہ اور اسوہ ایک کوچنگ سینٹر جوائین کر چکے تھے۔۔دن رات کا حساب بھلائے وہ خود کو مصروف تر کرتا چلا گیا۔۔۔اس سب میں وہ اکبر صاحب سے مسلسل رابطے میں رہا تھا اور ہر ماہ کی پانچ سے دس تاریخ کے درمیان وہ ان کے اکاؤنٹ میں اپنی تنخواہ سے ایک خاطر خواہ رقم ٹرانسفر کرنا نہی بھولتا تھا۔۔۔وہ جانتا تھا کہ ابو کے دیے پیسوں سے امی کا گزارا نہی ہوتا تھا اور اب تو زویا بھی شادی کے لائق ہو چلی تھی۔۔۔وہ اپنی ذمہ داریوں سے کبھی غافل نہی رہا تھا۔۔۔اس نے کبھی بھی باپ سے نہی پوچھا تھا کہ خضر کیا کرتا ہے کتنا کماتا ہے اور کیسی زندگی گزر رہی ہے اس کی۔۔۔ایک یہ واحد موضوع تھا جس پر وہ بات کرنے سے کتراتا تھا۔۔۔جو ذخم اس کے لفظوں نے اس کے دل پر لگائے تھے وہ مندمل نہی ہوئے تھے ان میں اب بھی درد ہوتا تھا ار جب جب درد ہوتا تھا وہ پہلے سے زیادہ عزم اور جذبے کے ساتھ میدان عمل میں اتر آتا تھا۔۔۔تین سال کے قلیل یا طویل عرصے میں اس نے ایک بہترین ولا خرید لیا تھا۔۔۔چھوٹا سا لیکن انتہائی منفرد طرز تعمیر پر بنا یہ ولا ایک چھوٹی سی فیملی کے لیے آئیڈیل رہائش گاہ تھا۔۔۔وہ بے حد خوش تھا اور اس دن وہ خاص طور پر اکبر صاحب کو یونی بلوا کر وہاں سے اپنا گھر دکھانے لایا تھا۔۔۔وہ باپ تھے اور ان کی اولاد کی انتہائی کم عمری میں یہ بہت بڑی اچیومنٹ تھی۔۔۔وہ جتنا فخر کرتے کم تھا۔۔۔زین نے انہیں ان کا اور امی کا کمرا بھی دکھایا جسے دیکھ کے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔۔۔وہ انہیں ہر مقام پر یاد رکھتا تھا۔۔۔ان کا حق اور اپنا فرض وہ کبھی نہی بھولتا تھا۔۔۔اکبر صاحب سے اس نے اسوہ کی اور اپنی شادی کی بات کی۔۔۔وہ چاہتا تھا کہ امی کو منا لے تاکہ اس کے والدین ایک ساتھ جا کر اسوہ کا رشتہ باقاعدہ مانگ سکیں۔۔۔یہاں پر ایک بار پھر اکبر صاحب نے سعدیہ کو بتانے سے منع کر دیا۔۔۔زین نے اس بار سوال نہی کیا تھا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی ماں اب بھی اس سے ناراض ہے۔۔۔وہ دل مسوس کر رہ گیا۔۔۔اکبر صاحب اسوہ کے گھر گئے اور دونوں کی بات پکی کر آئے۔۔۔ایک مختصر سی تقریب میں چند قریبی دوستوں کی موجودگی میں دونوں کا نکاح ہو گیا۔۔۔رشتے دوراں کے نام پر اس کے ساتھ اکبر صاحب توقیر چاچو اور ان کے گھر والے موجود تھے۔۔۔ہاں اکبر صاحب زویا کو ساتھ لانا نہی بھولے تھے۔۔۔یوں شادی شدہ زندگی کا آغاز ہو گیا جو بیک وقت اس کے

لیے مسرت اور تکلیف کا باعث رہا۔۔۔وہ خوش تھا کیونکہ اسوہ سے محبت کرتا تھا اور وہ اس کی زندگی مین شامل ہو چکی تھی۔۔۔وہ اداس تھا کیونکہ اس کی ماں اس کی زندگی کے اہم ترین موقع پر موجود نہی تھی۔۔۔وہ اسوہ کو لے کر اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو گیا تھا۔۔۔زندگی میں سکون اور ٹھہراؤ سا آتا چلا گیا۔۔۔وہ اسوہ کے ساتھ اس کی والدہ سے ملنے گیا تھا، وہاں سب اچھے سے ملے تھے لیکن اس کی والدہ نے دبے لفظوں میں اسوہ کو جتادیا تا کہ اگر وہ اپنے والد کے مکان میں نہی رہ رہی تو اسے چاہیے کہ اس مان کو واپس کرائے پر چڑھا کے کرایہ ماں کے حوالے کرے۔۔۔واپسی میں اسوہ نے بے حد دلگرفتگی کے ساتھ جب یہ بات زین کو بتائی تو وہ خاموش ہو گیا تھا۔۔۔عجب صورتحال تھی، وہ دونوں ایسے رشتے سے مسلس ٹھکرائے جا رہے تھے جو ان کے ہونے کا سبب تھا۔۔۔بات تو تکلیف کی تھی لیکن سہہ جانے کے علاوہ چارہ نہی تھا۔۔۔!وقت گزرنے کے ساتھ سب کچھ روٹین میں آجاتا یا شاید کبھی بھی نا آتا۔۔۔اکثر ایسا ہوتا ہے نا جب ہمیں ہماری" چاہت" ملتی ہے تو وہ ہماری" چاہت" رہی نہی ہوتی۔۔۔اس کی طلب اور چاہ ہمارے اندر سے ختم ہو چکی ہوتی ہے۔۔۔لیکن زین جانتا تھا کہ واحد اس کی ماں اس کے لیے وہ ہستی ہے کہ وہ عمر کے آخری حصے میں لب گور جس چہرے کو دیکھنا چاہے گا وہ اس کی ماں ہو گی۔۔۔اسے اس وقت اس انتظار تھا جب امی کا دل اس کی جانب سے صاف ہو جاتا۔۔۔وہ ان کے وجود کا حصہ تو تھا ہی بھلے سے پسندیدہ نا سہی۔۔۔!

☆......☆......☆

پانچ سال بعد

"اونچ نیچ کا پہاڑ
اونچ نیچ کا پہاڑ
کتا بھونک رہا ہے
مالک دیکھ رہا ہے
دیکھتے ہیں سب سے پہلے
کون بکتا ہے !"

شام ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔۔۔موسم خنکی سے خنکی کی جانب مائل تھا۔۔فضا بے حد ہلکی پھلکی اور خوشگوار تھی۔۔۔!

یہ ایک اپر مڈل کلاس کالونی کا چھوٹا سا پارک تھا۔۔۔سہہ پہر کے بعد یہاں کالونی کے بچے اکھٹے ہو جاتے تھے۔۔۔واک کرتی خواتین اور جاگنگ کرتے مردوں کا بھی رش لگ جاتا۔۔۔بچے کسی بھی طبقے کے ہوں، کسی بھی جگہ رہتے ہوں وہ دیسی کھیل لازمی کھیلتے ہیں۔۔۔کبھی یہ کھیل وراثت کی طرح گھر کے بڑوں سے انہیں ملتے ہیں تو کبھی سکول اور محلے کے بچوں سے سیکھتے ہیں۔۔۔کھیل تب تک ہی خوبصورت رہتا ہے جب تک اس میں ایک اور کھیل شامل نا ہو جائے۔۔۔کسی کو زچ کرنے کا کھیل، نیچا دکھانے کا کھیل، ہرانے کا کھیل، تکلیف دینے کا کھیل!

"اونچ نیچ کا پہاڑ" بچپن میں اس کا بھی پسندیدہ کھیل تھا۔۔۔وہ بڑے شوق اور محبت سے دیکھا کرتا تھا کیونکہ اسے کھلایا بہت کم جاتا تھا اور اگر کھلایا جاتا تو کبھی اونچ پر چڑھنے نہیں دیا جاتا تھا۔۔۔اس کا پورا بچپن اس حسرت میں گزرا تھا کہ کبھی وہ بھی اونچ پر کھڑا ہو بھلے کھیل میں سہی یا پھر گھر میں ملی حیثیت میں!

اس کھیل سے اس کی بہت یادیں جڑی تھیں بلکہ اس کی پوری زندگی منسلک تھی۔۔۔اس نے اپنے گھر سے ہی اس کھیل کی شروعات کی تھی۔۔۔اس کے مقام کا تعین اس کے اپنے والدین کے رویے نے کر رکھا تھا۔۔۔وہ ہمیشہ نیچ پر رہا تھا۔۔اسے نچلا درجہ الاٹ کیا گیا تھا۔۔۔کبھی اونچ پر چڑھنے نہیں دیا جاتا تھا!

وہ روزانہ اس پارک میں آتا تھا اور اس کی نگاہیں "زین" کو ڈھونڈا کرتا تھا۔۔۔کوئی سہما الجھا سا "زین" جو بچوں کی ٹولی میں مسکین صورت بنائے اندر گھسنے کی کوشش کرتا ہو لیکن اسے دھکیل کے ٹولی سے باہر نکال دیا جاتا ہو۔۔۔کوئی نیم خوشامدی صورت بنائے "زین" جو بچوں سے میٹھے لہجے میں بات کرتا ہو یہ سوچ کے کہ اس طرح اسے بھی کھلا لیا جائے گا۔۔۔گروپ کو لیڈ کرتے بچے کے کپڑوں سے نادیدہ گرد جھاڑتا "زین" کہ اس کی ادنی خدمتگاری کے نتیجے میں وہ ان سب کی گڈ بکس میں شامل ہو جائے۔۔۔جب اسے کوئی "زین" دکھائی دیتا تو وہ فوراً اس کی مدد کو لپک لیتا تھا۔۔۔وہ محبت اور بھاؤ

سے بچوں کے بیچ آجاتا اور اس اکیلے پڑتے" زین" کو کھیل میں شامل کرواتا...اسے موقع دلواتا کہ وہ بھی جی کھول کے کھیلے...بچے اسمارٹ سے انکل کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہوئے ان کی بات مانتے جاتے...یوں وہ" زین" پارک سے واپسی پر گھٹا گھٹا سا روتا ہوا نہیں جاتا تھا...!

روزانہ کی طرح آج بھی وہ اپنی من پسند جگہ پر بیٹھا بچوں کو دیکھ رہا تھا...وہ حیرت سے سوچا کرتا تھا کہ کھیل بھی کیسا شاندار ورثہ ہوتے ہیں جو نسل در نسل کتنی احتیاط کے ساتھ منتقل ہوتے ہیں...نا الفاظ بدلتے ہیں نا ردھم بدلتا ہے نا انداز بدلتے ہیں...وہ یونہی اپنے دھیان میں بچوں کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...وقت کس قدر تیزی سے گزرا تھا...کل وہ ان بچوں میں سے ایک ہوا کرتا تھا...اس نے ایک طویل سانس سینے میں بھری اور چہرہ اونچا کیے فضا کو دیکھنے لگا...ڈھلتی شام کے قریب پنچھیوں نے اپنے گھروندوں کی اور اڑانیں بھر لی تھیں...کوئی اپنے بچوں کے لیے منہ میں رزق دبائے لیے جا رہا تھا اور کسی کو گھونسلے میں موجود نوزائیدہ بچوں کو اپنے پروں کی گرمی میں لینے کی جلدی تھی...ماں باپ کسی بھی روپ میں ہوں نعمت ہوتے ہیں...اسے امی ابو کا خیال آیا تو دل سے درد میں لپٹی ہوک سی اٹھی...وہ خوش قسمت تھا کہ اس کے والدین حیات تھے لیکن امی کی ناراضی اب تک اس کے دل میں پھانس کی طرح گڑی ہوئی تھی...اس نے لاکھ کوشش کی تھی انہیں منانے کی لیکن اسے سمجھ ہی نہی آتی تھی کہ وہ ناراض کیوں ہیں...؟ لاکھ سر پٹختا تھا لیکن شنوائی نہی ہوتی تھی...ابو نے اسے امی کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کا کہا تھا لیکن وہ دل کو کیسے سمجھاتا...گزشتہ پانچ سالوں میں ابو کے منع کرنے کے باوجود پانچ سو چکر کاٹے تھے اس نے گھر کے، لیکن امی کا دل موم نہی ہو سکا تھا...اسوہ سے شادی کے بعد وہ بہت خوش تھا لیکن اسے ماں کی کمی محسوس ہوتی تھی...ایک دن وہ بنا بتائے ان سے ملنے چلا گیا تھا...وہ اسے دیکھ کر حیران ضرور ہوئی تھیں لیکن لپکی نہی تھیں...اکبر صاحب جو اسے یوں چلے آنے پر تادیبی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، اب بیوی کو تاسف سے دیکھ کر رہ گئے...زین کا دل بے حد اداس ہوا...وہ گمان کر رہا تھا کہ امی اتنے عرصے بعد اسے دیکھ کر سینے سے لگا لیں گی لیکن اسے دیکھتے ہی انہیں شکوے یاد آ گئے...

" اسے کہیں اکبر، یہاں سے چلا جائے۔۔۔اس کی وجہ سے میرا خضر میرے پاس نہی ہے۔۔۔اسی کی وجہ سے اس کا دل اس قدر دکھا کہ وہ یہ ملک ہی چھوڑ گیا۔۔۔دو سال ہو گئے پلٹ کے ماں کو پوچھا تک نہی۔۔۔نا یہ اس کی شادی کے دن تماشا کرتا ناوہ یہاں سے جاتا۔۔۔لیکن بچپن سے اب تک اس کے دل میں حسد کی جو آگ خضر کے لیے جلی ہوئی تھی اس نے میرے بچے کی خوشیوں کو جلا کے بھسم کر ڈالا۔۔۔جائے اب یہاں سے مجھے نہی ملنا اس سے۔۔۔!"

اور اس دن اسے پتا چلا کہ خضر کو اٹلی گئے دو سال ہو گئے ہیں۔۔۔اسے ابو نے بھی یہ نہی بتایا تھا۔۔۔ابو اسے لیے باہر لان میں اسی پرانی جگہ پر آ بیٹھے جہاں دونوں باپ بیٹا پہلے بیٹھا کرتے تھے۔۔۔زین ہتھیلیاں مسل رہا تھا۔۔۔وہ یہاں آ کر پہلے سے زیادہ دکھی ہوا تھا۔۔۔

" مجھے بتایا کیوں نہی ابو کہ خضر آپ کے ساتھ نہی رہتا۔۔۔میں۔۔۔میں کتنا عرصہ بے خبر رہا۔۔۔گھر میں سو ضرورتیں ہوتی ہیں ابو۔۔۔میری جوان بہن ہے جسے بھائی کا تحفظ چاہیے والدین ہیں جنہیں اولاد کا ساتھ چاہیے۔۔۔آپ نے مجھے کیوں روکے رکھا۔۔۔!"

" اس لیے کہ شائد تمہاری ماں کو عقل آ جائے۔۔۔اسے کھرے کھوٹے کی پہچان ہو جائے۔۔۔میں نہی چاہتا تھا اسوہ کو یہاں لا کر تمہاری بے قدری کا تماشا دکھاؤں۔۔۔لیکن میں غلط تھا زین۔۔۔یہ عورت کبھی بھی خضر کے جنون سے باہر نہی نکل سکے گی۔۔۔!"

" کیسا تماشا ابو۔۔۔؟" زین نے انہیں ٹوک دیا تھا" وہ میری ماں ہیں۔۔۔وہ جو بھی کہتی یا سوچتی ہیں اس کے لیے وہ مجبور ہیں۔۔۔کمزوری انسان کو مجبور کر دیتی ہے اور خضر ان کی کمزوری ہے۔۔۔جب میں نے اس بات کو تسلیم کر لیا تو آپ نے تناؤ کیوں پیدا کر رکھا ہے۔۔۔مجھے دکھ ہوا ابو کہ آپ نے مجھے اتنا سب کچھ ہو گیا لیکن بتایا بھی نہی۔۔۔!"

زین بے حد آزردگی سے آنکھیں مسل رہا تھا۔۔۔اکبر صاحب اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔۔۔ان کے اس بیٹے کا خمیر نا جانے کس مٹی سے اٹھایا گیا تھا۔۔۔

" تمہارا بچپن نگاہوں کے سامنے گھوم جاتا ہے تو خود کو معاف نہی کر پاتا میں، زین۔۔۔تمہارا

استحصال، تمہاری چھوٹی چھوٹی مانگوں کا رد ہونا، تمہیں خضر سے کم درجے پر رکھنا۔۔۔کیا کیا نہیں یاد آ جاتا۔۔۔بیٹا میں باپ ہوں لیکن پھر بھی تم سے استدعا کرتا ہوں ہمیں معاف کر دینا۔۔۔!"

زین فوراً گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھ گیا اور باپ کے ہاتھ پکڑ لیے۔۔۔انہیں آنکھوں سے لگایا اور عقیدت سے بولا۔۔

" ایک وقت تھا مجھے بہت شکوے تھے ابو۔۔۔سوچا کرتا تھا کہ ایک دن کچھ بن جاؤں تو کبھی پلٹ کے نا دیکھوں گا لیکن پھر کچھ حادثے میری زندگی سنوار گئے۔۔۔دادی اور سر عبدالجبار، یہ دو شخصیتیں جنہوں نے میری دیوانگی کا رخ موڑ کر میری روح کو سکون دیا۔۔۔مجھے حقیقتوں کی شبیہہ دکھائی۔۔۔میں وہ سوچنے لگا جو اس سے پہلے دیکھتا نہیں تھا۔۔۔میں مانتا ہوں کہ خضر کی حرکتوں سے مجھے جو تکلیف ہوئی وہ بہت زیادہ تھی ابو، اور میں نے امی کی جانب سے لاشعوری طور پر اس بات کا انتظار کیا تھا کہ وہ میرا دفاع کریں گی لیکن ہمیشہ کی طرح ایسا نہیں ہوا۔۔۔میں بھی انسان ہوں اس لیے تب بے حد دل شکستہ تھا۔۔۔سوچتا ہوں اگر گھر چھوڑ کے نا جاتا تو آج اس مقام پر بھی نا ہوتا لیکن امی کے لیے میرا دل برا نہیں ہو پاتا ابو۔۔۔میری ماں ہیں وہ۔۔۔مجھے پالا ہے انہوں نے۔۔۔مجھے کوئی ایسا دن یاد نہیں جب انہوں نے میرے کھانے پینے کا دھیان نا رکھا ہو یا میں گندے یونیفارم میں سکول گیا ہوں۔۔۔جہاں کہیں کمی تھی وہاں مقابل خضر تھا اور اس بات کو میں نے قبول کر لیا ہوا ہے ابو۔۔۔آپ نے مجھے پڑھایا لکھایا مجھ پر پیسہ لگایا۔۔۔سر عبدالجبار کہا کرتے تھے کہ اسی کا حق نہیں چکا سکتے تم۔۔۔اور میں نے پلے سے باندھ لیا کہ میں نہیں چکا سکتا تو پھر دعویٰ کس بات کا کروں۔۔۔اب بس انتظار کرتا ہوں کب امی کا دل موم ہو اور وہ مجھے اور اسوہ کو قبول کر لیں۔۔۔میں ان کے ساتھ ان کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔۔۔!"

اکبر صاحب ٹھوڑی کے نیچے مٹھی جمائے بھیگی آنکھوں کے ساتھ سب سنتے رہے اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولے۔۔۔

" ابھی نہیں فی الحال۔۔۔میں نہیں چاہتا کہ ابھی تم واپس آؤ۔۔۔جب تک سعدیہ منہ سے نا کہہ دے کہ اسے تمہاری ضرورت ہے۔۔۔تم وہ کھرا سکہ ہو جس کو وہ پرکھ نا سکی۔۔۔خضر کی کوتاہیاں تمہارے

کھاتے سے مٹا ڈالے تب تک میں نے بھی ٹھان رکھا ہے کہ تمہارا ذکر بھی نہیں کرنے دوں گا کسی کو۔۔۔اور مجھے یقین ہے کہ یہ دن جلد آجائے گا زین۔۔۔صبر کرلو تھوڑا اور۔۔۔!"

"میں امی سے ضد کیوں باندھوں۔۔۔ماں ہیں میری۔۔۔مجھے جوتے بھی ماریں گی تو کھالوں گا ابو۔۔۔میں جانتا ہوں وہ کبھی کہیں گی نہیں لیکن انہیں میری ضرورت ہے۔۔۔!"

"کہے گی۔۔۔ضرور کہے گی۔۔۔وقت کہلوائے گا۔۔۔خضر ابھی بات کرلیتا ہے کبھی کبھی۔۔۔جس دن اس نے ٹیلیفونک رابطہ بھی ختم کر دیا اس دن سمجھ لینا کہ اس کا تم سے رابطہ بحال ہو جائے گا۔۔۔دیکھو زین۔۔۔!ماں باپ ساری عمر اپنے اور اولاد کے بیچ احکامات کے انگارے بچھاتے ہیں۔۔۔اولاد سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ان انگاروں پہ چلتی ان تک آئے اور فرمانبرداری کا تمغہ لے لے لیکن اکثر والدین یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کبھی کبھار اپنے منصب کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔۔۔اولاد سے توقعات رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں سولی پر لٹکا دیا جائے۔۔۔ان کے حقوق غصب کر لیے جائیں۔۔۔انہیں اپنی مرضی اور خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔۔۔اولاد ماں باپ کا گریبان نہیں تھام سکتی کیونکہ شریعت مانع ہے لیکن رب تو پوچھے گا نا جس نے بچے دیئے تو ان کے درمیان فرق کرنے کو منع کیا ان کی ایک سی تربیت اور پرورش کرنے کا حکم دیا۔۔۔ان سے ایک جیسی محبت کرنے کا حکم دیا۔۔۔میں نہیں کہتا کہ میں بہت اچھا باپ ہوں زین لیکن جب مجھے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تو میں نے تلافی کی شروع کر دی تھی۔۔۔ایسے ہی مجھے تمہاری ماں کا انتظار ہے کہ اسے احساس ہو اور وہ تلافی کر سکے۔۔۔وقت گزر جائے تو ہتھیلیاں مسلنے سے واپس نہیں پلٹتا۔۔۔تم بھی وقت کا انتظار کرو یقیناً اس کے پاس تمہیں دینے کے لیے بھی کچھ اچھا ہوگا۔۔۔!"

اور وہ اچھی امید اور سوچ لیے واپس آگیا تھا۔۔۔زویا کی شادی طے ہوگئی۔۔۔وہ باپ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے کھڑا رہا۔۔۔اس نے اپنی تمام جمع پونجی زویا کی شادی پر خرچ کر دی تھی۔۔۔اسوہ نے بھابھی ہونے کے ناتے اپنی ساری سیونگز اس کے حوالے کر دی تھی۔۔۔زین کو اس پر ناز تھا۔۔۔امی سے وہ ملا تھا اور اسوہ کے دیئے تحائف اور اپنی طرف سے رقم جب ان کے حوالے کی تو

وہ انہوں نے خاموشی سے رکھ لی تھی، اس کے بدلے میں انہوں نے اسے اور اسوہ کو زویا کی شادی میں شرکت کی اجازت دے دی تھی۔۔۔وہ جانتا تھا کہ امی خضر کی بے اولادی کی وجہ سے دکھی ہیں۔۔۔خضر باپ نہی بن سکتا تھا، یہ اسے ابو سے معلوم ہوا تھا اور اس کا رب جانتا تھا کہ اس لمحے اسے اپنے رب سے کس قدر خوف آیا تھا۔۔۔دلوں میں سوراخ کرتے زبان سے نکلے بول کبھی بھی گرفت میں آسکتے ہیں۔۔۔امی کو خضر کی بے اعتنائی کا بھی دکھ تھا اس لیے اس نے کوئی موقع نہی چھوڑا تھا جب وہ ان کی جذباتی اور مالی ڈھارس کا سبب نا بنا ہو۔۔۔زویا کی رخصتی کے بعد وہ ایک بار پھر اس کوشش میں تھا کہ امی اور ابو اس کے پاس آجائیں یا امی اسے گھر آنے کی اجازت دیں۔۔۔لیکن اکبر صاحب سعدیہ کا مزاج جانتے تھے اور وہ اسوہ کو یہاں بلا کے پریشانی کا شکار نہی کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے دوبارہ زین کو ٹال دیا تھا۔۔۔وہ خود کو سنبھالنا جانتا تھا لیکن ایک مستقل کسک تھی جس کا وہ شکار تھا۔۔۔اس کے اندر خلا سا پیدا ہو گیا تھا۔۔۔وہ اسی آس میں دن کاٹ رہا تھا کہ عنقریب امی اس سے راضی ہو جائیں گی۔۔۔وہ اس کی بے گناہی کا اعتبار کر لیں گی۔۔۔اولاد اور ماں باپ کا رشتہ دلدلی ریت کی طرح ہوتا ہے اس رشتے سے فرار ممکن نہی جتنا نکلو اتنا ہی اپنے اندر سموتا ہے۔۔۔!

"اونچ نیچ کا پہاڑ

کچے موتیوں کا ہار۔۔۔

بچوں نے دوبارہ سے کھیل شروع کیا تھا۔۔۔ان کی آواز سے اس کا ارتکاز ٹوٹ گیا اور وہ ہوش میں پلٹ آیا۔۔۔وہ مسکرا کے بچوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔۔۔تبھی اس کے برابر میں کوئی آکر دھپ سے بیٹھا۔۔۔وہ چونکا۔۔۔اسوہ نے شرارت سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔۔۔

"سکون سے نہی بیٹھ سکتی کیا۔۔۔خیال کرو۔۔۔!"

اس نے محبت سے اس کے بھرے بھرے وجود کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔وہ امید سے تھی اور زین اس کی بے حد دیکھ بھال کرتا تھا۔۔۔

"ایسے ہی دل کیا کہ بچوں کے ساتھ کھیلوں۔۔۔وہ پیچھے جو بچیاں" سائیکل سائیکل والے بھائی

"کھیل رہی ہیں نا، میں انہی کے ساتھ تھی۔۔۔گول گول گھوم کے سر چکرا گیا لیکن مزہ آ گیا۔۔۔

"سائیکل سائیکل والے بھائی
تم نے گھنٹی کیوں بجائی
میری گڑیا نیچے آئی
اسے لے گیا سپاہی
سب کو دے گیا مٹھائی
اب دیکھتے ہیں سب سے
پہلے کون کھاتا ہے مٹھائی"!

وہ دونوں پاؤں دھیرے دھیرے جھلاتے ہوئے مزے سے گنگناتی ہوئی کسی کم سن بچی کی طرح لگ رہی تھی۔۔۔زین نے آنکھیں پھاڑیں اور ہنستے ہوئے اسے دیکھا۔۔۔

"پاگل ہو گیا۔۔۔یہ کوئی عمر ہے ایسے کھیلوں کی۔۔۔؟"

"کیوں۔۔عمر سے کیا ہوتا ہے۔۔۔عمر تو ایک ہندسہ ہے، دل میں امنگ ہو، من میں ترنگ ہو تو ہر کام جچ جاتا ہے۔۔۔سمجھے۔۔۔!" وہ جھومتے لہجے میں بولی تو زین پھر ہنس دیا۔۔۔اسوہ ہمیشہ اسے تازہ دم کیے رکھتی تھی نا خود اداس ہوتی تھی نا اسے رہنے دیتی تھی۔۔۔

"میں تو کھیل رہی تھی، تم کیا کر رہے تھے تب سے۔۔۔؟" اسوہ نے کریدتی نگاہوں سے زین کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔۔

"کھیل دیکھ رہا تھا" زین سادہ لہجے میں بولا۔۔"پہلے دیکھ رہا تھا پھر زندگی کے کھیل یاد آتے چلے گئے تو ان میں مگن ہو گیا۔۔۔سوچتا ہوں اسوہ کہ وقت ہمیں کبھی کبھار کتنی چھوٹی سی عمر میں ہی ایسے ایسے کرتب دکھا جاتا ہے جو ہمیں اس وقت سمجھ بھی نہیں آتے لیکن نقش چھوٹ جاتے ہیں۔۔۔وہی نقش صحیح وقت آنے پر اس کرتب کی پہچان کروا دیتے ہیں۔۔۔!"

"زین۔۔۔میرے ابو کی کاربن کاپی لگتے ہو تم کبھی کبھی تو مجھے۔۔۔مت سوچا کرو اتنا۔۔۔ہلکے

میں لیا کرو سب کچھ۔۔۔ابھی زندگی کے جھمیلے جھیلنے باقی ہیں زین۔۔۔اب ہمیں اپنی انرجی آنے والے وقت کے لیے بچا کے رکھنی ہے۔۔۔اپنے بچوں کے لیے سنبھال کے رکھنی ہے۔۔۔!" اسوہ کا لہجہ بے حد پر امید تھا۔۔۔وہ اپنی ہونے والی اولاد کو لے کے بہت ایکسائیٹڈ تھی۔۔۔زین نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھ کے نگاہیں اپنے ہاتھوں پہ گاڑ دیں جن کی انگلیاں باہم پیوست تھیں۔۔۔

" اسوہ۔۔۔ہمیں ایک ہی اولاد کافی ہے۔۔۔اسی کی تربیت کریں گے۔۔۔اسے اچھا انسان بنائیں گے اور اس کی شخصیت کے بنانے میں کوئی کمی نہی چھوڑیں گے۔۔۔!"

زین نے سبھاؤ سے کہا پر اسوہ بدک کے اسے گھورتے ہوئے بولی۔۔۔

" ہر گز نہی۔۔۔کبھی بھی نہی۔۔۔مجھے تو کریز ہے بچوں کا۔۔۔میں تو اللہ سے دعا کرتی ہوں میرے ڈھیر سارے بچے ہوں۔۔۔!"

وہ آنکھیں میچ کے کہتی زین کو بہت پیاری لگی۔۔۔زین نے محبت سے مسکرا کے اس کا ہاتھ تھاما اور بولا۔۔۔

" پتا نہی اسوہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ہم بھی اپنی اولاد میں فرق نا کر ڈالیں۔۔۔انہیں ایک سی محبت اور چاہت نا دے پائیں۔۔۔ہمارا کوئی بچہ ہمارے رویے کی وجہ سے اکیلا نا پڑ جائے۔۔۔مجھے نا جانے کیوں خوف آتا ہے وقت کے پھیر سے، اس کی لپیٹ سے۔۔۔!"

اسوہ نے اس کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ پہ دوسرا ہاتھ رکھا اور بولی۔۔

" زین پیار گن کے نہی دیا جاتا۔۔دو اس کے، چار اس کے۔۔۔یہ تو آبشار ہے۔۔۔ایک تواتر سے بہتا پانی۔۔۔نا رکتا ہے نا کم ہوتا ہے نا میلا ہوتا ہے۔۔۔اس کی پیمائش نہی ہوتی۔۔۔تم اپنے خدشات کو دل سے نکال دو۔۔۔جب وقت آئے گا مجھے یقین ہے ہم بہترین ماں باپ بنیں گے کیونکہ ہم نے وہ رویے سہے ہیں جنہوں نے ہمارے دلوں کو زخمی کیا ہے اس لیے ہمیں اس اذیت کا پتا ہے جو بچے کو سہنی پڑتی ہے۔۔۔تو جب ہمیں احساس ہوگا تو ہم اپنے رویے کو جانچنے کے لیے خود ہی کافی ہوں گے۔۔۔!"

" شائد تم ٹھیک کہتی ہو لیکن میں نے دیکھا ہے کبھی کبھار جس نے ماضی میں امتیازی سلوک

برداشت کیا ہو وہی جب اپنا وقت آتا ہے تو اسی عمل کو دہرا رہا ہوتا ہے لیکن نا سمجھتا ہے نا مانتا ہے۔۔۔لاکھ کوشش کر ڈالو لیکن اس احساس کو اس شخص کے دل میں اجاگر نہیں کیا جا سکتا جس کی مدد سے اسے غلط رویے کی پہچان کروائی جا سکے۔۔۔!"

"چند کیسیز میں زین۔۔۔لیکن اگر آپ کے اندر وہ احساس پہلے سے ہی جڑ پکڑ چکا ہے تو آپ کو فکر کس بات کی ہے۔۔۔؟ اس احساس کو پانی دیتے رہو محبت کا، حلاوت کا تو پھر وہ کبھی نہیں مرے گا۔۔۔ہر بچہ اپنی جگہ خود بناتا ہے زین۔۔۔اس کے انداز و اطوار ماں باپ کے دل میں الگ الگ نقش چھوڑتے ہیں۔۔کسی کے کم کسی کے زیادہ۔۔۔ماں باپ کے اختیار میں ہے اس کم اور زیادہ کو متوازن کرنا۔۔۔اور ہم دونوں نے ایسا کرنا سیکھا ہے۔۔۔ہے نا۔۔؟"

وہ اپنے چہرے پر ڈھیروں روشنیاں لیے اس سے پوچھ رہی تھی اور زین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔۔۔

"ہاں۔۔۔ہم اپنے بچوں کو ایک سی محبت دیں گے۔۔۔ہم ان کی جذبات و احساسات کی قدر کریں گے۔۔۔ان کے میلان کو سمجھیں گے۔۔۔مجھے یقین ہے ہم ایسا کر سکیں گے۔۔۔!"

"بلکل۔۔۔اور دیکھو۔۔۔کبھی تم ڈانٹو تو میں ڈھال بن جاؤں گی۔۔۔کبھی میں ڈانٹوں تو تم کندھے پر اٹھا کے باہر لے جانا۔۔۔ہم اپنی نظریں گھر کے ہر کونے میں پیوست کر دیں گے کہ کبھی ہمارا کوئی بچہ کسی اکیلے کونے میں بنا آواز رو نا سکے۔۔۔اس کا دل جب بھی کسی بات سے آزردہ ہو تو اسے پتا ہو کہ رونے کے لیے اس کے پاس ماں باپ کے کاندھے ہیں۔۔۔اپنی اولاد کی کمزوریوں کو نشر نہیں کریں گے۔۔۔ان کا کسی رشتے دار کے سامنے مذاق نہیں اڑائیں گے۔۔۔کسی ایک کو اس کی من پسند چیز دلوائیں گے تو دوسرے کو نظر انداز نہیں کریں گے۔۔۔انہیں ایک دوسرے سے محبت کرنا سکھائیں گے۔۔۔ایک دوسرے کے لیے ایثار کی عادت ڈالیں گے۔۔۔بہن بھائی جب خود سے زیادہ دوسرے کی پرواہ کرتے ہیں تو انہیں کوئی توڑ نہیں سکتا۔۔۔وہ بہترین دوست بن جاتے ہیں۔۔۔!"

ہمیشہ کی طرح زین اس کی باتوں سے مرعوب سا اسے سنتا چلا گیا۔۔۔کمال کا ہنر تھا اس وہ

میں ۔۔۔ نا ہارتی تھی نا ہارنے دیتی تھی ۔۔۔ کیونکہ وہ اس کے رہنما و رہبر "سر عبدالجبار" کی بیٹی تھی ۔۔۔ اس مسیحا کی بیٹی جس نے اسے اندھیروں سے روشنی کی کرن کھینچ کے لا تھمائی تھی ۔۔۔ اسوہ کی محبت میں مبتلا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے ہر ہر انداز میں سر عبدالجبار کی جھلک تھی ۔۔۔ ویسی ہی پر جوش اور منظم ۔۔۔ کچھ کر کے دکھانے کا عزم کر کے چلنے سے لے کر فتح کے جھنڈے گاڑ دینے تک ڈٹ جانے والی ۔۔۔ اور اس کے دل کو مسخر کرنے والی ۔۔۔!

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے ۔۔۔ بچوں کا شور کم ہوتا چلا جا رہا تھا ۔۔ لوگ گھروں کو لوٹ رہے تھے ۔۔۔ پارک ویران نہی ہوتا تھا لیکن جو سہہ پہر کو آتے تھے وہ چلے جاتے تھے اور جو ابھی آتے تھے وہ رونق لگاتے تھے ۔۔۔ زندگی کے چکر بھلا کب رکتے ہیں ۔۔۔ ایک سے دوسرا جڑا ہوتا ہے دوسرے سے تیسرا اور پھر پہلے سے آخری والا آملتا ہے ۔۔۔ ہماری زندگیاں بھی ایسے ہی کہیں نا کہیں ایک دوسرے سے جڑی ہیں ۔۔۔ کبھی خون کے رشتے کی وجہ سے، کبھی تعلق داری کی وجہ سے، کبھی دوستی، کبھی شناسائی، کبھی حادثے کبھی ایک سے سانحے ۔۔۔ کچھ نا کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے جو ہمیں باور کرواتا ہے کہ ہم سب ایک دوسرے سے کہیں نا کہیں ملتے ہیں ۔۔۔ ہم سب میں کچھ نا کچھ مشترک ہے ۔۔۔!

زین، اسوہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے اب گھر کی جانب چل دیا تھا ۔۔ جلد ہی ان کے بیچ ایک تیسرا آنے والا تھا اور انہیں اس کا شدت سے انتظار تھا ۔۔ وہ اپنی اولاد کی شکل میں ایک نئی کہانی، ایک نیا عہد تعمیر کرنا چاہتے تھے ۔۔۔ مثال بنانا مشکل نہی ہوتا لیکن اسے روایت کی شکل میں قائم رکھ کے جاری رکھنا مشکل ضرور ہو سکتا ہے ۔۔۔ اولاد قدرت کی طرف سے نوازا گیا بہترین تحفہ ہے، والدین ان کی زندگیوں کو" اونچ نیچ کا پہاڑ" نا بنائیں ۔۔۔ غیر منصفانہ رویہ اندھی کھائی ہے جس میں گر کے بچوں کی اخلاقیات بسا اوقات لولی لنگڑی ہو جاتی ہیں ۔۔۔ رویوں کا توازن ایک متوازن نظام کی بنیاد ہے ۔۔۔ ایک مکمل نظام حیات ہے ۔۔۔!

ختم شد